ایک کہانی

سے ہی جذباتی، رومانی، سنسنی خیز اور چونکا دینے والے واقعات

پہلا حصہ

عنایت اللہ

پیش لفظ

یہ ایک کہانی ہے۔

اسے میں نے ناول کہا ہے۔ ناول کا مطلب ہوتا ہے افسانہ، من گھڑت قصہ۔ یہ کہانی پڑھیں اور اپنے آپ سے پوچھیں ـــــ "کیا یہ افسانہ ہے؟ من گھڑت قصہ ہے؟" ـــــ پھر اپنے معاشرے کو دیکھیں۔ اُپر کلاس سوسائٹی کو دیکھیں۔ اپنے نوجوانوں میں ڈِسکو اور پاپ کی اور اپنے دشمن مُلک کی فلموں کی مقبولیت کو دیکھیں۔ اپنے کلچر کو آخری سانس لیتے اور ایک ایسے کلچر کو اپنے ہاں تیزی سے پھلتا پھولتا دیکھیں جو بے حیائی، عریانی اور فحاشی سے مرکّب ہے تو آپ کو اس سوال کا جواب مل جائے گا کہ یہ کہانی من گھڑت قصہ ہے یا پاکستان کا ایک حقیقی المیہ!

بھارت کو پاکستان میں جاسوسی، نظریاتی اور اخلاقی تخریب کاری اور تباہ کاری (سابوتاژ) کے لئے پاکستانی ایجنٹ اور کارندے کہاں سے اور کس طرح ملتے ہیں؟

بھارت کی انٹیلی جنس کے ہندو کارندے پاکستان میں مسلمان اور پاکستانی بن کر کس طرح رہتے ہیں اور انہیں کون تحفظ اور پناہ دیتا ہے؟

پاکستان کے نوجوانوں کو کس طرح سیر و سیاحت کے لئے بھارت لے جا کر جاسوسی اور تخریب کاری کی ٹریننگ دی جاتی اور ان کی برین واشنگ کی جاتی ہے؟

بھارت کے مسلمانوں کا پاکستان کے متعلق رویہ اور جذبہ کیا ہے؟

اِس ناول میں آپ کو بڑے ہی جذباتی، رومانی، سنسنی خیز اور چونکا دینے والے واقعات اور زندہ مثالوں کی صورت میں اِن سوالوں کے جواب ملیں گے۔ ڈراماتی اغوا، تلاش، تعاقب اور فرار کی اور پُراسرار طریقوں سے قتل کی وارداتیں بھی ملیں گی۔

بھارت کے مسلمانوں کے ایک گروہ کی خفیہ اور خطرناک سرگرمیاں اِس ناول

Pdfsecret.blogspot.com

کی روح میں شامل ہیں۔ اس گروہ کے دادوں پردادوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی لڑی تھی، اب یہ نسل اسلام کو بھارت میں زندہ رکھنے کے لئے اور پاکستان کو بھارتی جاسوسوں اور تخریب کاروں سے بچانے کے لئے دِلّی میں زمین دوز جنگ لڑ رہی ہے۔

اِس "ایک کہانی" میں کوئی وعظ اور کوئی اخلاق سدھار لیکچر نہیں، کردار اور واقعات کہانی سناتے ہیں۔ انہیں زبردستی کسی راستے پر نہیں ڈالا گیا نہ ناول کو دلچسپ بنانے کے لئے انہیں اپنے سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ کردار اپنی نفسیات اور اپنے احوال و کوائف کے تحت سرگرم ہیں۔

ناول آپ کے ہاتھ میں ہے۔ خود دیکھ لیں اور رائے قائم کریں کہ یہ حقیقت ہے یا افسانہ!

کہانی بہت طویل ہے اس لئے اسے دو جلدوں میں تقسیم کرنا پڑا۔

اپنے بچوں کو یہ کہانی ضرور پڑھائیے گا۔ میں نے یہ آپ کے بچوں کے لئے ہی لکھی ہے۔

عنایت اللہ
مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

شادی کا ہنگامہ جو کئی دنوں سے جاری تھا، اُس رات کاروں کے بڑے لمبے جلوس کی صورت میں لڑکی والوں کے ہاں چلا گیا اور دُلہن کو ساتھ لے کر واپس آ گیا تھا۔

بارات لڑکی والوں کے گھر نہیں بلکہ ایک بہت بڑے ہوٹل میں گئی تھی جس کے سامنے میں کھڑے ہونے کے بھی شاید پیسے لگتے ہیں۔ دُلہن پہلے سے وہاں موجود تھی۔ دُلہن والے بھی اپنے سینکڑوں مہمانوں کے ساتھ موجود تھے۔ دُلہن ہوٹل کے ہال میں سٹیج پر صوفے پر بیٹھی تھی۔ ہال کی اپنی چھت تھی جو نظر نہ آنے والی ٹیوبوں اور برقی قمقموں سے دوپہر کے آسمان کی طرح روشن تھی لیکن دولہا دُلہن کے لئے اس چھت کے نیچے جو سٹیج بنایا گیا تھا اس پر ایک چمکیلے کپڑے کے شامیانے کی چھت ڈالی گئی تھی۔ اس کی جھالروں پر تِلّے اور گوٹے کے پھول بنے ہوتے اور ان میں کانچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سِلے ہوتے تھے۔ جھالر ہلتی تھی تو کانچ کے ٹکڑے ستاروں کی طرح جھلملاتے تھے اور ان سے رنگ برنگی شعاعیں نکلتی تھیں۔

دُلہن صوفے پر اس طرح بیٹھی تھی جیسے جاپانی گُڑیا رکھی ہوتی ہو۔ وہ بیوٹی پارلر سے بال سیٹ کروا کے آئی تھی۔ اُس کا میک اپ اور سج دھج بیوٹی پارلر میں ہوتی تھی۔ اُس کی ماں نے دو ہزار روپے بِل ادا کیا تھا۔ مصنوعی جُوڑے کی قیمت الگ تھی۔

بیوٹی پارلر میں زیادہ تر عورتیں کام کرتی تھیں لیکن جس نے اس لڑکی کو جاپانی گُڑیا جیسی دُلہن بنایا تھا وہ آدمی تھا — گورے چٹے رنگ کا خوبرو آدمی — اپنے فن میں مہارت کے علاوہ اُس میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ ہپیوں کے لب و لہجے میں انگریزی بول سکتا تھا۔ وہ جیکی کے نام

Pdfstuff.blogspot.com

سے مشہور تھا۔ دُلہن بننے سے پہلے یہ لڑکی بالوں کی سیٹنگ کے لیے اسی کے پاس جایا کرتی تھی۔ وہ فارغ نہ ہوتا تو اُس کے انتظار میں بیٹھی رہتی تھی۔ جیکی بڑی توجہ اور انہماک سے اس کے بال تراش کر سیٹ کرتا اور ضرورت سے زیادہ وقت صرف کیا کرتا تھا۔ اب اس لڑکی کو اُس کے پاس دُلہن بننے کے لیے لے جایا گیا تو جیکی پہلے سے تیار تھا۔ وہ لڑکی کو اُس کرسی پر لے گیا جو باقی کرسیوں سے الگ تھلگ تھی۔

"رِشی!" — جیکی نے لڑکی کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سرگوشی کی — "ایسا تو نہیں کہ پھر کبھی آؤ گی ہی نہیں؟"

"مَیں کہیں باہر تو نہیں جا رہی جیکی!" — رِشی نے جواب دیا — "یہ بال تمہارے ہیں۔ شادی کے بعد بھی تم ہی انہیں سیٹ کیا کرو گے۔"

دُلہن کا نام راشدہ رحیم تھا اور وہ رِشی کہلاتی تھی۔ اس طرح وہ پاکستانی کلچر سے لاتعلق ہو گئی تھی۔ عادی مجرموں، غنڈوں اور بدمعاشوں کے نام بھی اسی طرح کے ہوتے ہیں — عبدالحق عُرف عبدا، جمال الدین عرف جامی، نذیر احمد عُرف ناجا۔ وغیرہ — تھانوں کے کاغذات میں جرائم پیشہ کلاس کے افراد کے نام اسی طرح لکھے جاتے ہیں۔ زیادہ زور عُرف پر دیا جاتا ہے اور انہیں عُرف سے ہی پکارا جاتا ہے۔ عُرف کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی اپنے ملک کے کلچر، معاشرتی اقدار اور اپنی تہذیب و تمدن سے خارج ہے۔

رِشی کا تعلق اس قانون شکن کلاس سے تو نہیں تھا بلکہ وہ اُس کلاس سے تعلق رکھتی تھی جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ مہذب اور کلچرڈ سمجھتی تھی — اس قدر مہذب کہ پاکستان کے کلچر کو پسماندہ سمجھ کر اس سے لاتعلق ہو گئی تھی — اس کلاس کے لوگوں نے اپنی الگ تھلگ دُنیا آباد کر لی تھی اور اپنے کلچر اور تہذیب پر امریکہ، فرانس اور برطانیہ کا رنگ چڑھا لیا تھا۔ پھر جب ان ملکوں کے دھتکارے ہوئے نوجوان جنہیں اپنے باپوں کے نام بھی معلوم نہیں تھے، پاکستان ہجرت کر کے آئے تو پاکستان کی

اس کلاس کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو یہ اتنے اچھے لگے کہ انہی جیسے ہپی بن گئے اور ہپی ازم کو ایک کلچر کا نام دے دیا اور اس میں ڈوب گئے اور انہوں نے اپنے پاکستانی نام بدل کر چھوٹے چھوٹے نام رکھ لیے۔

انہوں نے طور طریقے بدل لیے۔

لباس بدل لیے۔ لباس بھی ایسا بدلا کہ ان کی لڑکیاں ملبوس ہوتے ہوئے مستور نہیں ہوتی تھیں۔

انہوں نے نئی موسیقی درآمد کر لی جسے موسیقی اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس میں ساز بجتے تھے۔ باقی جو کچھ تھا وہ بے ہنگم آوازیں، چیخ و پکار اور غل غپاڑہ تھا۔ اسے اُنہوں نے ڈسکو اور پاپ میوزک کا نام دے دیا۔ اس میوزک نے جس نسل کو جنم دیا، رِشی اس نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کی مادری زبان تو کچھ اور ہوتی ہے لیکن یہ جو زبان بولتی ہے وہ مادر پدر آزاد انگریزی ہوتی ہے۔

اس نسل کی مائیں اپنی جوان بیٹیوں سے زیادہ جوان بننے کے جتن کرتی رہتی ہیں اور اپنے خاوندوں کی بجائے اپنی بیٹیوں کے بوائے فرینڈز کے ساتھ جلدی فری ہو جاتی ہیں۔ خاوندوں کا استعمال کچھ اور ہوتا ہے۔ خاوند پیسے بنانے والی مشینیں ہوتے ہیں۔ یہ مشینیں جو پیسے بناتی ہیں وہ حلال کم اور حرام زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں حرام میں بڑی برکت ہے۔

جیکی اسی نسل کا ماہر ہیئر ڈریسر تھا۔ اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ رِشی دُلہن بن کے جا رہی ہے۔ رِشی جیسی گاہک اُسے کبھی کبھی ملا کرتی تھی۔ وہ اس سے پیسے نہیں لیا کرتا تھا۔ ہیئر ڈریسنگ کے دوران جیکی کے ہاتھ رِشی کے سر سے نیچے بلکہ کندھوں سے بھی نیچے جسم کے اُس مقام تک بھی پہنچ جایا کرتے تھے جس کا ہیئر ڈریسنگ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ اُس وقت رِشی کے نوجوان اور گلاب کی پتیوں جیسے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ آ جاتی تھی وہ اُس قیمت کا ایک حصہ تھی جو جیکی اُس سے وصول کیا کرتا تھا۔

pdfstuff.blogspot.com

"شادی کر کے بندھ جاؤ گی رِشی!" — جیکی نے کہا تھا۔

"نان سینس!" — رِشی نے کہا تھا — "شادی کر کے مَیں زیادہ آزاد ہو جاؤں گی۔ رابی کو نہیں جانتے تم؟ .... وہ میرا سوِیٹ ہے۔ مَیں نے اُسے کہہ دیا ہے کہ مَیں کوئی پابندی قبول نہیں کروں گی نہ تم پر کوئی پابندی عائد کروں گی۔"

"رابی واقعی سوِیٹ ہے" — جیکی نے کہا تھا — "لیکن رِشی! ایسے لگتا ہے جیسے تم مجھے بھول جاؤ گی۔"

"ہنی مون سے واپس آتے ہی تمہیں فون کروں گی" — رِشی نے کہا۔

"اور میں آج کے کام کے بھی پیسے چارج نہیں کروں گا" — جیکی نے کہا — "مَیں جس پیار سے تمہیں دُلہن بنا رہا ہوں اسے یاد رکھنا۔"

"نہیں جیکی!" — رِشی نے کہا تھا — "میری ممی سے بِل پورا وصول کرنا ورنہ ممی مجھ سے پوچھے گی کہ پارلر نے بِل کیوں نہیں لیا!"

جیکی نے رِشی کے بالوں اور چہرے کی سجاوٹ پر اپنی مہارت کا آخری ذرّہ بھی استعمال کر ڈالا تھا جیسے بُت تراش اپنی زندگی کا آخری شاہکار تخلیق کر رہا ہو۔

رِشی جب دُلہن بن کر ہوٹل کے ہال میں سٹیج پر بیٹھی تھی تو وہ مصنوعی لگتی تھی۔ کیمروں کے فلیش بلب آسمانی بجلی کی طرح بار بار چمکتے تھے اور جب ویڈیو کیمرے کے لئے لائٹ آن ہوتی تو دُلہن مسکراتی جس سے پتہ چلا کہ یہ مصنوعی نہیں۔

اس سٹیج سے کچھ دُور ایک اور سٹیج بنایا گیا تھا جس پر جاز بینڈ کے ساز اور کُرسیاں رکھی تھیں۔ مائیک بھی تھا۔ مہمان آ رہے تھے۔ ہال بھرتا جا رہا تھا۔ انگریزی بولی جا رہی تھی جس میں اردو کی آمیزش بھی تھی۔ لال لگام والی بوڑھی گھوڑیاں بھی تھیں۔ انہوں نے عمر کی لکیریں گہرے میک اَپ

بلکہ پینٹ میں چھپا رکھی تھیں۔ ان کی چال ڈھال سے ان کی عمروں کا اور ان کی بول چال سے ان کے اوچھے پن کا اندازہ ہوتا تھا۔ یہ سب خود فریبی میں مبتلا تھیں۔

بارات آ گئی۔ ہال میں ہلچل مچ گئی۔ ویڈیو کیمرے کا رُخ دُولہا کی طرف ہو گیا۔ چند ایک نوجوان جاز بینڈ والے سٹیج پر چڑھ گئے اور کُرسیوں پر بیٹھ کر انہوں نے اپنے اپنے ساز سنبھال لئے۔ گیٹاروں والے دو نوجوان کھڑے رہے۔

دُولہا دُلہن کے پاس بیٹھ گیا۔ کئی کیمروں کے فلیش بلب چمکے اور ویڈیو کیمرہ دُولہا دُلہن پر مرکوز رہا۔ دُولہا اور دُلہن کے باپ چہروں پر فدویانہ مسکراہٹیں لئے جُھکے جُھکے سے ایک صوفے پر بیٹھے ہوتے دو مہمانوں تک پہنچے اور مزید جُھک کر دونوں نے دُولہا دُلہن کے سٹیج کی طرف اشارہ کیا اور عرض کی کہ حضور ہمارے بچّوں کے پاس تشریف رکھیں۔ ان کی عزت افزائی ہو گی۔

دونوں مہمان اُٹھے اور سٹیج کی طرف چل پڑے۔ دونوں باپ کچھ جُھکے ہوتے، کچھ سمٹے ہوتے ان مہمانوں کے پیچھے پیچھے گئے۔ مہمان سٹیج پر چڑھے۔ دُولہا دُلہن اُٹھے۔ دُولہا نے ان سے جُھک کر ہاتھ ملائے۔ دُلہن اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر آداب بجا لائی۔ ان دو مہمانوں میں سے ایک دُولہا کے دائیں طرف اور دوسرا دُلہن کے بائیں طرف بیٹھ گیا۔

ہال میں جس جس کے پاس کیمرہ تھا وہ سٹیج پر چڑھ گیا اور تصویریں لینے لگا۔ ان میں سرکاری فوٹو گرافر بھی تھے۔ وہ آگے بڑھ بڑھ کر تصویریں لے رہے تھے۔ انہوں نے یہ تصویریں اُسی وقت اخباروں کو پہنچانی تھیں۔ صبح کے اخباروں میں یہ تصویر نہ چھپنے سے ان فوٹو گرافروں کی شامت آ جاتی — ان دو مہمانوں میں ایک صوبے کا گورنر اور دوسرا وزیرِ اعلیٰ تھا۔

اس سٹیج پر تصویریں لینے کا ہنگامہ تھا۔ دوسرے سٹیج پر بھی ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔ ایک نوجوان نے مائیک ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ساز

pdfstuff.blogspot.com

بجنے لگے تھے۔ جس کے ہاتھ میں مائیک تھا اُس نے مائیک اپنے مُنہ کے قریب کیا اور چنگھاڑ جیسی آواز میں انگریزی گانا شروع کر دیا۔ سپیکروں کی آواز انتہائی بلند رکھی گئی تھی۔ گانے والا بھی انتہائی بلند آواز سے گا رہا تھا۔ اس قدر غل غپاڑہ اور اتنا کرخت شور کہ ادھیڑ عمر اور بوڑھے مہمان اپنے کانوں میں اُنگلیاں پھیرنے لگے۔

نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے بازو اُوپر کر کے اور لہرا لہرا کر ڈرم کی تال پر تالیاں بجانی شروع کر دیں۔ تین چار نوجوان جوش میں آکر بڑھے اور کولہے مٹکا مٹکا کر اور بازو لہرا لہرا کر ناچنا شروع کر دیا۔ ہپّی کلاس پر دیوانگی طاری ہو چکی تھی۔

پرانی عمر کے مہمان آہستہ آہستہ ہال سے نکل گئے۔

"کیا یہ موسیقی ہے؟"

"اور سٹیج کے قریب لڑکے جو حرکتیں کر رہے ہیں یہ رقص ہے۔"

"یہ زندگی کے حقائق کے مفرور ہیں۔ یہ اس غل غپاڑے میں پناہ لیتے ہیں۔ یہ ان کی نفسیاتی کیفیت ہے۔ ہماری یہ گمراہ نسل بھٹکتی پھر رہی ہے۔ یہ دنیا کی کوئی اور آواز نہیں سُننا چاہتے۔"

"میرا خیال ہے کہ اسلام اتنی تیزی سے نہیں پھیلا تھا جس تیزی سے ہپّیوں کا کلچر پاکستان میں مقبول ہُوا ہے۔"

پھر یہ ہنگامہ دُولہا کے گھر سمٹ آیا اور دُلہن حجلۂ عروسی میں پہنچا دی گئی تھی۔ دُولہا کی ماں اور دو بہنیں اُسے اس سجے سجاتے کمرے میں لاتی تھیں۔ اُسے ڈبل بیڈ پر بٹھایا۔ دُولہا کی ماں نے اپنی بہو کو کوئی دُعا نہ دی۔ دُولہا کی بہنوں نے بھی نہ کہا کہ اللہ تمہیں ازدواجی زندگی کی پہلی رات مبارک کرے یا یہ کہ اللہ تمہاری ازدواجی زندگی کو مسرت اور محبت عطا کرے۔

"WISH YOU GOOD LUCK RISHI" —— ایک بہن نے دُلہن کے گال پر ہلکی سی تھپکی دے کر کہا۔

"AND LOOK AFTER HIM WELL" —— دوسری بہن نے دُلہن

کے پہلو میں گُدگُدی کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ شٹ اَپ!" —— دُلہن نے بغیر حجاب کے کہا —— "رابی میرے لئے STRANGER تو نہیں۔"

دُولہا کی ماں اور بہنیں کمرے سے نکل گئیں اور دروازہ بند کرتی گئیں۔

دُلہن اُٹھی۔ اُس کے سَر پر وزنی دوپٹہ تھا جس پر وزنی کام کیا ہُوا تھا۔ دُلہن نے دوپٹہ کھینچ کر سَر سے اُتارا اور پرے پھینک دیا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا رُکی اور اپنا جائزہ لینے لگی۔ اس نے مصنوعی جُوڑا اُتارا اور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس نے ہیئر برش اُٹھایا اور سَر پر پھیرنے لگی۔

اس کے بعد اُس نے بیڈ روم کا معائنہ کیا۔ اٹیچ باتھ روم کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے یہ ہوٹل کا کمرہ دیکھ رہی ہو کہ کسی چیز کی کمی تو نہیں۔ اُس نے دروازہ کھولا اور باہر دیکھ کر بند کر دیا۔

اُس کے چہرے پر اکتاہٹ تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کم اِن!" —— دُلہن نے کہا۔

وہ سمجھی اُس کا دُولہا رابی آیا ہے لیکن وہ رابی کے گھر کی نوکرانی تھی۔ وہ رِشی کی ہم عمر تھی۔ وہ رِشی جیسی خوبصورت تو نہیں تھی لیکن اُس سے زیادہ خوبصورت لگتی تھی۔ اُس کے چہرے پر بھولا پن تھا، معصومیت تھی۔ یہی اُس کا حُسن تھا اور یہ دلوں کو موہ لینے والا حُسن تھا۔

"ہاں!" —— رِشی نے پوچھا —— "کون ہو تم؟"

"مَیں اس گھر کی نوکرانی ہوں بیگم صاحب!"

"انعام لینے آئی ہو؟" —— رِشی نے پوچھا اور لپک کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا ہُوا اپنا پرس اُٹھایا۔

"نہیں بیگم صاحب!" —— نوکرانی نے مُسکرا کر کہا —— "بڑی بیگم صاحب نے بھیجا ہے کہ آپ سے پوچھ لوں کہ کچھ چاہیئے تو .... کچھ پینا ہے تو بتا دیں .... چائے، کافی، دودھ ...."

Pdfstuff.blogspot.com

"کچھ نہیں چاہیئے" — رِشی نے شگفتہ سے لہجے میں کہا — "وہ جو اس وقت مجھے چاہیئے وہ STUPID معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے۔"

"آپ نے کس کا نام لیا ہے بیگم صاحب؟"

"دُولہا صاحب کا!" — رِشی نے کہا — "رابی کہیں نظر آتے تو اُسے اِدھر بھیجو۔"

"ہائے اللہ بیگم صاحب!" — نوکرانی نے ہنستے ہوتے کہا — "پہلی رات ہی آپ اس طرح کی باتیں کر رہی ہیں .... دُولہا کو بلا رہی ہیں۔ مجھے تو اسی بات پر شرم آ رہی ہے۔"

رِشی کی بھی ہنسی نکل گئی۔

"تمہاری جب شادی ہو گی تو تم بھی ...."

"میری شادی ہو چکی ہے بیگم صاحب!" — نوکرانی نے اپنی ہتھیلیاں رِشی کے آگے پھیلا کر کہا — "یہ دیکھیں مہندی۔ اس کا رنگ ابھی بجھا نہیں۔ آٹھ روز ہو گئے ہیں۔"

"خاوند کہاں ہے؟"

"اسی کوٹھی میں نوکر ہے" — نوکرانی نے جواب دیا — "پانچ چھ سال سے یہاں نوکری کر رہا ہے۔ مجھے بھی یہیں لے آیا ہے۔ ہم سرونٹ کوارٹر میں رہتے ہیں۔"

"تم نے پہلی رات اپنے دُولہا کو نہیں بلایا تھا؟"

"توبہ توبہ بیگم صاحب!" — نوکرانی نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا — "وہ خود ہی آ گیا تھا۔ اللہ قسم بیگم صاحب! میں تو کہوں کہ زمین پھٹ جاتے اور میں اس میں اُتر جاؤں۔ پھر دل میں آتی کہ دوسرے دروازے سے بھاگ جاؤں لیکن بیگم صاحب! ہمارے گھروں کے جو کمرے ہوتے ہیں اُن کا ایک ہی دروازہ ہوتا ہے۔ اسی سے اندر جاتے ہیں اور اسی سے باہر نکلتے ہیں۔ اس دروازے کو اُس نے بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی تھی" — اُس کا چہرہ حجاب سے سُرخ ہو گیا اور بولی — "رہنے دیں

بیگم صاحب! کوئی اور بات کریں۔ آپ بتائیں، کچھ چاہیئے۔"

"نہیں!" — رِشی نے کہا اور پرس سے دس دس کے دو نوٹ نکال کر نوکرانی کی طرف کرتے ہوتے کہنے لگی — "یہ رکھ لو .... تم جاؤ۔"

نوکرانی نوٹ ہاتھ میں لے کر چلی گئی اور بیگم کو جا کر بتایا کہ دُلہن کو کچھ نہیں چاہیئے۔

دُولہا نے دُلہن کو بہت انتظار کرایا۔ دُولہا کو دیکھ کر دُلہن شرم و حجاب سے سُکڑی اور سمٹی نہیں۔ شرم کے مارے اُس نے اپنا گھونگھٹ اور زیادہ نہیں لٹکایا۔ اُس کے سر پر دوپٹہ ہی نہیں تھا گھونگھٹ کہاں سے آتا۔ اُس کی آنکھوں میں شرم ہی نہیں تھی نظریں کیسے نیچی ہوتیں۔ پلکیں وہ جھکا کرتی ہیں جو شرم و حیا کا بوجھ نہیں سہار سکتیں۔

"کہاں مر گئے تھے!" — دُلہن نے کہا۔

"وہ سب اکٹھے ہو گئے تھے" — دُولہا نے چار پانچ دوستوں کے نام لے کر کہا۔

"تم کچھ پی کر آئے ہو" — دُلہن بولی۔

"دِکی سکاچ وہسکی کی بوتل لے آیا تھا" — دُولہا نے کہا — "رِشی! سو نہ جائیں؟ تین راتیں ناچتے ناچتے جسم ٹوٹ گیا ہے۔"

دُولہا دُلہن تین چوتھائی انگریزی اور ایک چوتھائی اُردو ملا کر کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔

وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ صرف یہ ہی نہیں کہ وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے بلکہ ایک دوسرے کے ضمیر کو بھی جانتے تھے۔ اگر رِشی نے روایتی طور پر گھونگھٹ لٹکا رکھا ہوتا اور دُلہنوں کی طرح بیر بہوٹی بنی ہوتی ہوتی تو بھی وہ رابی کے لئے لال ریشم میں لپٹا ہُوا کوئی راز نہ ہوتی۔ رابی میں گھونگھٹ اُٹھانے کی ذرا سی بھی بے تابی نہ ہوتی، اشتیاق نہ ہوتا۔ رابی پر یہ راز شادی سے کافی عرصہ پہلے کھل چکا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

رِشی کے لئے رابی بھی کوئی بھید نہ تھا۔

دونوں ایک دوسرے پر فاش ہو چکے تھے۔ شادی تو ایک رسم تھی جو پوری کی گئی تھی۔ ان کی ملاقات ایک سال پہلے ایک رات ہوئی تھی۔ رابی کا ایک دوست اُسے ایک پارٹی میں لے گیا تھا۔ وہاں اُسی جیسے نوجوان جمع تھے۔ دُبلے پتلے، لمبے لمبے بالوں والے نوجوان ڈسکو گانوں کے کیسٹ لگا کر ناچ رہے تھے۔ چرس بھرے سگریٹ پیتے جا رہے تھے۔ ان میں تین لڑکیاں بھی تھیں۔ یہ سب امیروں کی بیٹیاں بیٹے تھے۔

رابی اپنے دوست کے سوا ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ اس دوست نے اُس کا سب کے ساتھ تعارف کرایا۔ وہ سب پاکستانی ہپّی تھے اور امریکی لہجے میں انگریزی بولتے تھے۔ رِشی کے ساتھ بھی اس کا تعارف ہُوا۔ دو لڑکیاں اور تھیں۔ ان کے ساتھ بھی تعارف ہُوا۔ ایک لڑکی تو یونہی سی تھی۔ اس میں صرف یہ خوبی تھی کہ اس کا باپ سب کے باپوں سے زیادہ امیر تھا۔ اُس کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں بیویوں نے مل کر گھر کو بچوں سے بھر دیا تھا۔ انہوں نے گیارہ بچے پیدا کئے تھے۔ یہ لڑکی پہلی بیوی میں سے تھی۔ دوسری بیوی آئی تو پہلی بیوی کا دل مُرجھا گیا، من مر گیا۔ اُس کی توجہ اپنی اولاد سے ہٹ گئی۔

باپ سمجھا کہ دولت ہر مسئلہ حل کر دیتی ہے۔ وہ دونوں بیویوں پر اولاد اور روپوں کا مینہ برساتا رہا۔ اُس کے ذرائع آمدنی بہت تھے۔ حلال کے ذرائع محدود اور حرام کے لامحدود تھے۔ وزیروں اور افسر شاہی میں وہ مقبول شخصیت تھا۔ اُس کی تمام تر توجہ روپیہ اکٹھا کرنے پر مرکوز رہتی تھی۔ دونوں بیویوں کو اُس نے کاریں دے رکھی تھیں۔ ایک کار فالتو تھی جو اولاد کے لئے تھی۔ باپ یہی دیکھ کر خوش ہو جاتا تھا کہ اس کی اولاد اچھا کھاتی اور اچھا پہنتی ہے اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا جو جوان ہو گئے ہیں وہ کالج جاتے ہیں اور آزاد خیال ہیں۔

دوسری لڑکی رِشی سے کچھ زیادہ خوبصورت اور سمارٹ تھی۔ رابی نے نہ رِشی میں دلچسپی کا اظہار کیا نہ اس دوسری لڑکی میں جو خوبصورت اور سمارٹ تھی۔

وہ ان لڑکوں کے ساتھ لگا رہا اور اُن پر اپنے باپ کے بڑے پن اور امارت کا رُعب جماتا رہا لیکن اُسے یہ لڑکے اچھے نہ لگے۔ ایک تو وہ مریل مریل سے تھے اور گھٹیا قسم کے امیر زادے تھے۔

آدھی رات کے وقت ان میں سے چار نوجوان رخصت ہو گئے اور رِشی بھی اُن کے ساتھ چلی گئی۔ اس سے کچھ ہی وقت بعد رابی نے اپنے دوست سے کہا کہ رخصت لی جائے۔ رابی دوست کی گاڑی پر آیا تھا۔ وہ چلنے لگے تو ایک نوجوان نے انہیں ایک لڑکی کو ساتھ لے جانے کو کہا۔

"اسے مَیں لایا تھا" —— اُس نے کہا —— "مَیں نے ابھی رُکنا ہے، اسے کیمپس تک پہنچا دینا۔"

"اندر خود چلی جائے گی؟" —— دوست نے پوچھا —— "یا کوئی اور طریقہ ....؟"

"ہاں ہاں!" —— لڑکی نے مُسکراتے ہُوئے کہا —— "نو پرابلم۔ یہ تو ہماری رُوٹین ہے۔ وہ کیمپس ہے قلعہ تو نہیں .... اور رات کو وہاں سے میں اکیلی تو نہیں نکلتی۔"

لڑکی رابی اور اُس کے دوست کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

کیمپس ابھی کچھ دُور تھا۔ گاڑی نہر کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ اس نوجوان لڑکی کو ذرا سی بھی پریشانی نہیں تھی کہ وہ نوجوان مردوں کے ساتھ جا رہی ہے، آدھی رات کا وقت ہے اور سڑک سنسان ہے۔ اُس کی زبان کار سے زیادہ تیز چل رہی تھی۔

آگے ایک کار جاتی نظر آئی جو چلتے چلتے رُک گئی۔ اُوپر سڑک کا بلب جل رہا تھا۔ ایک دو منٹ بعد کار کا ایک پچھلا دروازہ کھُلا اور ایک لڑکی دروازے سے باہر کو گری۔ وہ اُٹھ ہی رہی تھی کہ دو لڑکوں نے کار سے نکل کر اُسے دبوچ لیا۔ لڑکی ان سے آزاد ہونے کو تڑپ رہی تھی۔

Pdfstuff.blogspot.com

کار سے دو اور لڑکے نکلے۔ اتنے میں رابی کے دوست کی کار قریب پہنچ گئی۔

"گاڑی روکو" — رابی نے کہا۔

"جانے دو یار!" — رابی کے دوست نے کہا — "انہیں کھیلنے دو۔"

ان کی کار کو دیکھ کر اُن نوجوانوں نے اِدھر دیکھا۔ لڑکی نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

"اوہ!" — رابی والی کار میں بیٹھی لڑکی نے کہا — "یہ تو رِشی ہے۔"

"نکل چلتے ہیں رابی!" — رابی کے دوست نے کہا — "یہ اپنے دوست ہیں۔"

یہ وہی چاروں لڑکے تھے جن کے ساتھ رِشی آئی تھی۔

"گاڑی روک دو کی!" — رابی نے غصّے سے کہا۔

گاڑی رُک گئی۔ رابی بڑی تیزی سے باہر نکلا اور اُن لڑکوں کی طرف گیا۔ وہ لڑکے بھاگے نہیں، ڈرے نہیں۔ رِشی کو دو لڑکوں نے پکڑ رکھا تھا اور وہ آزاد ہونے کو تڑپ رہی تھی۔

"اوہ!" — اُن میں سے ایک نے کہا — "یہ تم ہو .... دیکھو رابی! یہ کتنی بدتمیزی کر رہی ہے۔"

رابی کا جسم ان کی نسبت ذرا مضبوط تھا۔ اُس نے کچھ کہے بغیر اُن میں سے ایک لڑکے کے مُنہ پر گھونسہ جمایا جنہوں نے رِشی کو پکڑ رکھا تھا۔ فوراً ہی اُس نے ایک گھونسہ دوسرے لڑکے کے مُنہ پر جمایا۔ دونوں لڑکے پیچھے کو گرتے گرتے پانچ چھ قدم دُور جا گرے۔

ابھی دو لڑکے باقی تھے۔ وہ رابی کی طرف آتے۔ وہ لڑنے کے موڈ میں نہیں لگتے تھے۔

"کم آن رابی!" — ان میں سے ایک نے امریکی لہجے میں انگریزی

میں کہا — "یہ تمہاری نہیں ہماری لڑکی ہے۔"

چوتھا لڑکا ذرا تیز معلوم ہوتا تھا۔

"رابی!" — اُس نے انگریزی میں چیلنج کے انداز میں کہا — "میں تمہیں خبردار کرتا ہوں۔ بعد میں تمہیں افسوس ہوگا۔ تم پاکستانیوں جیسی حرکت کر رہے ہو۔"

یہ دونوں لڑکے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ رابی نے دونوں کے سَروں پر ہاتھ رکھے۔ ان کے بال مُٹھیوں میں پکڑے اور زور سے جھٹکا دے کر اُن کے سَر آپس میں ٹکرائے۔ ایک بار، دو بار، تین بار۔ جب اُس نے ان کے بال چھوڑے تو دونوں لڑکے یوں جھومنے لگے جیسے وہ نشے میں بدمست ہوں۔ اُن کے قدم اپنے آپ ہی اُٹھنے لگے لیکن قدم لڑکھڑا اور ڈگمگا رہے تھے۔ دونوں تیورا تے اور گر پڑے۔

جو پہلے دو گرے تھے وہ اُٹھ چکے تھے لیکن آگے نہیں آتے۔ رابی نے رِشی کو بازو سے پکڑا اور اپنے دوست کی گاڑی میں بٹھا دیا۔ رابی اور اس کا دوست اور لڑکی بھی گاڑی میں بیٹھے۔

"مجھے یہ کہہ کر ساتھ لاتے تھے کہ تمہیں گھر ڈراپ کر دیں گے" — رِشی نے کہا — "اور اس طرف لے آتے۔ پھر تم نے دیکھا ہے یہ کیا کر رہے تھے۔ یہ چاروں مجھے ...."

"ان میں سے کسی کے ساتھ تمہاری دوستی ہے؟" — رابی نے پوچھا۔

"دوستی تو سب کے ساتھ ہے" — رِشی نے جواب دیا — "محبت والی دوستی کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ مَیں ابھی کسی کے ساتھ محبت نہیں کرنا چاہتی۔"

کار رِشی کی کوٹھی کے سامنے جا رُکی۔ رِشی اُتری۔ رابی بھی اُتر آیا اور چند قدم اُس کے ساتھ گیا۔

"تم کہاں رہتے ہو؟" — رِشی نے پوچھا — "تمہارا فون نمبر

PdfStuff.blogspot.com

کیا ہے؟"

رابی نے بتایا۔ رِشی نے اُسے ایک ہوٹل کا نام بتایا۔ یہ چھوٹا سا ہوٹل تھا جس میں اپنی جیسے لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے ہوتے تھے۔ اس ہوٹل کا تہہ خانہ بھی تھا جہاں کیبن بنے ہوتے تھے۔ تنہائی کی ملاقات کا خاطر خواہ انتظام تھا۔

"کل آسکو گے وہاں؟" — رِشی نے پوچھا — "میں ان لڑکوں سے اب کبھی نہیں ملوں گی۔ یہ پیپر ٹائیگر ہیں۔"

"آجاؤں گا" — رابی نے کہا۔

اگلی شام دونوں کی ملاقات اس ہوٹل کے تہہ خانے میں ہوتی۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ تہہ خانے سے اُبھرے تو وہ ایک دوسرے کے سویٹ بن چکے تھے۔

پھر ان کی ملاقاتیں روزمرّہ کا معمول بن گیا۔ وہ اُس قسم کے عاشق و معشوق نہیں تھے جو گھروں میں بیٹھے آہیں بھرا کرتے اور چوری چھپے ملا کرتے ہیں اور آخر لڑکی کی شادی کہیں اور، اور لڑکے کی کہیں اور ہو جاتی ہے۔ رابی اور رِشی اُس دنیا کے باسی تھے جنہیں عشق و محبت میں ہر طرح کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ ان کی ملاقاتوں پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ان کی شادی نہ ہو سکے تو یہ کوئی المیہ نہیں ہوتا۔ چھُپ چھُپ کر دردناک فلمی گیت نہیں گاتے جاتے۔

رابی اور رِشی نے محبت کی پینگیں بڑھائیں .... نہیں۔ یہ غلط ہے۔ پینگیں تو پسماندہ لڑکے لڑکیاں بڑھایا کرتے ہیں، رابی اور رِشی کی دُنیا میں کاریں دوڑائی جاتی ہیں۔ موٹر سائیکل دوڑائے جاتے ہیں۔ گھنٹہ گھنٹہ، دو دو گھنٹے ٹیلیفون پر دل کی باتیں ہوتی ہیں۔ نئی روشنی کے لوگ جن کے طور طریقے اور انداز امریکی اور یورپی ہوتے ہیں وہ پینگیں نہیں بڑھایا کرتے کیونکہ پینگ کبھی دھڑک کر کے ٹوٹ جایا کرتی ہے۔ اگر محبت کرنے

والے کی کار پنکچر ہو جاتے تو فوراً ٹائر بدل لیا جاتا ہے۔ جس طرح کار میں سپیئر پہیہ رکھا جاتا ہے اسی طرح دیسی ہپیوں کی دُنیا میں محبت کرنے والے ایک عاشق یا معشوق سپیئر رکھتے ہیں تاکہ دونوں میں سے ایک بے وفائی کر جاتے تو فوراً سپیئر کے ساتھ عشق و محبت شروع ہو جاتے۔

رابی اور رِشی کی پانچویں یا چھٹی ملاقات تھی۔ رات گیارہ بجے کے بعد کا وقت تھا۔ رِشی رابی کی گاڑی میں بیٹھی تھی اور گاڑی آبادی سے دُور نہر کے کنارے کھڑی تھی۔ رابی باپ کا ریوالور ساتھ لے آیا تھا۔ دسمبر کی وہ رات بڑی ہی سرد تھی۔ کار کے شیشے چڑھے ہوتے تھے۔ رابی اور رِشی پچھلی سیٹ پر چلے گئے — اور رِشی نے اپنی وہ آبرو جو ایک ہی مہینہ پہلے چار پاکستانی ہپیوں سے بچانے کی کوشش کی تھی اور رابی پہنچ گیا تھا، وہ انعام کے طور پر رابی کو دے دی۔

ایک سال بعد رابی اور رِشی حجلۂ عروسی میں اس رات کو یاد کر رہے تھے۔

"شبِ عروسی تو وہ تھی رابی!" — رِشی نے ایک سال پہلے کے دسمبر کی اُس رات کو یاد کرتے ہوئے کہا: "IT WAS REAL GREAT RABI!....O! THAT LOVELY NIGHT."

اُس نے انگڑائی لی۔ اُس کی آنکھوں میں ایسا تاثر تھا جیسے ایک سال پہلے کی اُس رات کو دیکھ رہی ہو۔

اُس نے انگڑائی کو بازوؤں میں سمیٹ کر رابی کی طرف دیکھا۔ رابی سلیپنگ سُوٹ پہن کر پلنگ پر لیٹا ہُوا تھا۔ اُس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

گزرے ہوئے ایک سال میں اُس نے رِشی کے ساتھ ایسی کتنی ملاقاتیں کی تھیں۔ رِشی میں اب اُس کے لئے کچھ بھی نیا نہیں تھا۔

رِشی کچھ دیر رابی کو دیکھتی رہی۔ اسے بھی اس میں کوئی نیا پن نظر نہ آیا۔ اسے نیند آنے لگی۔ وہ پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ رابی کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ رِشی اُس کے ساتھ لیٹ گئی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔

pdfstuff.blogspot.com

ازدواجی زندگی کی پہلی رات انہیں سوتا چھوڑ کر گزر گئی۔

رِشی نے دو باپ دیکھے تھے —— ایک سگا دوسرا سوتیلا ——

اُس کا سگا باپ ایک سرکاری محکمے میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھا۔ اُس کی اُس وقت عمر چھتیس سال تھی جب اُس نے رِشی کی ماں کے ساتھ شادی کی تھی۔ اُس وقت وہ رِشی کی ماں نہیں تھی۔ اس کی عمر پچیس سال تھی۔ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ لڑکپن میں ہی اُس نے لڑکوں کو اُنگلیوں پر نچانا شروع کر دیا تھا۔ یہ اُس کی ہابی تھی۔ لڑکوں سے وہ تحفے وصول کرتی اور ہر ایک کو محبت کا یقین دلاتی اور انہیں جھوٹے وعدوں پر ٹالتی رہتی تھی۔

وہ بڑی ہوتی گئی۔ اکیس سال کی عمر میں اُس کی شادی کر دی گئی لیکن پانچویں مہینے طلاق لے کر گھر آ بیٹھی۔ کہتی تھی کہ اُس کا خاوند مُردہ دل ہے اور اُسے نصیحتیں کرتا رہتا ہے۔ ازدواجی زندگی کے جال سے آزاد ہو کر اس نے پھر اپنا پُرانا شغل شروع کر دیا۔ بیک وقت تین چار آدمیوں کو دل دینے کا جھانسہ دے کر اُن سے اپنی فرمائشیں پوری کراتی رہی۔ دو کو اُس نے آپس میں لڑا دیا اور تھانے تک پہنچا دیا تھا۔ اُس میں خوبی یہ تھی کہ چاہنے والوں سے اپنے جسم کو بچا کر رکھتی تھی۔ وہ انگریزی فلموں والی "محبت" کرتی تھی۔

اُسے صرف اپنے پرس کے ساتھ دلی محبت تھی۔ وہ پرس کا پیٹ بھر کر رکھتی تھی۔ پھر اُسے قیمتی کپڑوں سے محبت تھی۔ وہ شہزادی بننے کے خواب دیکھا کرتی تھی۔ وہ ایسے آدمی کی تلاش میں تھی جو اُس کے جسم کے وزن جتنے نوٹ دینے کے قابل ہو۔ وہ اپنی قدر و قیمت کو بڑی اچھی طرح جانتی تھی۔ یہ اُس کی اُستادی کا کمال تھا کہ ہوس کار آدمیوں کے درمیان رہتے ہوتے بلکہ اُن کے ساتھ گھومتے پھرتے اور کھاتے پیتے ہوتے اُس نے اپنے آپ کو اُن کے لئے جنس نایاب بنا رکھا تھا۔ اُس نے آدمیوں کی کمزوریوں کو بھانپ لیا تھا۔ اُن کی دُکھتی رگوں کو پہچان لیا تھا۔

اُس کی عمر پچیس سال ہو گئی اور اُسے ایک آدمی مل گیا جو اُس کی

فطرت کے پیمانے پر پورا اُترتا تھا۔ وہ اُس سے دس گیارہ سال بڑا تھا لیکن اتنا بڑا لگتا نہیں تھا۔ بڑا لگتا بھی تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس حسین لڑکی نے بھانپ لیا تھا کہ وہ جس کی تلاش میں تھی وہ اسے مل گیا ہے۔ ایک تو یہ شخص طبعاً خوشگوار تھا اور اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ دریا دل اور شاہ خرچ تھا۔

ان کی ملاقات اتفاقیہ ہوتی تھی۔ اس آدمی کا انداز اُن تمام آدمیوں سے مختلف اور باوقار تھا جو اُس وقت تک اس لڑکی سے مل چکے تھے۔ اُس نے لڑکی کے حُسن کی تعریف نہ کی۔ اس کے بالوں کو ریشم کے تار اور اُس کی آنکھوں کو جادو بھرے نین نہ کہا۔ اُس کے جسم کی ساخت کی دلکشی کی بات نہ کی۔ اُس کے ہونٹوں کو گلاب کی پتیاں نہ کہا۔

اس آدمی کے ساتھ اُس کی دو تین اور ملاقاتیں ہوتیں تو بھی اُس نے کوئی فلمی مکالمہ نہ بولا اور باتیں ایسی کیں جیسے دو دوست کیا کرتے ہیں۔ لڑکی کو شک ہُوا جیسے اس آدمی کو معلوم ہی نہیں کہ جسے وہ دوست بنا رہا ہے وہ لڑکی ہے۔ اس احساس سے لڑکی کی اپنی ایک کمزوری بیدار ہو گئی۔

"کیا میں آپ کو اچھی نہیں لگتی؟" —— اُس نے اس آدمی سے پوچھا۔

وہ دراصل کہنا یہ چاہتی تھی کہ تم میرے حُسن و جوانی کی تعریفوں کے پُل کیوں نہیں باندھتے؟

"اچھی نہ لگتیں تو میں تمہارے ساتھ بات تک نہ کرتا" —— اس آدمی نے کہا —— "مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی بھی ہے اور دلچسپی بھی۔ آخر کب تک کھیلتی رہو گی؟ .... ڈرائیونگ جانتی ہو؟"

"نہیں!" —— لڑکی نے کہا —— "ڈرائیونگ کا تو مجھے بہت شوق ہے۔"

"چلو میرے ساتھ!" —— اُس کے دوست نے کہا اور اُسے اپنی کار تک لے جا کر کہا —— "یہ گاڑی تمہاری ہے۔ کہو گی تو دوسری گاڑی آ جائے گی .... بیٹھو!"

PdfStuff.blogspot.com

گاڑی شہر سے نکل کر ایک وسیع میدان میں چلی گئی۔ گاڑی والے نے لڑکی کو سٹیئرنگ پر بٹھایا اور خود ساتھ بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ کی ٹریننگ شروع ہو گئی۔

پھر ہر روز ٹریننگ ہونے لگی۔

دسویں گیارہویں روز لڑکی شہر کی گنجان سڑکوں پر گاڑی چلا رہی تھی۔

پھر لوگ اس لڑکی کو اکیلے اس کار میں دیکھنے لگے۔ وہ اپنے چاہنے والوں اور اُمیدواروں کو خاص طور پر دکھاتی اور شو آف کرتی کہ یہ میری اپنی کار ہے۔ وہ دراصل کہنا یہ چاہتی تھی کہ اب تمہیں میری قیمت کا اندازہ ہُوا ہے۔

اور ایک روز اس خبر نے کتنی دلوں کو کُچل اور مَسل کر رکھ دیا کہ سلیمہ نے اکرام کے ساتھ شادی کر لی ہے۔

اکرام کی کوٹھی تو کسی نواب یا مہاراجے کا محل تھا۔ اُس کی پہلی بیوی مر گئی تھی۔ اُس سے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اکرام ایک سرکاری محکمے میں بڑی اچھی اور ذمہ دار پوسٹ پر تھا۔ وہ افسر شاہی کا ایک اہم کل پُرزہ تھا۔ فرہاد نے تو دُودھ کی نہر کھودی تھی جو شیریں کے محل کے قریب یا نیچے سے گزرتی تھی، اکرام نے سونے چاندی کی نہر نکالی تھی جو اُس کے اپنے محل میں آ کر ختم ہو جاتی تھی۔

یہ "فضلِ ربی" کی نہر تھی۔ اکرام کے محکمے کو امریکی ایڈ اور غیر ملکی قرضوں کا ایک بڑا حصہ ملتا تھا جو عوام کی بہبود اور ملک کی ترقی کے کاموں میں صرف ہونا چاہیتے تھا لیکن اس حصے کا بڑا حصہ خورد بُرد ہو جاتا اور اُوپر والوں کو کاغذی کارگزاری دکھا دی جاتی تھی۔ اکرام ایسی کرسی پر بیٹھا ہُوا تھا جس کے نیچے یہ سارا خزانہ تھا۔

ایک روز اکرام گھر آیا۔ اُس کا چہرہ اُترا ہُوا تھا۔ بات کرتے زبان

ہکلاتی تھی۔ سلیمہ نے پوچھا تو اُس نے بتایا کہ آڈٹ ٹیم اچانک آ دھمکی تھی۔ اکرام نے جعل سازی اور غبن کو چھپانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن گیارہ لاکھ کی ایک رقم پکڑی گئی۔ اُس نے آڈٹ آفیسر کا مُنہ نوٹوں کی گٹھیوں سے بند کرنا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

اس سے پہلے اکرام دو بار پکڑا گیا تھا۔ اُس کے خلاف انکوائری کا حکم دے دیا گیا تھا لیکن حکم دینے والے اور انکوائری کرنے والے اسی ملک کے باشندے تھے۔ وہ اسی مٹی کی پیداوار تھے۔ آسمان سے اُترے ہوئے فرشتے نہیں تھے۔ اکرام ان کی کمزوریوں اور دُکھتی رگوں سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُوپر والوں کے ہاتھ پھیلے ہوتے اور مُنہ کُھلے ہوتے ہیں اور ان کے مُنہ ان کے وسیع و عریض پیٹوں کے دروازے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اُس بڑے صاحب تک رسائی حاصل کی جو حکم دے بھی سکتا تھا اور اپنے حکم کو منسوخ بھی کر سکتا تھا۔ وہ وزیروں کے احکام پر لکیر پھیرنے کے اختیارات بھی رکھتا تھا۔ پاکستان کے اصل حکمران یہی لوگ ہیں۔ وزیر تو ان کے محتاج اور محکوم ہوتے ہیں۔

اکرام نے افسر شاہی کے اس بادشاہ کے مُنہ میں نوٹوں کے بنڈل ڈالے جیسے لیٹر بکس میں کارڈ اور لفافے ڈالے جاتے ہیں۔ اکرام جیل جانے سے بال بال بچ گیا۔ دوسری بار بھی اس نے یہی نسخہ چلایا اور انکوائری کے مکھن سے بال کی طرح نکل آیا تھا۔

"اب مجھے صرف تم بچا سکتی ہو سلیمہ!" — اُس نے کہا — "بلکہ اپنے آپ کو تم بچا سکتی ہو۔"

"اگر یہ میرے اختیار میں ہے تو مجھے راستہ دکھائیں" — سلیمہ نے کہا۔

اکرام نے اُسے دو کوٹھیوں کے راستے بتا دیئے۔ سلیمہ سمجھ گئی کہ وہ ان کوٹھیوں میں کیا کمال دکھانے کے لئے بھیجی جا رہی ہے۔ وہ دو تین راتیں ایک کوٹھی میں اور دو تین راتیں دوسری کوٹھی میں گئی۔ ایک صاحب

PdfStuff.blogspot.com

کی فرمائش پر اُسے اُس کے ساتھ تین چار دنوں کے لئے سوات جانا پڑا۔ وہاں سے واپس آئی تو اگلے روز انکوائری کا حکم منسوخ ہو گیا ـــــ قرضے میں آتی ہوتی کثیر رقم میں سے گیارہ لاکھ روپیہ ایک کوٹھی میں غائب ہو گیا۔

اکرام نے پہلے ہی جائزہ لے لیا اور حساب کر لیا تھا۔ گیارہ لاکھ روپیہ ہضم کرنے کے لئے بارہ تیرہ لاکھ روپیہ دینا پڑتا تھا۔ اُس کے لئے سلیمہ سستا سودا تھی۔

سلیمہ کو وہ دعوتوں، تقریبوں اور پارٹیوں میں اپنے ساتھ رکھتا اور بڑے افسروں سے اُسے صرف ملواتا ہی نہیں تھا بلکہ اُس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا کہ وہ ان افسروں کو اپنے ساتھ بے تکلف کر لے۔ اُس نے سلیمہ کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ اُس کی اس لامحدود آمدنی کا ذریعہ کیا ہے۔ یہ معلوم ہو جانے سے سلیمہ سمجھ گئی تھی کہ اُسے بڑے افسروں اور وزیروں وغیرہ کے ساتھ کیوں بے تکلف ہونا ہے اور کس طرح کی بے تکلفی پیدا کرنی ہے۔ اس فن میں وہ مہارت رکھتی تھی۔ اُسے کم و بیش پانچ سال کا تجربہ حاصل تھا۔

سلیمہ سمجھ گئی کہ اکرام نے کس مقصد کے لئے اس کے ساتھ شادی کی ہے۔ اس کا سلیمہ کو ذرا سا بھی افسوس نہیں تھا۔ وہ دولت میں کھیلنا چاہتی تھی۔ دولت پیدا کرنے کا ایک بڑا اچھا ذریعہ اُسے مل گیا تھا۔ سلیمہ اُن پاکستانیوں میں سے تھی جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام سمجھتے تھے۔ وہ پاکستانی صرف اس لئے کہلاتے ہیں کہ اس ملک میں پیدا ہوتے ہیں۔ فطری طور پر اُن کی محبت پاکستان سے نہیں، پیسے سے ہے۔ پیسہ خواہ ملک کی عزت بیچ کر حاصل کیا گیا ہو۔

خاوند کا اشارہ مل جانے سے سلیمہ ناز و انداز اور حسن و جوانی کے تمام تر ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں اُتری اور اُس نے اکرام کو ایک خطرناک فراڈ کی سزا سے بچانے کے بعد اُسے اگلے عہدے پر ترقی بھی دلا دی۔ اس سے اکرام کے اختیارات میں اضافہ ہو گیا اور اس

کے ساتھ ہی اُس نے سونے چاندی کی جو نہر نکالی تھی وہ اور بڑی ہو گئی اور اس کا بہاؤ بھی تیز ہو گیا۔

پاکستان میں جب کوئی افسر یا اہلکار رشوت خوری، جعل سازی، غبن وغیرہ کے جرم میں پکڑا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ پکڑنے والے دیانتدار اور محبِ وطن ہیں۔ دراصل انہیں پکڑے جانے والے کے خلاف ذاتی عناد ہوتا ہے یا انہیں پورا حصہ نہیں ملتا۔ غیر ملکی قرضوں، امدادی رقوم اور عُشر زکوٰۃ فنڈ وغیرہ میں سے جو خورد بُرد ہوتی ہے وہ کوئی بھی افسر یا اہلکار اکیلا نہیں کر سکتا۔ کرنے والا خواہ ایک ہی ہو، اُسے اُن ساتھیوں اور افسروں وغیرہ کو بھی حصہ وغیرہ دینا پڑتا ہے جو اُس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں اور پکڑے جانے کی صورت میں اُسے بچا لیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی فرد بگڑ جاتے تو بھانڈہ پھوٹ جاتا ہے۔

اکرام کا ہاتھ اتنا آگے نکل گیا تھا کہ خورد بُرد اور غبن سے ایک تو ملک کے ساتھ غداری کرتا تھا اور اس کے ساتھ ہی اپنے ساتھی افسروں اور اپنے محکمے کے وزیر تک کے ساتھ خیانت کر جاتا تھا۔ سب سے کم حصہ وزیر کو ملتا تھا کیونکہ وزیر جگہ جگہ تقریریں کرنے، اخباروں میں بیان اور تصویریں چھپوانے کے سوا کچھ نہیں جانتا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُس کے محکمے کی مشینری چلتی کیسے ہے۔ وہ تھوڑے سے حصے پر ہی خوش رہتا تھا۔

اکرام تجربہ کار فراڈیا تھا، لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ ملک کو دھوکہ دینا اور قومی خزانہ خالی کرنا آسان ہے اور پکڑے جانے کا خطرہ بھی کم ہے، لیکن اپنے ساتھی کو دھوکہ دینا بہت ہی خطرناک ہے۔ ایک ہی سال کے اندر اس کے خلاف ایک اور کیس بن گیا۔ یہ بھی پچھلے کیس کی طرح سنگین نوعیت کا تھا، لیکن سلیمہ نے اُسے پہلے کی طرح صاف بچا لیا۔ پہلے وہ سوات گئی تھی، اب وہ پورا ہفتہ مری میں رہی جب واپس آئی تو کیس ختم ہو چکا تھا۔

PdfStuff.blogspot.com

اکرام تو سلیمہ کا پجاری بن چکا تھا اور سلیمہ اکرام پر جان نثار کرتی تھی۔ پاکستان کے جس طبقے کی یہ کہانی ہے اس طبقے میں اسی کو محبت کہتے ہیں۔ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ اس طبقے کے کانوں تک نہیں پہنچتا۔ اگر پہنچ بھی جاتے تو یہ طبقہ کہتا ہے ـــــ "کس قدر پسماندہ ہیں یہ پاکستانی! اسی وجہ سے بھوکے مر رہے ہیں"ـــــ سیاستدان اور حکمران بھی اسی طبقے کی پیداوار ہیں وہ عوام کی طرف اسی لئے توجہ نہیں دیتے کہ عوام پسماندہ ہیں۔ سلیمہ کی کوششوں اور اس کی سرگرمیوں کی بدولت اکرام کا عہدہ اور تو نہ بڑھا لیکن اُس کا رُعب اور دبدبہ محکمے کے سب سے اونچے افسر سے بھی زیادہ ہو گیا۔ اس علاقے کے تھانیدار سے لے کر ڈی آئی جی تک اُسے سلام کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سلیمہ ان میں سے ہر ایک کے پاس جاتی اور انہیں اپنی حسین نسوانیت کے جال میں پھانس لیتی تھی۔ سلیمہ جانتی تھی کہ فلاں افسر کو مٹھی میں لے لیا جائے تو ایک درجن افسر ہاتھ میں آجاتے ہیں۔

اکرام نے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ سارا مال خود ہضم کرنے کی کوشش میں پکڑا گیا۔ اس کے دو ساتھی افسروں نے اُسے کہا تھا کہ وہ مگرمچھوں سے بیر نہ رکھے، لیکن سلیمہ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے اُس کا دماغ زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ سلیمہ نے اُسے بچانے کے لئے اپنی کارروائی شروع کر دی، لیکن اب اُس میں ایک کمزوری پیدا ہو چکی تھی۔ وہ یہ تھی کہ اُس کے پیٹ میں ایک بچہ پرورش پا رہا تھا اور یہ تیسرا مہینہ تھا۔ اس سے پہلے وہ ایک بچہ ایک بڑی ہی قابل لیڈی ڈاکٹر سے ضائع کروا چکی تھی۔ وہ اس بچے سے بھی نجات حاصل کرنا چاہتی تھی، لیکن اسی لیڈی ڈاکٹر نے اُسے کہا کہ اسے وہ کھیل نہ سمجھے۔ قدرت کے نظام کے ساتھ زیادہ کھیلنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ جان جانے کا تو کوئی خطرہ نہیں، خطرہ یہ ہے کہ تولیدی نظام مجروح ہو جانے سے چہرے اور جسم پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ یہ سُن کر سلیمہ نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ وہ اپنے چہرے اور جسم کی کشش کو خراب کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی کیونکہ یہی اُس کے ایٹمی

ہتھیار تھے۔

اکرام کو بچانے کی کارروائی میں اُسے ایک ایسے افسر سے ملنا پڑا جسے وہ پہلے کبھی نہیں ملی تھی کیونکہ اُسے اس جگہ آتے ہوتے ابھی ایک ہی مہینہ گزرا تھا۔ سلیمہ جب کسی اجنبی کو ملتی تھی تو چند منٹوں میں اجنبیت کی دیوار گرا دیتی تھی۔

"مسز اکرام!"ـــــ اس نئے افسر نے اُسے کہا ـــــ "میں جانتا ہوں آپ میرے پاس کیوں آئی ہیں۔ میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے آپ جیسی حسین اور جوان عورتیں بڑی اچھی لگتی ہیں، لیکن میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کس قدر رُسوا اور بدنام ہو چکی ہیں۔ افسروں اور اُن کے ماتحتوں کے حلقے میں آپ بڑی مہنگی طوائف کے نام سے مشہور ہیں۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ اگر آپ میرے ساتھ وہ کھیل کھیلنا چاہتی ہیں جو کھیلنے آتی ہیں تو میں آپ کا پورا پورا ساتھ دوں گا۔ کسی وقت، تھوڑا ہی عرصہ پہلے تک میں نے یہ کھیل بہت کھیلا ہے۔ پھر ایک المیہ ہُوا۔ میرے گھر ایک بچہ پیدا ہُوا اور ایک گھنٹے بعد مر گیا۔ اس کا مجھے ایسا صدمہ ہُوا جیسے خدا نے میرے مُنہ پر تھپڑ مارا ہو.... اگر میں غلط نہیں کہہ رہا تو آپ مجھے اُمید سے نظر آتی ہیں۔"

"آپ نے ٹھیک نوٹ کیا ہے"ـــــ سلیمہ نے مسکراتے ہوتے جواب دیا ـــــ "میں اُمید سے ہوں اور یہ چوتھا مہینہ ہے۔"

"اس بچے پر رحم کریں"ـــــ نئے افسر نے کہا ـــــ "اس معصوم کو جو ابھی پیدا نہیں ہُوا، گناہوں کی غلاظت سے بچا کر رکھیں.... جب بچہ پیدا ہو چکے اور آپ از سرِ نو صحت یاب ہو جائیں تو پھر میرے پاس آئیں۔ میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا رہا ہوں کہ اب کے اکرام صاحب نہیں بچ سکیں گے۔ نہ بچ سکنے کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے قرضے کی رقم خورد بُرد کر کے اپنے ملک کو دھوکہ دیا ہے بلکہ اُنہوں نے ایک ایسے افسر کو بھی دھوکہ دیا ہے جس کے ہاتھ میں زیادہ اختیارات ہیں اور اُسے اکرام صاحب پہلے بھی دھوکہ دے چکے ہیں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں محبِ وطن بن کر آپ

pdfstuff.blogspot.com

کو پند و نصیحت کر رہا ہوں۔ میں ایسی بات نہیں کہوں گا کہ پاکستان شہیدوں کی سرزمین ہے یا یہ قرآن کی سرزمین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہم جیسے افسروں، وزیروں، جاگیردار حکمرانوں اور آپ جیسی عورتوں کی سرزمین بن چکی ہے۔ میں آپ کو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ جو بچہ آپ کے وجود میں پرورش پا رہا ہے اس پر رحم کریں اور اپنے آپ پر بھی رحم کریں۔ اکرام صاحب کے لئے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔ صرف ایک دروازہ کھلا ہے اور وہ جیل کا دروازہ ہے۔"

سلیمہ نے پھر بھی اپنی کارروائی جاری رکھی اور اس دوران ہی اکرام کے خلاف کیس بن گیا اور یہ کیس اینٹی کرپشن کورٹ میں چلا گیا۔ سلیمہ نے دوست تو بہت بنا لئے تھے، لیکن ایک سو دوستوں کے مقابلے میں دشمن ایک ہی کافی ہوتا ہے۔ ان کا جو کوئی بھی دشمن تھا، اُس نے کیس کی عدالتی کارروائی کو اتنا تیز کرا دیا کہ ڈیڑھ دو مہینوں میں ہی شہادتیں بھگت گئیں اور اکرام کو چار سال قید بامشقت مل گئی۔

اس کے بعد سلیمہ نے ایک بچی کو جنم دیا جس کا نام راشدہ رکھا اور جو نوجوانی میں رِشی کہلانے لگی۔ رِشی تین سال کی ہو گئی تو اُس نے اپنے باپ کو دیکھا جو اب افسر نہیں بلکہ سزا یافتہ تھا۔ سلیمہ کو اکرام کی غیر حاضری میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اُس کے ہاں دولت کے انبار لگے ہوتے تھے۔ جائیداد بھی بنالی گئی تھی۔ اکرام نے آکر اپنا کاروبار شروع کر دیا اور سلیمہ کے ناز و انداز اور شب و روز ویسے ہی رہے جیسے پہلے تھے۔ رِشی نے اپنی ماں سے بہت کچھ سیکھا لیکن اپنے آپ کو اتنا سستا اور رُسوا نہ کیا۔ سیکھا تو صرف یہ کہ عورت آزاد رہنے کے لئے پیدا ہوتی ہے اور شادی کر کے بھی عورت کو آزاد رہنا چاہیئے۔

لڑکپن سے نکل کر جب اُس نے نوجوانی میں قدم رکھا تو وہ اپنے طبقے کے نوجوانوں کی ماڈرن اور مادر پدر آزاد سوسائٹی میں شامل ہو گئی۔

اکرام رِشی کی شادی کے چھ مہینے پہلے اچانک دل کے کسی عارضہ میں

مبتلا ہو کر مر گیا تھا۔ سلیمہ بڑھاپے میں داخل ہو چکی تھی، لیکن میک اپ کر کے اور ٹائٹ کپڑے پہن کر رِشی کی ہم عمر بننے کی کوشش کرتی تھی۔ اُس نے رِشی پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔ اُسے یہ سبق دیا تھا کہ اپنے آپ کو جنسِ نایاب کس طرح بنایا جاتا ہے۔ اس سبق پر رِشی نے پورا پورا عمل کیا تھا۔

رابی کے والدین رِشی اور رابی کی شادی پر کوئی زیادہ خوش نہیں تھے کیونکہ وہ اکرام کو اور سلیمہ کو بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ رابی کا باپ بھی حکومت کے ایک بڑے ہی اہم اور حساس محکمے کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ اُس کی امارت میں رشوت کا عمل دخل نہیں تھا کیونکہ اس محکمے میں حرام خوری کی گنجائش بہت کم تھی۔ کھانے والے تو کھا ہی لیتے تھے، لیکن رابی کا باپ آبائی جائیداد اور زرخیز نہری زمین کا مالک تھا۔ اُس کا پیٹ بھرا ہُوا تھا۔ ویسے اخلاقی لحاظ سے اُس کی اور اُس کی بیوی کی یہ حالت تھی کہ اپنے اکلوتے بیٹے رابی کو آوارہ گھومتے پھرتے اور کار کو شہر میں اُڑاتے پھرتے اور کبھی ایک دو لڑکیوں کو ساتھ لئے دیکھتے تو بہت خوش ہوتے تھے کہ ان کا بیٹا شہزادہ ہے اور بڑا ہو کر وزیر تو ضرور بنے گا۔ اُنہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ کوٹھی کے اُوپر والے کمرے میں جب رابی کے دوست رات کو اکٹھے ہو کر وی سی آر پر فلم دیکھتے ہیں تو یہ کیسی فلم ہوتی ہے۔ رابی باپ کا ریوالور لے کے نکلتا تو ماں بہت ہی خوش ہوتی تھی، لیکن بیٹے نے جب کہا کہ وہ رِشی کے ساتھ شادی کرے گا تو ماں باپ کچھ خوش نہ ہوتے۔ اُنہوں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی کہ رِشی بڑے ہی بدنام ماں باپ کی بیٹی ہے، لیکن رابی نے وہ اودھم مچایا کہ اس کے والدین نے ہتھیار ڈال دیئے۔

رابی اور رِشی کی شبِ عروسی گزر گئی۔ اگلی شام اُسی ہوٹل میں ولیمے کا اہتمام تھا جس میں ان کی شادی ہوتی تھی۔ ہوٹل کے باہر دُور دُور تک کاریں کھڑی تھیں۔ چونکہ رابی کا باپ مرکزی حکومت کا افسرِ اعلیٰ تھا اس لئے تمام مرکزی وزیر ولیمے میں مدعو تھے۔ اُس رات اس ہوٹل میں مدعوئین کے پیٹوں

Parsutu.blogspot.com

میں جو کھانا گیا اور اس کے علاوہ جو کھانا ضائع ہوا اس سے بہت سے غریب کُنبے پیٹ بھر سکتے تھے۔ ولیمے کا یہ اہتمام اس لئے نہیں کیا گیا تھا کہ یہ سُنتِ رسولؐ ہے بلکہ اس لئے کہ یہی ایک موقع تھا جس سے رابی کا باپ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو دکھا سکتا تھا کہ وہ کتنا امیر آدمی ہے۔ یہ عرب کے کسی شیخ یا شہزادے کی دعوت معلوم ہوتی تھی۔

پولیس کے براس بینڈ کے علاوہ رابی اور رِشی کے دوستوں نے اپنے آرکسٹرا کے لئے ہال کے اندر الگ سٹیج بنایا اور ڈِسکو اور پاپ میوزک اور انگریزی گانوں کا اُودھم مچایا تھا۔ لڑکوں نے دھما چوکڑی بھی کی تھی جسے ڈانس کہا جاتا ہے۔

اب مسئلہ ہنی مون کا تھا کہ کہاں جا کر منایا جائے۔ مری اور سوات برف سے ڈھکے ہوتے تھے اِس لئے رابی اور رِشی نے کراچی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ولیمے کے اگلے روز وہ جہاز میں سوار ہوتے اور کراچی کے ایک بڑے مغربی طرز کے ہوٹل میں جا ٹھہرے۔

کراچی میں ایک ہی سیرگاہ ہے اور وہ ہے سمندر۔ رابی اور رِشی نے لانچ کرائے پر لے کر سمندر کی بہت سیر کی۔ ایک روز وہ ہاکس بے چلے گئے جو سمندر کے کنارے ایک اچھی سیرگاہ ہے اور وہاں کمرے پر کرائے پر مل جاتے ہیں۔ یہ جوڑا چکن روسٹ کے ساتھ فرانس کی بہترین شراب کی ایک بوتل بھی ساتھ لے گیا تھا۔

❦

اُنہوں نے ایک کمرہ جو ہٹ کہلاتا ہے، شام تک کرائے پر لے لیا۔ وہ اس کمرے میں داخل ہو رہے تھے کہ انہوں نے ایک جوڑا دیکھا۔ آدمی کی عمر تیس سال کے لگ بھگ ہو گی۔ خوبصورت آدمی تھا اور اس کا لباس رابی اور اس جیسے نوجوانوں جیسا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جس کی عمر تیئس چوبیس سال ہو گی۔ وہ بالوں کی تراش اور لباس اور چال ڈھال سے ماڈرن لڑکی لگتی تھی۔

"رِشی!" — رابی نے اس جوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا — "ان دونوں کو کل سے اب تک میں چار مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔"

"ہاں رابی" — رِشی نے کہا — "ہم جہاں بھی گئے وہاں انہیں ضرور دیکھا۔ ایسے لگتا ہے کہ یہ ہمارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ یہ بھی ہماری طرح سیر سپاٹے کے لئے آتے ہوں گے۔ یہاں سے واقف نہیں ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ جدھر ہم جائیں ادھر یہ بھی چلے چلیں۔"

"لڑکی خوبصورت ہے" — رابی نے کہا۔

"آدمی بھی ٹھیک ٹھاک ہے" — رِشی بولی۔

اتنے میں وہ جوڑا قریب آ گیا۔ رابی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوتے پیچھے دیکھا تو وہ آدمی مسکرایا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ انہیں ملنا چاہتا تھا۔ لڑکی بھی مسکرائی۔ رابی دروازے میں ہی رُک گیا اور اُس نے ان دونوں کی مسکراہٹوں کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ وہ دونوں اُس کی طرف آئے۔ اُس نے رِشی کو بھی باہر بلا لیا۔ دونوں جوڑے تپاک سے ملے۔

"آپ شاید ہنی مون منانے آئے ہیں" — اُس آدمی نے مسکراتے ہوئے رابی اور رِشی سے کہا۔

"یہ آپ نے کیسے جانا؟" — رابی نے ہاتھ اس آدمی کی طرف پھیلاتے ہوئے کہا — "ہمارے ہاتھوں پر مہندی نہیں لگی ہوتی نہ میرے سر پر دُولہا والی طُرّے دار پگڑی ہے۔ اسے دیکھ لو۔ اس نے سُرخ جوڑا نہیں پہنا ہُوا ....."

"آپ کے انداز بتاتے ہیں کہ آپ ابھی میاں بیوی نہیں بلکہ دُولہا اور دُلہن ہیں" — اُس آدمی کی ساتھی لڑکی نے کہا — "ہم بھی ہنی مون منانے آئے ہیں اور ہم بھی آپ والے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔"

"آپ نے ٹھیک پہچانا" — رابی نے ہنستے ہوئے کہا — "ہم ہنی مون منانے آئے ہیں۔ میرا نام رب نواز ہے۔ آپ مجھے رابی کہہ سکتے ہیں۔ یہ راشدہ ہے۔ ہم اِسے رِشی کہتے ہیں۔"

Pdfstuff.blogspot.com

"میرا نام عزیز ہے" — اُس آدمی نے جواب دیا —
"اور یہ مریم ہے"۔

عزیز اور مریم بھی اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لاتے تھے۔ رابی کے کہنے پر وہ انہی کے کمرے میں آ گئے۔ کچھ دیر بعد دونوں جوڑوں نے محسوس کیا کہ انہیں بڑا اچھا ساتھ مل گیا ہے۔ عزیز اور مریم صحیح معنوں میں زندہ دل تھے۔ عزیز کی عمر تو تیس سال تھی، لیکن اس کی باتیں اور حرکتیں رابی اور رشی جیسی تھیں۔ اُنہوں نے فرق صرف یہ رکھا کہ جب کھانے بیٹھے تو عزیز نے کہا کہ وہ وہسکی نہیں پیتا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ سمندر کی سیر کو نکل گئے اور شام تک بھاگتے دوڑتے اور پانی میں کھیلتے رہے۔ شام کو چاروں اکٹھے ہوٹل میں واپس آتے۔ وہ اس قدر تھکے ہوتے تھے کہ بے سُدھ سو گئے اور رات گزر گئی۔ اگلے دن دس گیارہ بجے عزیز نے رابی کو کمرے میں فون سے پوچھا کہ وہ جاگ اُٹھے ہیں یا نہیں۔ وہ اُسی وقت جاگے تھے۔ رابی نے انہیں اپنے کمرے میں بلا لیا اور وہیں ناشتہ منگوایا۔

رابی کے پوچھنے پر عزیز نے بتایا کہ اُس کے اور اُس کی دُلہن کے باپ دادا جالندھر کے رہنے والے تھے اور ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے اِدھر آ گئے تھے اور پشاور میں آباد ہوتے تھے۔ دونوں کے باپ کاروباری لوگ تھے۔ عزیز انہیں بڑے پیمانے کے تاجر بتاتا تھا۔

دونوں جوڑوں کی دوستی ایک دن میں ہی اتنی گہری ہو گئی جیسے وہ بچپن کے ساتھی ہوں۔ کمرے میں انگریزی گانوں کے کیسٹ لگا کر ناچتے بھی رہے گاتے بھی رہے۔ زیادہ تر انگریزی اور ذرا ذائقہ بدلنے کے لئے تھوڑی تھوڑی اُردو بھی بولتے رہے۔

تین چار دنوں بعد ان کی جذباتی حالت یہ تھی جیسے دونوں جوڑے ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے ہوں۔ وہ کراچی میں آٹھ دن رہے۔ صرف سونے کے وقت الگ ہوتے تھے۔ عزیز اور مریم نے رابی اور رشی پر طلسم

طاری کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے کمروں میں دو تین بار ڈانس بھی کیا جو مرد اور عورت بغلگیر ہو کر کرتے ہیں۔ اس میں یہ آزادی ہوتی ہے کہ کوئی مرد کسی بھی عورت کو بازوؤں میں لے کر اس ڈانس میں شریک ہو سکتا ہے بلکہ اس ڈانس کا اصول یہی ہے۔ اس کے مطابق رشی عزیز کے بازوؤں میں اور مریم رابی کے بازوؤں میں ہوتی تھی۔

اس ڈانس کے دوران کوئی آدمی اپنے بازوؤں میں لی ہوئی کسی اور کی بہن، بیٹی یا بیوی کے ساتھ کوئی بیہودہ یا اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ ایک دوسرے کی بیویوں کے ساتھ بغلگیر ہونے کو یہ لوگ اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہیں سمجھتے۔ اس جوڑے نے جب دوسری بار انگریزی آرکسٹرا کا ایک کیسٹ لگا کر یہ ڈانس کیا تو رابی نے محسوس کیا کہ مریم اپنا جسم رابی کے جسم کے ساتھ ڈانس کے اصول کے خلاف پوری طرح لگانے کی کوشش کرتی ہے۔ رابی کے لئے اپنی کلاس کی کسی بھی لڑکی کی ایسی حرکت عجیب نہیں تھی اور معیوب بھی نہیں تھی۔ رابی نے مریم کو کچھ زیادہ ہی اپنے ساتھ لگا لیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا۔ مریم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی جو رسمی یا زبردستی لاتی ہوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔

"تم مجھے کیوں اچھے لگتے ہو رابی؟" — مریم نے سرگوشی میں پوچھا۔

رابی نے اس سوال کا جواب ایک خاص قسم کی مسکراہٹ سے دیا اور اُس کے گرد لپٹے ہوئے اپنے بازو کا گھیرا اور زیادہ تنگ کر دیا۔ کیسٹ پلیئر کی آواز اتنی اونچی تھی کہ مریم کی سرگوشی رابی کے سوا کوئی نہیں سُن سکتا تھا۔

ڈانس کے بعد وہ بیٹھ گئے۔

"کوئی ہمیں ڈانس کی حالت میں دیکھ لے تو کیا کہے؟" — عزیز نے پوچھا۔

"پولیس کو اطلاع دے دے" — رابی نے کہا — "اور پولیس

Pdfstuff.blogspot.com

اگر ہمیں اِس جرم میں گرفتار کرلے کہ ہم نازیبا حرکتیں کر رہے تھے۔"

"اس ہوٹل میں پاکستانی پولیس داخل نہیں ہو سکتی" — عزیز نے کہا — "یہ انٹرنیشنل ہوٹل ہے .... رابی! اپنے ملک کے خلاف بات تو نہیں کرنی چاہیئے لیکن ہم ملک کے کسی دشمن کے ساتھ بات نہیں کر رہے۔ تم سچے دل سے بتاؤ کہ اپنے ملک کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پاکستان کے متعلق میری رائے اچھی ہو گی؟" — رابی نے کہا — "کیا اس سے زیادہ غلیظ اور گنوار ملک کوئی اور ہو گا؟ اس ملک کی مڈل کلاس اور لوئر کلاس کو دیکھ لو۔ یہ لوگ جن آبادیوں میں اور جن گھروں میں رہتے ہیں وہ دیکھ لو۔ ایک آیا تھا جس نے جاگیرداری اور سرمایہ داری کا نعرہ لگایا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ سب کو روٹی کپڑا اور مکان دے گا۔ لوگ صرف روٹی کپڑے کی خاطر اُس کے ساتھ ہو گئے۔"

"اگر ان لوگوں کو جنہیں عوام کہا جاتا ہے، کہیں سے دولت مل جائے تو سب سے پہلے کاریں خریدیں گے اور کوٹھیاں بنائیں گے" — عزیز نے کہا — "اب کاروں اور کوٹھیوں والوں کو مُردہ باد کہتے ہیں۔"

"اگر ان میں سے دو آدمیوں کو ایک جاگیر دکھا کر کہا جائے کہ دونوں میں سے کوئی ایک اس جاگیر کا مالک بن جائے" — رِشی نے کہا — "تو دونوں بھول جائیں گے کہ وہ جاگیرداری مُردہ باد کے نعرے لگایا کرتے ہیں۔ وہ جاگیر کی خاطر ایک دوسرے کا خون بہا دیں گے۔"

"پھر اسلام آگیا" — عزیز نے کہا — "اور مولوی مُلّا برساتی کیڑوں کی طرح نکل آتے۔"

"انہوں نے پہلا فتویٰ یہ دیا کہ عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی" — مریم بولی — "پھر یہ کہ مرد جب چاہے بیوی کو زبانی ایک دو تین کہہ کر گھر سے باہر پھینک سکتا ہے۔ وہ ایک بیوی کی موجودگی میں ایک اور بلکہ تین اور بیویاں لا سکتا ہے۔"

"تم ہی بتاؤ رابی!" — رِشی نے کہا — "اگر قانون بن جائے کہ عورت وہی باہر نکلے گی جو بُرقعے میں ہو گی تو کیا تم مجھے بُرقعے میں لپیٹ دو گے؟"

"مَیں یہ ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا" — رابی نے کہا۔

"کہاں جاؤ گے؟" — مریم نے پوچھا۔

"یونائیٹڈ سٹیٹس!" — رابی نے کہا۔

"اتنی دُور کیوں جاتے ہو بھائی!" — عزیز نے کہا — "یہیں سے سرحد پار کر کے انڈیا چلے جاؤ۔ آزادی ہی آزادی ہے۔"

یہاں سے انڈیا کی باتیں چل نکلیں۔ عزیز اور مریم نے انڈیا کی جو تعریفیں شروع کیں تو اسے امریکہ اور یورپ سے بھی اُوپر چڑھا دیا۔ وہ صرف آزادی چاہتے تھے — اخلاقیات سے آزادی، مذہب سے آزادی، حیوانوں جیسی آزادی — عزیز کہتا تھا کہ یہ آزادی انڈیا میں مل سکتی ہے۔ وہاں ہندو ہیں، اینگلو انڈین ہیں، انڈین کرسچن ہیں۔ جگہ جگہ کلب ہیں۔ ہم تم جیسوں کے لئے ڈِسکو کلب ہیں۔ وہاں جو جی چاہے کرو۔ وہاں ایک سے ایک خوبصورت لڑکی آتی ہے۔ شراب ہے۔ وہاں نازیبا حرکتیں جرم نہیں، اور وہ سستا ملک ہے۔ امریکہ کی طرح مہنگا نہیں۔

"تم کبھی انڈیا گئے ہو؟" — رابی نے عزیز سے پوچھا۔

"مَیں تو ہر سال جاتا ہوں" — عزیز نے جواب دیا — "ہمارے رشتہ دار وہیں رہتے ہیں۔ اُن سے ملنے کے لئے بڑی آسانی سے ویزا مل جاتا ہے۔ کبھی تم دونوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا .... تم اگر ناراض نہ ہو جاؤ تو دل کی بات کہہ دوں۔ میں بھی پاکستانی ہوں اور مسلمان ہوں لیکن کبھی کبھی تو افسوس ہوتا ہے کہ مَیں پاکستان میں کیوں پیدا ہُوا۔"

"مَیں ناراض کیوں ہوں گا؟" — رابی نے کہا — "مَیں تو سوچا کرتا ہوں کہ پاکستان بنایا ہی کیوں گیا تھا؟ بنانے والوں کا تو کچھ نہیں گیا۔ سزا ملی تو اُن مسلمانوں کو جو انڈیا میں مارے گئے اور اُن ہندوؤں اور سکھوں

pdfstuff.blogspot.com

کو جو پاکستان میں مارے گئے۔"

"میں فورتھ ایئر میں تھا" — عزیز نے کہا — "ایک روز ہسٹری کے پروفیسر نے پاکستان کی ہسٹری شروع کر دی۔ کہنے لگا کہ پاکستان کا مطلب کیا، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ.... وہ ایک گھنٹہ بولتا رہا، خدا کی قسم، میرے دماغ میں یہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا مطلب نہ بیٹھا۔ میرے پلّے کچھ پڑا ہی نہیں۔"

"سب مولویوں کی چکر بازی ہے یار!" — رابی نے کہا۔

"رابی اور رِشی!" — مریم نے کہا — "ہم تمہیں انڈیا ضرور لے جائیں گے۔ یہاں تو ایک مری ہے یا سوات ہے۔ وہاں شملہ، ڈلہوزی، مسوری، اور ایسے ایسے ہِلی سٹیشن ہیں کہ دیکھ کر حیران رہ جاؤ۔ نادرن انڈیا کا اپنا حُسن ہے، سنٹرل انڈیا کے جنگلات دیکھو تو کہو کہ باقی عمر یہیں گزار دیں.... تم واپس پاکستان نہیں آنا چاہو گے۔"

عزیز اور مریم نے رابی اور رِشی پر ہندوستان کا ایسا طلسم طاری کر دیا کہ آدھی رات کے بعد وہ اپنے کمرے میں آتے تو انڈیا کی ہی باتیں کرتے رہے۔ وہ پاکستان کو پہلے ناپسند کرتے تھے، اب یہ ناپسندیدگی نفرت کی صورت اختیار کر گئی۔ عزیز اور مریم انہیں پہلے سے زیادہ اچھے لگنے لگے۔

کچھ دیر بعد رِشی سو گئی۔ رابی کو ابھی نیند نہیں آتی تھی۔ اُس کے ذہن میں مریم کے الفاظ گونجنے لگے — "تم مجھے کیوں اچھے لگتے ہو رابی!" — وہ یوں محسوس کرنے لگا جیسے مریم کا جسم ابھی تک اُس کے ساتھ لگا ہُوا ہو۔ اپنی بیوی اور مریم کے خاوند کو دھوکہ دینا کوئی جُرم نہیں تھا پھر بھی تنہائی اور رازداری لازمی تھی۔ یہ لوگ ایک دوسرے کے چال چلن کو جانتے ہوتے بھی ظاہر کرتے تھے کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔ شادی کی پہلی رات رابی نے رِشی سے اور رِشی نے رابی سے نہیں پوچھا تھا کہ شادی سے پہلے اُس کی دوستی کس کس کے ساتھ رہی ہے۔ رابی اور مریم کا ایک دوسرے کو پسند کرنا اور در پردہ دوستی لگا لینا ان کے ہاں معیوب نہیں تھا۔ مشکل

یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مریم شادی شدہ تھی اور اُس کا خاوند اُس کے ساتھ تھا۔

وہ آٹھ دن کراچی میں رہے۔ ان کا معمول وہی رہا جو ہر روز ہوتا تھا — کسی طرف سیر کے لئے نکل جانا، رات کو کمرے میں کیسٹ لگا کر ناچنا، اُچھل کُود کرنا — عزیز پاکستان کے خلاف بولنے کا موقع پیدا کر لیتا اور انڈیا کو فردوسِ بریں بنا دیتا تھا۔ مریم زیادہ تر ڈانس کی فرمائش کرتی اور رابی کے ساتھ ڈانس کرتی تھی۔

ایک روز مریم نے رابی کے ساتھ تنہائی کی ملاقات کا موقعہ پیدا کر ہی لیا۔ دن کا پچھلا پہر تھا۔ رِشی کھانے کے بعد یہ کہہ کر سو گئی تھی کہ وہ بہت تھکی ہوئی ہے، اُسے شام تک جگایا نہ جائے۔ وہ جب گہری نیند سو گئی تو رابی عزیز اور مریم کے کمرے میں چلا گیا۔ مریم نے اُسے پہلے ہی بتا رکھا تھا کہ عزیز آج شاپنگ کے لئے اکیلا جا رہا ہے۔

"رابی!" — مریم نے کہا — "میں بے شک تمہاری ہی کلاس کی لڑکی ہوں اور عام لوگوں نے ہماری کلاس کو بہت ہی بدنام کر رکھا ہے، لیکن میں اپنی عزت اور آبرو کے معاملے میں بہت حساس ہوں۔ مجھے اُن لڑکیوں جیسا نہ سمجھنا جو دوستیاں لگاتی اور بدلتی رہتی ہیں، لیکن تم میں نہ جانے کیا کشش ہے کہ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی ہوں۔"

"کیا تمہیں عزیز اچھا نہیں لگتا؟"

"اچھا نہ لگتا تو اس کے ساتھ شادی کیوں کرتی!" — مریم نے جواب دیا — "وہ ہر لحاظ سے اچھا ہے، لیکن اس کا اپنا مقام ہے اور تمہیں میں کوئی اور مقام دے رہی ہوں۔"

رابی اور مریم راز و نیاز کی باتیں اور حرکتیں کرتے رہے پھر اس ڈر سے کہ عزیز نہ آ جائے رابی اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"لاہور میں میری ایک کزن ہے" — مریم نے کہا — "مجھ سے ڈیڑھ دو سال چھوٹی ہے۔ اگر لاہور میں تمہارے ساتھ ملاقات ہوتی تو اُس

PdfStuff.blogspot.com

کے ساتھ تمہارا تعارف کراؤں گی۔ اُسے دیکھ کر تم کہو گے کہ کوئی لڑکی اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے۔"

"مَیں تمہیں اور عزیز کو اپنے گھر مدعو کروں گا" — رابی نے کہا — "کزن کو بھی ساتھ لے آنا۔"

ایک مہینہ بعد عزیز، مریم اور اُس کی کزن رابی کے گھر بیٹھے ہوتے تھے۔ کراچی میں وہ صرف آٹھ دن رہے تھے۔ کراچی میں ہی اُنہوں نے لاہور کی اس ملاقات کا دن طے کر لیا تھا۔ عزیز اور مریم کو رابی نے لاہور مدعو کیا تھا، لیکن اُس کے پاس ٹھہرنے کی بجائے وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔

مریم کی کزن نبیلہ اُتنی ہی حسین تھی جتنی مریم نے بتائی تھی۔ وہ بھی رابی اور رِشی کے ساتھ بڑی جلدی بے تکلف ہو گئی۔ اُس کی نظروں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اُس کی دلچسپی رابی کے ساتھ ہے۔ رابی بہت خوش تھا کہ اُس کی دوستیوں میں ایک بڑا ہی حسین اضافہ ہُوا ہے۔

انہوں نے رات کا کھانا رابی کے ہاں کھایا اور اگلے روز صبح شالامار میں ملاقات کا وقت طے کر لیا۔ رابی انہیں ہوٹل میں ڈراپ کرنے کے لئے اپنی گاڑی میں لے گیا۔ وہ ہوٹل تک پہنچے تو رابی اور رِشی ان کا کمرہ دیکھنے کے لئے چل پڑے۔ عزیز نے رِشی اور نبیلہ کو ساتھ لے لیا اور ذرا آگے نکل گیا۔ مریم پیچھے رابی کے ساتھ رہی۔

"کیسی ہے میری کزن؟" — مریم نے پوچھا۔

"جیسی تم نے بتائی تھی" — رابی نے جواب دیا — "اب اگلی بات کرو۔ اکیلے مل سکتی ہے؟"

"نہیں" — مریم نے کہا — "اتنی آسانی سے نہیں۔ اسے معلوم ہے کہ یہ کتنی خوبصورت ہے اور اس کی خوبصورتی کی قیمت کیا ہے۔"

"جو قیمت مانگے گی دوں گا" — رابی نے کہا۔

"یہ طوائف تو نہیں بیوقوف!" — مریم نے کہا — "یہ اتنی شریف بھی نہیں۔ مل جائے گی، لیکن بڑی محنت اور کوششوں سے ہی ملے گی۔

ہم کچھ دن یہیں رہیں گے۔"

اگلی صبح یہ پارٹی شالامار میں گھوم پھر رہی تھی اور فوٹو گرافی ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد مریم کے کہنے پر رِشی اور نبیلہ ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ عزیز رابی کو ذرا آگے ایک اور درخت کے نیچے لے گیا۔

"تم کوئی کام دھندا بھی کرتے ہو رابی؟" — عزیز نے پوچھا — "یا باپ کی کمائی اور جائیداد پر عیش کر رہے ہو؟"

"ابھی تک تو یہی ہو رہا ہے" — رابی نے جواب دیا — "ڈیڈی نے مجھے آرمی کمشن کے لئے سلیکٹ کرا کے کاکول اکیڈمی میں بھجوا دیا تھا۔"

"ہاں یار!" — عزیز نے کہا — "تمہارے ڈیڈی کی اتنی پاور ہے کہ وہ جسے چاہیں سلیکٹ کروا سکتے ہیں۔ آرمی نیوی اور ایئر فورس تمہارے ڈیڈی کے ہاتھ میں ہیں .... پھر کیا ہُوا؟"

"پھر یہ ہُوا کہ تین مہینے پورے نہیں ہوتے تھے کہ میں گھر آ گیا" — رابی نے کہا — "اتنی سخت ٹریننگ کہ انسان کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔ حکم یوں دیتے تھے جیسے بندر کو نچایا جاتا ہے۔ میں اپنا رہن سہن اور اپنی عادتیں تو نہیں بدل سکتا تھا۔ آٹھ دس دنوں بعد تو وہ بال کٹوانے کو کہتے تھے۔ میں اتنی جلدی جلدی بال نہیں کٹواتا تھا۔ انسٹرکٹر بدتمیزی سے بولتے تھے۔ مجھ سے بدتمیزی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ ایک روز مجھے دفتر میں بلا لیا گیا۔ ایک لیفٹیننٹ کرنل نے مجھے کہا کہ آرمی میں شہزادوں کی ضرورت نہیں اور یہ مہاراجہ پٹیالہ کی فوج نہیں اور یہ فوج تمہارے لئے نہیں۔ تم بوریا بستر باندھو اور گھر چلے جاؤ .... میں نے اس کرنل کو سلیوٹ بھی نہ کیا اور اُس کے دفتر سے یوں دوڑتا ہُوا نکلا جس طرح بچے کلاس سے چھٹی کے وقت نکلتے ہیں۔"

"ڈیڈی نے کچھ کہا تھا؟"

"ڈیڈی نے صرف جُوتے نہیں مارے تھے" — رابی نے ہنستے

pdfstuff.blogspot.com

ہوتے کہا ــــ "باقی کوئی کسر چھوڑی نہیں تھی۔ ممّی میرے حق میں تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ میں اپنے شہزادے بیٹے کو فوج میں نہیں جانے دوں گی .... میں نے یہ بھی سوچا تھا ڈیئر عزیز! میں کیوں اس ملک کے ڈیفنس میں مورچوں میں جا بیٹھوں اور میری ممّی کو میری لاش ملے؟ اس ملک کے ساتھ میری کیا دلچسپی ہو سکتی ہے جہاں میں اپنی گرل فرینڈ یا بیوی کے بازو میں بازو ڈال کر باہر چل بھی نہیں سکتا۔ کیا میں ہی اس ملک کے لئے قربانی کا بکرا رہ گیا ہوں؟"

"بات تو تم نے ٹھیک کہی ہے" ــــ عزیز نے کہا ــــ "اس پاکستان کا ڈیفنس کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اگر یہ پھر پورے کا پورا انڈیا بن جاتے تو اتنی آزادی مل جاتے گی کہ گرل فرینڈ کے بازو میں بازو ڈال کر نہیں بلکہ اُسے گود میں اُٹھا کر بھی آزادی سے گھوم پھر سکو گے۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ تمہارے ہاتھ میں وہسکی کی خالی بوتل ہو گی تو بھی تمہیں تھانے لے جائیں گے .... بہرحال تم نے یہ تو اچھا کیا کہ وہاں سے نکل آتے، لیکن تمہیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا .... لیکن تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تمہارے ڈیڈی کی اتنی زیادہ جائیداد ہے جس کے تم اکیلے وارث ہو۔"

"جائیداد والا معاملہ بھی کچھ ایسا ویسا ہی ہے" ــــ رابی نے کہا ــــ "ڈیڈی کے تین بھائی ہیں۔ وہ بھی اس کے حصہ دار ہیں۔ ان تین بھائیوں میں دو اصل فراڈ ہیں پھر ڈیڈی نے مجھے کہہ دیا ہے کہ جب تک اپنی کوئی پوزیشن نہیں بناؤ گے اور خود کچھ کرنے کے قابل نہیں ہو جاؤ گے، جائیداد کی وراثت سے محروم رہو گے۔ ڈیڈی نے مجھے کہا تھا کہ کنسٹرکشن کمپنی بنا لو اور ٹھیکے میں دلاؤں گا۔ وہ کہتے تھے کہ ڈیفنس کنسٹرکشن کا کروڑوں روپوں کا کام دلا دیں گے۔ انہوں نے مجھے ایک پرانے ٹھیکیدار کے ساتھ لگا بھی دیا لیکن صرف ایک روز دھوپ میں کھڑا رہنا پڑا اور کام کرنے والوں کے ساتھ جھک جھک کرنی پڑی اور میں نے ٹھیکیدار کی

باتیں سُنیں کہ یہ کام کتنی بھاگ دوڑ کا ہے تو میں نے ڈیڈی سے کہہ دیا کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہو گا۔ پھر میری شادی ہو گئی۔"

"مجھے بتاؤ" ــــ عزیز نے کہا ــــ "تم چاہتے کیا ہو .... EASY MONEY?"

"ہاں یار!" ــــ رابی نے جواب دیا ــــ "وہ دولت جو آسانی سے ملے اور بارش کی طرح برسے۔"

"مل سکتی ہے!" ــــ عزیز نے رابی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معنی خیز لہجے میں کہا ــــ "برس بھی سکتی ہے، لیکن تم وہ کام نہیں کرو گے۔ اگر کرو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے لاکھوں روپے کی لاٹری نکل آتی ہو۔ پھر یہ لاٹری نکلتی ہی رہے گی۔"

"بتاؤ ڈیئر!" ــــ رابی نے کہا ــــ "جلدی بتاؤ۔"

"پہلے میں تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ تم یہیں لاہور میں ہی گھومتے پھرتے رہو گے" ــــ عزیز نے کہا ــــ "آسان سا کام ہو گا۔ اِس ہاتھ دو گے، اُس ہاتھ نقد مل جائے گا۔"

"پہلے مجھے کام بتاؤ" ــــ رابی نے پوچھا ــــ "اگر یہ کام اتنا ہی آسان ہے اور دولت کے ڈھیر لگ جائیں گے تو یہ کام تم خود کیوں نہیں کرتے؟"

"ہاں رابی!" ــــ عزیز نے لمبا سانس لے کر کہا ــــ "تم نے ٹھیک پوچھا ہے کہ میں یہ کام خود کیوں نہیں کرتا۔ میں کرنا چاہتا ہوں! اب بات سے بات نکل آتی ہے تو میں تم سے مشورہ لیتا ہوں۔ اگر تم اوکے کر دو تو ہم دونوں یہ کام کر سکتے ہیں۔"

"کام کیا ہے؟"

"جاسوسی" ــــ عزیز نے جواب دیا ــــ "انڈیا کے لئے .... کیوں، گھبرا گئے؟"

"گھبرانا کیسا مائی ڈیئر!" ــــ رابی نے کہا ــــ "پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کوئی پکا آدمی ہے جس نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے؟"

Pdfstuff.blogspot.com

"فولاد کی طرح مضبوط ہے" — عزیز نے جواب دیا — "وہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اُس نے جو کچھ آفر کیا ہے وہ ہم خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔"

"آفر کیا ہے؟" — رابی نے پوچھا۔

عزیز نے جب اُسے تفصیلاً بتایا کہ ایک قیمتی راز سرحد پار کر دینے کے صلے میں کیا ملے گا اور اگلا راز دینے تک کیا ملتا رہے گا تو رابی کی آنکھیں کھل گئیں۔

"نبیلہ کو دیکھا ہے؟" — عزیز نے کہا — "اس جیسی لڑکیاں تمہاری تحویل میں ہوں گی۔"

"پہلے تو نبیلہ سے میری دوستی کرا دو" — رابی نے مسکراتے ہوئے کہا — "پھر اگلی بات کریں گے۔"

"تم ہاں کہہ دو" — عزیز نے کہا — "اور نبیلہ کو اپنی لونڈی سمجھو.... ابھی.... آج ہی۔"

"لیکن میں وہ راز کہاں سے لاؤں گا جو انڈیا کے لئے قیمتی ہوں گے؟" — رابی نے پوچھا۔

"وہ راز تمہارے گھر میں موجود ہیں" — عزیز نے کہا — "تمہارے ڈیڈی ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کی ایک اونچی کرسی پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ کیا وہ فائلیں گھر نہیں لاتے؟"

"ہاں ہاں" — رابی نے اشتیاق سے کہا — "ہفتے میں دو تین بار وہ فائلیں گھر لاتے ہیں اور رات کچھ دیر ان پر کام کرتے ہیں پھر یہ فائلیں اپنے بریف کیس میں رکھ کر اسے تالہ لگا دیتے ہیں۔"

"اگر تم ڈیڈی کے آفس میں جاؤ تو وہاں کا سٹاف تمہیں کس طرح ملتا ہے؟" — عزیز نے پوچھا۔

"ڈیڈی کے ماتحت مجھے دیکھ کر یوں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جیسے میں ہی اس محکمے کا ہیڈ ہوں۔"

"تو پھر کام اور زیادہ آسان ہو جاتے گا" — عزیز نے کہا — "سوچ

کر جواب دو۔"

"میں نے سوچ لیا ہے" — رابی نے کہا — "مجھے نبیلہ چاہیئے۔"

"یہ لڑکی تمہاری ہو گئی" — عزیز نے کہا — "اور مریم کو بھی اپنا سمجھو۔"

"یہ تو تمہاری بیوی ہے" — رابی نے حیران سا ہو کر کہا۔

"یہ کسی کی بھی بیوی نہیں" — عزیز نے عجیب سی مسکراہٹ سے کہا۔

"عزیز!" — رابی نے عزیز کی طرف جھک کر رازداری کے لہجے میں پوچھا — "کیا تم انڈیا کے آدمی تو نہیں؟"

"ہاں رابی!" — عزیز نے کہا — "میں انڈیا کا آدمی ہوں۔ مجھ پر بھروسہ رکھو" — عزیز نے دایاں ہاتھ آگے کیا۔ رابی نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ عزیز نے کہا — "اوکے؟"

"اوکے" — رابی نے عزیز کے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ بھی رکھ کر اور بڑے جوش سے ہلا کر کہا — "پورا معاملہ طے کر لو۔"

"یہاں نہیں" — عزیز نے کہا — "کل صبح ہوٹل میں میرے کمرے میں آجانا.... دیکھ لو، میں فائیو سٹار ہوٹلوں میں رہتا ہوں اور مریم اور نبیلہ جیسی حسین لڑکیوں کو ساتھ لئے پھرتا ہوں۔"

عزیز نے اُس کے ساتھ چند ایک ضروری باتیں کیں اور مزید سبز باغ دکھائے۔ اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جو سُننے والے کو مسحور کر دیتا تھا۔ سب سے بڑی کشش تو مریم اور نبیلہ جیسی لڑکیاں تھیں۔

تینوں لڑکیاں ابھی تک وہیں بیٹھی تھیں۔ مریم اور نبیلہ کو معلوم تھا کہ عزیز اور رابی میں کیا بات ہو رہی ہے۔ وہ جب دونوں اُٹھ کر ان کی طرف آتے تو یہ بھی اُٹھ کھڑی ہوتیں۔

رابی پر خاموشی طاری تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ انڈیا کی جنت میں پہنچ گیا ہے۔

Pdfstuff.blogspot.com

جس روز رابی اور رِشی ہنی مون کے لئے لاہور سے روانہ ہوتے تھے اُسی روز رابی کی ماں نوکرانی کو اُن کے بیڈ روم میں لے گئی۔

"یہ سب کچھ اُتار کر باہر پھینک دو" —— اُس نے نوکرانی سے کہا۔

اُس کا لہجہ اور انداز ایسا تھا جیسے اس کمرے میں کرایہ دار رہتے تھے اور ان سے بڑی مشکل سے کمرہ خالی کرایا گیا ہو۔

"یہ سب کچھ بیگم صاحب؟" —— نوکرانی نے سوالیہ انداز سے کہا۔

"ہاں بشیراں! یہ سب پھول وغیرہ!" —— رابی کی ماں نے جھنجھلاہٹ سے کہا —— "کمرہ ویسے ہی کر دو جیسے یہ پہلے تھا!"

"ہاتے نہ ممی!" —— رابی کی ایک بہن آگئی۔ ماں کا حکم سُن کر بولی —— "اُن کے آنے تک یہ سجاوٹ رہنے دیں۔ ابھی تو وہ دُولہا دُلہن ہیں۔"

"اُتار دو بشیراں!" —— رابی کی ماں نے اپنی بیٹی کی بات سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا اور بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی —— "دُلہن.... جیسی ماں ویسی بیٹی۔"

رابی کی بہن بیڈ روم سے نکل گئی اور بشیراں وہیں رہ گئی۔ بشیراں ان کی نوجوان نوکرانی تھی۔ اس کا خاوند جس کی عمر پچیس چھبیس سال تھی، پانچ چھ سال سے اس کوٹھی میں ملازم تھا۔ رابی اور رِشی کی شادی سے کچھ ہی دن پہلے اس ملازم کی شادی ہوئی تھی اور وہ بشیراں کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ بیگم نے بشیراں کی بھی تنخواہ مقرر کر دی۔ یہ میاں بیوی سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے۔

بشیراں رابی اور رِشی کے بیڈ روم میں اکیلی کھڑی کمرے کی سجاوٹ کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کا جی نہیں چاہتا تھا کہ مالکن کے حکم کی تعمیل کرے۔ اُسے کمرے کی سجاوٹ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ سونے اور چاندی کی

طرح چمکتے ہوئے تاروں کے لمبے لمبے ہار اور مصنوعی پھول پلنگ کے اُوپر اس طرح لگائے گئے تھے کہ ان کی چھت بن گئی تھی۔ کمرے کی دیواریں بھی اسی طرح سجی ہوئی تھیں۔ رابی کی کار بھی ایسے مصنوعی ہاروں اور پھولوں سے سجائی گئی تھی۔

بشیراں کو بیگم صاحب کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ اُس نے تمام سجاوٹ اُتار لی لیکن اُس نے اس مصنوعی سجاوٹ کو پھینکا نہیں۔ اگر یہ قدرتی پھول ہوتے تو مُرجھا جانے کی وجہ سے پھینک دیئے جاتے۔ بشیراں ان تاروں اور کٹی ہوئی پتیوں کی چمک اور ان کے رنگوں سے ہی مسحور ہو گئی۔ اُس نے انہیں سمیٹا۔ ایک چادر اُتار لائی اور اس ساری سجاوٹ کو چادر میں لپیٹ کر اپنے کوارٹر میں رکھ آئی۔ اُس وقت اُس کا خاوند جس کا نام نذر تھا، کوٹھی میں کہیں مصروف تھا۔

رات کو بشیراں کام کاج سے فارغ ہو کر نذر سے پہلے اپنے کوارٹر میں چلی گئی۔ نذر کچھ دیر بعد فارغ ہُوا۔ وہ جب اپنے کوارٹر میں گیا تو دیکھا کہ بشیراں رابی اور رِشی کے بیڈ روم سے اُتارا ہُوا سجاوٹ کا سامان اپنے کمرے کی دیواروں کے ساتھ لٹکا رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" —— نذر نے پوچھا۔

"تم آگئے؟" —— بشیراں نے پُرمسرت لہجے میں کہا —— "دیکھتے جاؤ میں اس کمرے کو کتنا خوبصورت بنا دوں گی۔"

"یہ کہاں سے لے آئی ہو تم؟"

"دُولہا دُلہن کے کمرے سے!" —— بشیراں نے جواب دیا —— "بیگم صاحب نے کہا تھا یہ سب اتارو اور باہر پھینک دو۔ میں چادر میں لپیٹ کر یہاں لے آئی۔ اتنی خوبصورت اور قیمتی چیزیں بھلا پھینکی جاتی ہیں؟ ہم بھی تو ابھی دُولہا دُلہن ہی ہیں نا! ہم اپنا کمرہ کیوں نہ سجائیں!"

"یہاں آ بشیراں!" —— نذر نے سنجیدہ لہجے میں کہا —— "میں تجھے بتاتا ہوں کہ ہم اپنا کمرہ کیوں نہ سجائیں۔"

PdfStuff.blogspot.com

"تمہیں بھوک لگی ہے نا!" —— بشیراں نے ایک لمبا ہار دیوار پر لٹکاتے ہوئے کہا —— "پہلے روٹی کھا لیتے ہیں .... آج تو کھانے کا مزہ آجائے گا۔ بیگم صاحب نے فریج سے تین قسم کے سالن نکال دیئے ہیں۔ روغنی نان بھی دیئے ہیں۔ میں گرم کر کے لاتی ہوں۔"

بشیراں نے سجاوٹ کا کام وہیں رہنے دیا اور اپنے باورچی خانے میں چلی گئی۔ باورچی خانہ کیا تھا، برآمدے میں چولہا چوکا بنا ہوا تھا۔

بشیراں سالن اور روغنی نان گرم کر کے لاتی تو کمرے کی دیواروں سے سجاوٹ غائب تھی۔

"یہ تم نے اُتارے ہیں؟" —— اُس نے نذر سے پوچھا۔

"ہاں!" —— نذر نے جواب دیا —— "کھانا رکھو اور میرے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔"

بشیراں اُداس سی ہو گئی۔ اُس نے دیکھا کہ تمام سجاوٹ ایک چارپائی کے نیچے پڑی تھی۔ نذر اُسی چارپائی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ بشیراں نے اُس کے آگے دسترخوان بچھایا، کھانا رکھا اور چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اُس کے نوجوان چہرے پر خوشی کے جو آثار تھے ان پر خفگی کی تہہ چڑھ گئی تھی۔ وہ معمولی سے خدوخال کی لڑکی تھی۔ اُس کا چہرہ گندمی تھا۔ اُس میں یہی ایک کشش تھی کہ وہ نوجوان اور بھولی بھالی سی تھی۔ نذر کا رنگ تو گہرا سانولا تھا اور اُس کی ایک آنکھ میں سفید سا داغ تھا لیکن اُس کا قد کاٹھ اچھا تھا۔

"تم نے چُپ کیوں سادھ لی ہے؟" —— نذر نے بشیراں سے پوچھا۔

"میں کمرہ سجا رہی تھی" —— بشیراں نے رُوٹھے ہوئے بچے کی طرح کہا —— "پتہ نہیں تم نے کیوں پسند نہیں کیا۔"

نذر چُپ چاپ کھانا کھاتا رہا۔

"تمہیں سجاوٹ پسند نہیں؟" —— بشیراں نے پوچھا —— "یہ رنگ برنگی چمکتی اور پروتی پتیاں تمہیں اچھی نہیں لگتیں؟ یہ اتنے پیارے پھول...."

"یہ بے جان پھول ہیں بشیراں!" —— نذر نے کہا —— "ان میں خوشبو نہیں۔ یہ میرے اور تیرے جیسے انسانوں کے بناتے ہوئے پھول ہیں۔ ان میں اللہ کی قدرت کا حُسن نہیں .... میری بات سمجھ رہی ہو بشیراں؟"

"سمجھ رہی ہوں" —— بشیراں نے جواب دیا —— "لیکن خوبصورت تو ہیں۔"

"یہ ہمارے نہیں" —— نذر نے کہا —— "نہ یہ ہمارے لئے ہیں نہ ہم ان کے لئے ہیں۔ یہ ہم نے نہیں خریدے تھے۔ نہ میرے باپ میں اتنی ہمت تھی نہ تیرے باپ کی اتنی پسلی تھی کہ اس سجاوٹ پر رقم تباہ کرتے۔ یہ سجاوٹ کسی اور کے لئے تھی جو تم اُٹھا لاتی ہو۔ یہ رو پے پیسے والوں کا موج میلہ ہے بشیراں!"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو" —— بشیراں نے بوجھل سی آواز میں کہا —— "ہم غریب ہیں نا! ان چیزوں پر ہمارا کوئی حق نہیں .... میرے دل میں ویسے ہی آگئی تھی کہ اس کمرے کو سجا دوں اور اتنی خوبصورت چیزوں کو کوڑے میں نہ پھینکوں۔"

"یہ تو پکا کمرہ ہے" —— نذر نے کہا —— "تم اگر کسی جھگی میں ہو گی تو وہ بھی مجھے سجی ہوئی لگے گی۔ میری زندگی کی سجاوٹ تمہارے ساتھ ہے۔"

بشیراں ابھی نئی نئی دُلہن تھی۔ نذر کی بات سُن کر شرما گئی۔ اُس نے سر جھکا لیا اور اُس کا وجود سکڑ گیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بشیراں!" —— نذر نے کہا —— "ہم دونوں ایک دوسرے کی سجاوٹ ہیں۔ میاں بیوی کی زندگی پیار اور محبت سے سجا کرتی ہے۔ ہمارا پہلا بچہ پیدا ہو گا تو تم کسی پھول کی ضرورت محسوس کرو گی ہی نہیں .... نہ نقلی پھول کی نہ اصلی کی۔"

Pdfstuff.blogspot.com

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو!" —— بشیراں نے شرم سے سُکڑتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں کچھ سمجھانا چاہتا ہوں" —— نذر نے کہا —— "تم نے کہا ہے کہ ہم غریب ہیں اور سجاوٹ والی ان چیزوں پر ہمارا کوئی حق نہیں .... میں تمہیں یہ سمجھا رہا ہوں کہ ہم لوگ غریب نہیں۔ روپے پیسے کے لحاظ سے ہم غریب ہیں اور ہمیں اس وجہ سے بھی غریب کہا جاتا ہے کہ ہم امیروں کے نوکر ہیں اور ان کا دیا کھاتے ہیں اور ان کے مکان میں رہتے ہیں لیکن شرم، غیرت اور ایمان کے لحاظ سے ہم اِن سے امیر ہیں۔"

بشیراں نے چونک کر نذر کی طرف دیکھا جیسے یہ بات اُس کی سمجھ میں نہ آتی ہو۔

"کیا تم کسی غیر مرد کے ساتھ باہر جاؤ گی؟" —— نذر نے پوچھا۔

"توبہ .... توبہ!" —— بشیراں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا —— "میں تو زہر کھا کر مر جاؤں۔"

"جن کی طرح تم اپنا کمرہ سجانا چاہتی ہو وہ زہر نہیں کھایا کرتے" —— نذر نے کہا —— "ان کی عورتیں جوان ہوں یا ادھیڑ عمر، کسی بھی مرد کو غیر نہیں سمجھتیں بشرطیکہ یہ مرد انہیں اچھا لگتا ہو۔"

"یہ تو میں نے دیکھا ہے" —— بشیراں نے کہا —— "دُلہن نے میرے ساتھ جو باتیں کی تھیں وہ میں زبان پر نہیں لا سکتی۔"

"ایک بات اور ہے بشیراں!" —— نذر نے کہا —— "اگر تم نے آج یہ سوچا ہے کہ یہ کمرہ خوبصورت نہیں اور اسے کوٹھی کے کمرے جیسا ہونا چاہیئے تو کل پرسوں تمہارے دماغ میں یہ خیال بھی آجائے گا کہ خاوند بھی خوبصورت نہیں اور امیر بھی نہیں۔"

"کیا فضول باتیں کرتے ہو تم!" —— بشیراں نے بڑے پیارے لہجے میں کہا —— "میرا جینا مرنا تمہارے لئے ہے۔"

"اور بشیراں!" —— نذر نے ایسے کہا جیسے اُس نے بشیراں کی بات

سُنی ہی نہ ہو —— "دُوسروں کی خوبصورتی اور چمک دمک دیکھ کر میرے دماغ میں بھی خیال آسکتا ہے کہ میری بیوی خوبصورت نہیں۔"

بشیراں کو دھچکا سا لگا۔ اُس کے چہرے پر اُداسی آگئی کہ وہ خوبصورت نہیں۔

"میں کہاں کا خوبصورت آدمی ہوں کہ میں کہوں کہ مجھے خوبصورت بیوی چاہیئے" —— نذر نے کہا —— "جو تمہیں خوبصورت نہیں سمجھتا وہ میری نظروں سے تمہیں دیکھے تو اُسے پتہ چلے گا کہ تم سجاوٹ کے ان چمکتے ہوئے نقلی پھولوں اور رنگ برنگی پتیوں سے زیادہ خوبصورت ہو۔"

بشیراں بچوں کی طرح ہنس پڑی جیسے نذر نے اُس کے پہلو میں گُدگُدی کی ہو۔ نذر کے چہرے پر جو سنجیدگی گہری ہوتی جا رہی تھی وہ اُڑتے ہوئے بادل کی طرح اُس کے چہرے سے اُڑ گئی اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ دونوں کھانا کھاتے رہے۔ دونوں کے چہروں پر مسرت اور محبت تھی۔ نذر نے سر اُٹھایا تو بشیراں کی نظریں اُس کی آنکھوں سے ٹکرا گئیں۔ بشیراں کے سانولے چہرے پر حیا کی سُرخی آگئی اور اس کی نظریں جُھک گئیں۔

"میں سجاوٹ کا یہ سارا سامان ابھی کوڑے کے ڈرم میں پھینک آؤں گی" —— بشیراں نے کہا۔

"ناراض ہو کر نہیں" —— نذر نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا —— "اگر تم نے میری باتیں سمجھ کر یہ چیزیں پھینکنے کی سوچی ہے تو ٹھیک ہے۔"

"نہیں نذر سے!" —— بشیراں نے کہا —— "ناراضگی کی بات کیوں کرتے ہو! میں نے تمہاری بات سمجھ لی ہے۔"

"کیا سمجھی ہو؟"

"لو .... تم نے تو مجھے کم عقل سمجھ لیا ہے" —— بشیراں نے کہا —— "تمہارا مطلب یہ ہے نا کہ پرائی خوشیاں اپنے چہرے پر نہیں سجائی جا سکتیں۔ خوشیاں اپنی اچھی ہوتی ہیں۔"

Pdfstuff.blogspot.com

"اور خوشی دل کا معاملہ ہے" — نذر نے کہا — "دل وہی خوش ہوتا ہے جس دل میں محبت ہو لالچ نہ ہو، اُن چیزوں کی ہوس نہ ہو جو مل ہی نہ سکیں۔"

"تمہیں یہ باتیں کس نے بتائی تھیں؟" — بشیراں نے سادگی سے پوچھا۔

"میرے باپ نے!" — نذر نے جواب دیا۔

"تمہارا ابا عقل والا ہے" — بشیراں نے کہا — "بڑی سیانی باتیں کرتا ہے۔ میرے ساتھ اُس نے زیادہ باتیں تو نہیں کیں لیکن جو کی ہیں ان سے مجھے یہ خیال آتا تھا کہ یہ تو بہت ہی علم اور تعلیم والا آدمی ہے.... تمہارا ابا پڑھا ہوا ہے؟"

"آٹھ جماعتیں بھی پوری نہیں پڑھ سکا تھا" — نذر نے جواب دیا — "میرا دادا مر گیا تو ابا کو سکول چھوڑنا پڑا اور اُسی عمر میں نوکری چاکری میں لگ گیا۔"

"آگے مجھے معلوم ہے" — بشیراں نے کہا — "جوان ہو کر وہ فوج میں بھرتی ہو گیا تھا اور ہندوستان کے ساتھ پاکستان کی جو جنگ ہوئی تھی اس میں تمہارے ابا کی ایک ٹانگ کٹ گئی تھی۔"

"اُس وقت میری عمر تین سال سے کچھ کم یا زیادہ تھی" — نذر نے کہا — "میرے ابا کی جب ٹانگ کٹی تو میں اپنی ماں کے ساتھ اُسے دیکھنے کے لئے فوجی ہسپتال میں گیا تھا۔ دیکھو میں کتنا چھوٹا تھا پھر بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میری ماں نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تیرے ابا کی ٹانگ کٹ گئی ہے۔ میں رو پڑا تھا۔ جب ہم ہسپتال جا رہے تھے تو میں سوچ رہا تھا کہ میرے ابا بھی رو رہے ہوں گے لیکن ہمیں دیکھ کر ابا ہنس پڑے اور مجھے بازوؤں میں لے کر اپنے سینے پر لٹا لیا تھا۔ وہ اتنا خوش تھے کہ میں اپنے آپ سے کہنے لگا کہ ماں نے مجھے جھوٹ بتایا ہے کہ ابا کی ٹانگ کٹ گئی ہے۔"

"میں جب اُسے نقلی ٹانگ پر چلتے یا ٹانگ اُتری ہوتی تو بیساکھی کے سہارے چلتے دیکھتی ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے" — بشیراں نے کہا۔

"تم نے اُس کے ساتھ ٹانگ کی بات نہیں کی" — نذر نے کہا — "اُسے ذرا سا بھی افسوس نہیں۔ اُس کی ٹانگ سن پینسٹھ کی جنگ میں کٹی تھی۔ چھ سال بعد سن اکہتر میں جب مشرقی پاکستان پر ہندوستان کی بدمعاشی چل گئی اور پاکستان آدھا رہ گیا تو میرا ابا بہت رویا تھا۔ وہ اُسی طرح رویا تھا جس طرح میں یہ سن کر رویا تھا کہ ابا کی ایک ٹانگ کٹ گئی ہے۔ ابا نے کہا تھا کہ میری دوسری ٹانگ بھی کٹ جاتی، میں سارے کا سارا کٹ جاتا لیکن پاکستان نہ کٹتا.... مجھے یہ بھی یاد ہے کہ سن پینسٹھ میں جب میرا ابا نقلی ٹانگ لگوا کر گھر آیا تھا تو اُس نے مجھے اور میرے بڑے بھائی کو گلے لگا کر کہا تھا کہ میرے بیٹے دشمن سے میری ٹانگ کا بدلہ چکائیں گے۔"

"ان کی شادی نے جسم توڑ ڈالا ہے" — نذر نے رابی کی شادی کی بات کرتے ہوئے کہا — "سو جائیں۔"

"میں یہ کوڑے کے ڈرم میں پھینک آؤں" — بشیراں نے کہا۔

اُس نے رابی اور رِشی کے بیڈروم سے اُتارا ہوا سارا سامان چادر میں لپیٹا اور باہر نکل گئی۔

رابی اور رِشی کی ازدواجی زندگی کا ایک مہینہ پورا ہو گیا تھا اور اب رابی، عزیز، مریم اور نبیلہ کی جنت میں جا پہنچا تھا۔ وہ ہوٹل کے اُس کمرے میں بیٹھا تھا جس میں عزیز ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک روز پہلے یہ سب شالامار باغ کی سیر کو گئے تھے جہاں رابی عزیز کے جال میں آ گیا تھا اور عزیز نے اُسے اگلے روز ہوٹل میں ملنے کو کہا تھا۔

رابی کمرے میں داخل ہوا اور دروازے میں ہی رُک گیا۔ اُس کی نظریں کمرے میں گھومنے لگیں۔ وہاں اکیلا عزیز تھا جو رابی کو دیکھ کر مسکراتا

pdfstuff.blogspot.com

ہُوا اُس کی طرف آ رہا تھا۔ رابی کا چہرہ ویران سا ہو گیا تھا۔

"آجاؤ.... آگے آجاؤ" ـــــ عزیز نے رابی کو اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا ـــــ "میں جانتا ہوں کہ تم کسے ڈھونڈ رہے ہو لیکن آج تم میرے پاس آئے ہو۔ آج ہم نے نہایت اہم اور ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"وہ کہاں ہیں؟" ـــــ رابی نے پوچھا۔

وہ مریم اور نبیلہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ عزیز نے اُسے صوفے پر بٹھایا۔

"وہ یہیں ہیں رابی!" ـــــ عزیز نے کہا ـــــ "یہاں تمہارے لئے اور بھی بہت کچھ ہے۔ میں تمہارے چہرے پر مایوسی دیکھ رہا ہوں۔"

"تم مایوسی کی وجہ تو سمجھتے ہو نا!" ـــــ رابی نے کہا۔

"تم مایوس ہی نہیں بے صبر بھی ہو" ـــــ عزیز نے کہا۔ اُس کے چہرے پر اور بولنے کے انداز میں سنجیدگی تھی۔ اُس نے رابی کو سر سے پاؤں تک دیکھا جیسے اُسے نظروں سے ناپا ہو، پھر کہنے لگا ـــــ "میری کچھ ضروری باتیں توجہ سے سُن لو رابی! .... ہر کام، ہر ہُنر، ہر پیشے اور ہر کھیل کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ انہیں نظر انداز کر دو تو سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کھیل ہے تو کھیل بگڑ جاتا ہے .... تم نے میرے ساتھ جو راستہ اختیار کیا ہے اس کے اصول تو بہت ہی سخت ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی خلاف ورزی کرو گے تو صرف یہی نہیں ہو گا کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا بلکہ تمہارا حُلیہ بگڑ جائے گا۔ تمہارا مستقبل ایسا بگڑے گا جسے تم بغیر دیکھے تصور میں نہیں لا سکتے۔"

"تم تو بزرگوں اور اُستادوں کی طرح باتیں کر رہے ہو" ـــــ رابی نے کہا ـــــ "میں مریم اور نبیلہ کو غیر حاضر دیکھ کر ذرا مایوس سا ہو گیا تھا۔"

"اگر تم صرف مریم اور نبیلہ کو ہی سب کچھ سمجھتے رہو گے تو آگے نہیں بڑھ

سکو گے" ـــــ عزیز نے بزرگانہ انداز میں کہا ـــــ "تم اُس مقام تک پہنچ ہی نہیں سکو گے جہاں تمہارے لئے خزانے موجود ہیں۔ اگر تمہاری دلچسپی مریم اور نبیلہ جیسی لڑکیوں کے ہی ساتھ ہے تو دولت کے زور پر تم راجہ اِندر بن جاؤ گے" ـــــ عزیز چُپ ہو کر سوچ میں پڑ گیا پھر بولا ـــــ "لیکن رابی! میری لائن پر چلنا ہے تو لڑکیوں میں دلچسپی کم کر دو۔ تمہارے لئے عورت ہی خطرہ بن جائے گی۔ میں تمہیں ابھی بتا دیتا ہوں کہ میں تمہیں جس دُنیا میں لے جا رہا ہوں وہ جنت سے کم نہیں لیکن تمہاری ذرا سی غلطی اور چھوٹی سی بھول اس جنت کو جہنم میں بدل دے گی۔"

"تم تو مجھے ڈرا رہے ہو یار!" ـــــ رابی نے کہا ـــــ "میں غلطیاں کرنے والا آدمی نہیں۔ مجھے جو سبق دینا ہے وہ دے دو پھر مجھے آزما لینا۔"

"تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو" ـــــ عزیز نے کہا ـــــ "وہ یہ کہ تم مریم اور نبیلہ کو طوائفیں یا آوارہ لڑکیاں اور مجھے ان کا دلال سمجھ رہے ہو جسے پمپ کہتے ہیں۔"

"اوہ .... نہیں یار!" ـــــ رابی نے کہا ـــــ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم، میں تمہیں اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔"

"یہ دونوں لڑکیاں اُن بموں سے زیادہ خطرناک ہیں جن کے دھماکے پاکستان میں ہوتے رہتے ہیں" ـــــ عزیز نے کہا ـــــ "یہ غیر معمولی طور پر ذہین، چالاک اور عیار لڑکیاں ہیں۔ انہیں اُستادوں نے ٹریننگ دی ہے۔ ایسی ہی ٹریننگ کی ضرورت تمہیں بھی ہے۔ ہم تمہیں ان لڑکیوں سے زیادہ ذہین اور چالاک بنا دیں گے۔"

"اور عیار بھی!" ـــــ رابی نے مذاق کے لہجے میں کہا۔

"ہاں .... عیار بھی!" ـــــ عزیز نے سنجیدہ لہجے میں کہا ـــــ "عیاری بنیادی اصول ہے .... میں تمہیں کچھ بنیادی اصول بتا دیتا ہوں۔ اس معاملے میں اپنے ماں باپ پر بھی اعتبار نہ کرنا نہ انہیں اعتماد میں لینا۔

PdfStuff.blogspot.com

مطلب یہ ہے کہ اُس انسان کو بھی قابلِ اعتماد نہیں سمجھنا جسے تم اپنا عزیز ترین سمجھتے ہو۔ مثلاً رِشی سے تمہیں دلی محبت ہے۔ ابھی اُسے بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا.... تم اسے بتا تو نہیں چکے کہ کل ہمارے درمیان کیا باتیں ہوتی ہیں؟"

"اتفاق کی بات ہے کہ میں نے اُسے ابھی نہیں بتایا" — رابی نے جواب دیا — "اور میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں عزیز! مجھے رِشی کے ساتھ ویسی محبت نہیں ہے جیسی تم سمجھ رہے ہو۔ یُوں سمجھ لو کہ شادی تو کرنی ہی تھی۔ اس کے لئے مجھے یہی لڑکی اچھی لگی۔"

"اِس لڑکی کی فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے؟" — عزیز نے رابی سے پوچھا۔

"اس کی صرف ماں ہے" — رابی نے کہا — "باپ مر گیا ہے۔ ماں کے پاس دولت بھی ہے جائیداد بھی ہے لیکن شہرت اچھی نہیں" —

رابی نے عزیز کو تفصیل سے سنایا کہ رِشی کے باپ نے اُس کی ماں کو کس طرح استعمال کیا اور غبن، فراڈ اور ایسے ہی دیگر جرائم کر کے گرفتاری سے بچتا رہا آخر وہ پکڑا گیا اور اسے چار سال سزا تے قید ہو گئی جس کا اُسے اور رِشی کی ماں کو زیادہ افسوس نہ ہُوا کیونکہ اُن کا گھر روپے پیسے سے بھرا ہُوا تھا اور جائیداد بھی بہت بن گئی تھی۔

"یہ لڑکی ہمارے کام آسکتی ہے لیکن ابھی نہیں" — عزیز نے کہا — "ایسی ماؤں کی بیٹیاں قابلِ اعتماد نہیں ہوتیں۔"

"تم فکر نہ کرو عزیز!" — رابی نے کہا — "میں رِشی کو پتہ نہیں چلنے دوں گا تم جو بنیادی اصول مجھے بتا رہے تھے ان کی بات کرو۔"

بھارتی انٹیلی جنس کے ایجنٹ عزیز نے پاکستان کے ایک نوجوان — بلکہ ایک اور نوجوان — رابی کو ملک اور قوم سے غداری کے اصول بتانے شروع کر دیئے۔ اُسے کامیابی کے راستے دکھاتے۔ یہ راستے جنت

جیسے سبز باغوں میں سے گزرتے اور یہیں پر آکر ختم ہوتے تھے۔ یہ دراصل برین واشنگ تھی اور عزیز اس میں مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے رابی کی برین واشنگ کا پہلا مرحلہ شروع کر دیا تھا۔

اب عزیز پاکستان کے خلاف کوئی بات نہیں کر رہا تھا نہ اُس نے بھارت کے حق میں کوئی بات کی۔ وہ رابی کی کمزوریاں جان چکا تھا۔ رابی نے اپنی دُکھتی رگیں عزیز کے ہاتھ میں دے دی تھیں۔ عزیز کے الفاظ میں اور بولنے کے انداز میں طلسماتی تاثر تھا جو رابی پر اس طرح طاری ہوتا جا رہا تھا جیسے وہ ہپناٹائز ہو گیا ہو۔ عزیز کی مہارت اور چرب زبانی کا کمال تو تھا ہی لیکن اصل کام رابی کے کردار کی کمزوریاں کر رہی تھیں۔

"عزیز!" — رابی نے صرف یہ پوچھا — "کیا تم واقعی مسلمان ہو یا انڈیا سے آتے ہوئے ہندو ہو؟"

"مسلمان ہوں" — عزیز نے رابی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا — "اس میں تمہیں ذرا سا بھی شک نہیں ہونا چاہیئے۔ میں انڈیا کا مسلمان ہوں۔ اگر میں حافظِ قرآن ہوتا تو تمہیں سُورتیں اور آیتیں پڑھ کر سناتا۔"

"مان لیا بھائی، مان لیا" — رابی نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا۔

"غور اس پر کرو رابی!" — عزیز نے کہا — "میں تمہیں کسی غیر اسلامی راستے پر تو نہیں چلا رہا۔ میں تمہیں کار چور نہیں بنا رہا۔ تمہیں یہ تو نہیں کہہ رہا کہ بلا لائسنس ریوالور اور کلاشنکوف رکھ لو اور بسوں کے مسافروں کو لُوٹو۔ میں تمہیں یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ ڈیڈی کی دولت اور اثر و رسوخ سے سیاست کا کھیل کھیلو، وزیر بنو اور سرکاری خزانے پر ہاتھ مارو، اور میں...."

"میں سمجھتا ہوں یار!" — رابی نے کہا — "تم اپنی بات کرو۔"

عزیز رابی کی عقل پر ایسا غالب آیا کہ یہ بھی سوچنے کے قابل نہ رہا کہ عزیز اسے ایک بدترین جُرم کے لئے تیار کر رہا ہے۔

pdfstuff.blogspot.com

ابی حسن بن صباح کی "جنت" میں داخل ہو گیا تھا۔

پرانی دِلّی کی ایک پرانے زمانے کی حویلی کے ایک کمرے میں سات آٹھ آدمی بیٹھے ہوتے تھے۔ ان میں صرف ایک آدمی زیادہ عمر کا تھا۔ پچاس سال سے زیادہ عمر ہو گی۔ باقی سب چھبیس سے تیس بتیس سال کی عمر کے آدمی تھے۔ ان میں جو سب سے بڑی عمر کا آدمی تھا۔ اُسے سب ہاشمی صاحب کہتے تھے۔ پہلے تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ایک آدمی نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ سب نے اُس کی طرف دیکھا۔

"رحیم میاں!" — ہاشمی نے اُسے کہا — "یہاں سگریٹ پینے کی بڑی سخت ممانعت ہے .... یہاں ہی نہیں، ہمارے گروہ میں جو بھی شامل ہوتا ہے اُسے سگریٹ جیسی ہر عادت سے نجات حاصل کرنی پڑتی ہے۔ یہ ایک پابندی ہے۔ تم اور یہ دو نوجوان ہمارے جہاد میں شامل ہوتے ہو۔ ہماری آج کی میٹنگ کا مقصد ہی یہی ہے کہ تم تینوں کو ذہن نشین کرایا جائے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں۔ تمہارے دوست جو تمہیں ہمارے محاذ میں لائے ہیں وہ تمہیں بتا چکے ہیں کہ ہمارا لائحہ عمل کیا ہے۔ میں ذرا تفصیل سے اس محاذ کا پس منظر بیان کروں گا۔ ہمارے دو ساتھی اور بھی ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ابھی تفصیل سے بات نہیں ہوئی۔"

"ہاشمی صاحب!" — ایک آدمی نے کہا — "قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں۔ پہلے انہیں یہ بتا دیں کہ سگریٹ پینے کی ممانعت کیوں ہے۔"

"سگریٹ نوشی، چائے نوشی وغیرہ عادات ہیں" — ہاشمی نے جواب دیا — "یہ یا کوئی بھی نشہ انسانی جسم کی ایسی ضرورت نہیں کہ اس کے بغیر زندہ ہی نہ رہا جا سکے۔ یہ عادات زنجیریں بن جاتی ہیں۔ ایسا انسان ملک کو کیا آزاد کرائے گا جو ایک عادت سے آزادی حاصل نہیں کر سکتا۔ سگریٹ نوشی اور ایسا جو بھی نشہ ہے، انسان کے لئے بڑی خطرناک کمزوری بن جاتا ہے۔ ہمارا محاذ ایسا خطرناک ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی آدمی کسی بھی وقت پکڑا

جا سکتا ہے۔ پکڑے جانے والے پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے کسی بھی ساتھی کی نشاندہی نہ کرے، لیکن پکڑنے والے یعنی ہندوستان کی پولیس اور انٹیلی جنس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ پورے گروہ کی نشاندہی کرے۔ اگر پکڑے جانے والے کی شخصیت اور کردار مضبوط ہے تو وہ ایذا رسانی برداشت کر لے گا، جان تک دے دے گا لیکن اپنے کسی ایک بھی ساتھی کو نہیں پکڑوائے گا اور اگر وہ نشے کی عادت میں مبتلا ہے تو یہ عادت اُس کے لئے اتنی بڑی کمزوری بن جائے گی کہ وہ سگریٹ کے ایک کش کی خاطر اپنے گروہ کا غدار بن جائے گا۔"

"ہاشمی صاحب!" — ان میں سے ایک نے کہا — "میں ایک اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے گروہ کے آدمیوں کو کھانے، پینے اور سونے کا بھی عادی نہیں ہونا چاہیئے۔ ہفتے میں ایک دن فاقہ کرنا چاہیئے۔ ایک رات جاگ کر گزارنی چاہیئے تاکہ ہم سب کھانے اور سونے کی عادت کے بھی غلام نہ رہیں۔"

"میں تمہارے اس اضافے سے اتفاق کرتا ہوں" — ہاشمی نے کہا — "ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ خدا کی راہ میں کر رہے ہیں اس لئے ہمیں ہر اُس کام اور اُس ہر چیز سے پرہیز کرنا چاہیئے جو خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔"

"اس قسم کی ہدایات تو ہم انہیں ساتھ ساتھ دیتے ہی رہیں گے" — ایک اور نے کہا — "بہتر ہے کہ ہم اصل موضوع پر آ جائیں۔"

"ہم ہندوستانی مسلمان ہیں" — ہاشمی نے کہا — "لیکن ہمیں بھارتی مسلمان اور انڈین مسلم کہا جاتا ہے اور اس سے یہ تاثر پیدا کیا جاتا ہے کہ پاکستان کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہم پاکستان کے لئے غیر ملکی سمجھے جاتے ہیں اور پاکستانی مسلمان جب ہندوستان میں آتے ہیں تو انہیں مشکوک اور مشتبہ قسم کے غیر ملکی سمجھا جاتا ہے۔ ہم نے اس حقیقت کو سامنے رکھ کر یہ محاذ بنایا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے مسلمان ایک ہی ملک کے باشندے ہیں۔"

Pdfsuff.blogspot.com

"کیا آپ کی یہ بات عجیب سی اور غیر حقیقی نہیں لگتی؟" — ایک نئے آدمی نے پوچھا۔

"میرے عزیز بھائی!" — ہاشمی نے جواب دیا — "ایک وقت تھا جب پاکستان کا لفظ بھی غیر حقیقی اور عجیب لگتا تھا۔ تم میں سے کوئی بھی ابھی پیدا نہیں ہُوا تھا جب ہندوستان کے مسلمانوں نے ایک علیحدہ مُسلم مملکت کا مطالبہ کیا تھا۔ میں بھی اُس وقت اتنا بڑا تو نہیں تھا کہ اس سیاست کو سمجھ سکتا لیکن سمجھنے والی بات میری عمر کے مسلمان بچوں نے بھی سمجھ لی تھی۔

یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی الگ اور آزاد مملکت کا مطالبہ کیوں کیا تھا۔ مختصر یہ کہ ہندو اور مسلمان اکٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔ یہ دو مختلف قومیں ہیں جن کے مذہب اور کلچر ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔"

"یہ دو قومی نظریہ ہے جسے ہم بڑی اچھی طرح سمجھتے ہیں" — اس محاذ کے نئے ممبروں میں سے ایک اور نے کہا — "آپ ان تفصیلات میں بیشک نہ جائیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس وقت جب ہندوستان کے مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا تو مسلمانوں کے ایسے لیڈر بھی تھے جنہوں نے مطالبۂ پاکستان اور دو قومی نظریئے کو تسلیم نہیں کیا تھا۔"

"صرف تسلیم ہی نہیں کیا تھا بلکہ مخالفت کی تھی" — ایک اور نے کہا — "مخالفت بھی ایسی کہ مطالبۂ پاکستان کے خلاف جو تحریک کی صورت اختیار کر گیا تھا، باقاعدہ محاذ بنا لیا۔ ان میں ایک طبقہ تو اُن جاگیرداروں کا تھا جنہیں انگریزوں نے جاگیریں عطا کی تھیں اور دوسرا طبقہ ہمارے مذہبی لیڈروں کا تھا جو علمائے دین کہلاتے تھے۔ ان کے ذہنوں میں ہندوؤں کے روحانی اور سیاسی پیشوا مہاتما گاندھی نے یہ ٹھونس دیا تھا کہ ہندوستان کے باشندے پہلے ہندوستانی ہیں اور اس کے بعد وہ ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی وغیرہ ہیں۔"

"کیسی عجیب بات ہے" — ایک اور نئے ممبر نے کہا — "ہندوستان میں جنگِ آزادی کی ابتدا کرنے والے علمائے دین تھے۔ میرا مطلب

تحریکِ مجاہدین کے بانی سید احمد شہیدؒ، مولانا اسمٰعیلؒ اور اُن کے دیگر تمام ساتھیوں سے ہے جنہوں نے جنگِ آزادی تقریروں اور اخباری بیانوں سے نہیں لڑی تھی بلکہ انہوں نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑی تھی۔ اگر وہ علمائے دین ہندوستان کو ایک مسلمان ملک بنانے کی بنیاد نہ رکھتے تو آج نہ صرف یہ کہ پاکستان کا وجود نہ ہوتا بلکہ ہندوستان میں اسلام کا وجود ہی ختم ہو چکا ہوتا۔"

"دو قومی نظریئے کی مخالفت کرنے والے مسلمان آج دیکھ رہے ہیں" — ہاشمی نے کہا — "وہ دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ اگر پاکستان نہ بنتا تو ان صوبوں کے مسلمانوں کے ساتھ بھی ہندو یہی سلوک کرتے۔ ہندو نے مسلمانوں کو آج تک الگ قوم کی حیثیت سے قبول نہیں کیا .... یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہو رہا ہے کہ تم اس پس منظر کو اور ہندو کی ذہنیت کو سمجھتے ہو اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہندو نے پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ تسلیم نہ کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ اصل مسئلہ بلکہ اصل خطرہ یہ ہے کہ ہندو پاکستان کے وجود کو ختم کر رہا ہے اور اسے وہ بھارت ماتا کی غیر قدرتی تقسیم کہتا ہے۔"

"ہندو لیڈرشپ نے آدھا پاکستان تو ختم کر دیا ہے" — ایک پرانے ممبر نے کہا۔

"ہم یہ بھی جانتے ہیں" — ایک نیا ممبر بولا — "مغربی پاکستان کو جس طرح بھارت کی حکومت تباہ کر رہی ہے ہم اس سے بھی واقف ہیں۔"

"یہاں میں تمہاری ایک تصحیح کرنا چاہتا ہوں" — ہاشمی نے کہا — "تم نے بھارت کہا ہے لیکن ہم اسے ہندوستان کہتے ہیں۔ میری یہ بات بھی تمہیں عجیب اور غیر حقیقی لگے گی کہ ہندوستان کو ہم ایک اسلامی ملک سمجھتے ہیں۔ ہندو اسے کہتا تو بھارت ہے لیکن اس کا درپردہ مطلب مہا بھارت ہے۔ اس مہا بھارت میں اُس نے جو علاقہ شامل کر رکھا ہے وہ انڈونیشیا اور ملائشیا سے لے کر دجلہ و فرات تک ہے جس میں افغانستان بھی شامل ہے۔ اسے اب ہندو قیادت نے مہا بھارت کی بجائے اشوکا سپر انڈیا ایمپائر کا

pdfstuff.blogspot.com

نام دے دیا ہے۔ ہمارا محاذ اس کے خلاف کام کر رہا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ اس محاذ کو پھیلایا جائے اور جس طرح ہندو اپنی انٹیلی جنس کے ذریعے پاکستان میں تخریب کاری کر رہا ہے اس طرح ہم ہندوستان میں زمین دوز کارروائیاں کریں۔ مجھے احساس ہے جیسے میں یا اس محاذ کے میرے تمام ساتھی خوابوں کی دنیا میں چلے گئے ہوں اور میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ میں نے یا ہم سب نے ایک احمقانہ سکیم بنائی ہے لیکن اس مقصد کو دیکھو تو سمجھ جاؤ گے کہ مقصد احمقانہ نہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کا اور اللہ کی وحدت کا پیغام لے کر نکلے تھے تو اکیلے تھے۔ اگر تم لوگ تاریخِ اسلام سے واقفیت رکھتے ہو تو جانتے ہو گے کہ یہی اسلام آگے دنیا میں پھیلا اور آج کسی بھی ملک میں چلے جاؤ وہاں کے باشندوں میں مسلمان بھی ہوں گے۔ ہندوستان میں سید احمدؒ شہید بھی اکیلے ہی اٹھے تھے۔ صرف یہ دیکھو کہ ہم جو نظریہ اور مقصد لے کر اُٹھے ہیں وہ کہاں تک صحیح ہے۔ ہم ایک بنیاد رکھ رہے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہم اپنی زندگی میں ہی کامیاب ہو جائیں۔ ہم جس راستے پر نکلے ہیں اس پر اپنے نقوشِ پا چھوڑ جائیں گے۔ ہمارے پیچھے آنے والے ہمارے قدموں کے نشان دیکھ کر منزل تک پہنچ جائیں گے .... ہمارا ایک مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام کا تحفظ کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کو بھی بھارتی حکومت کی شرپسندی سے بچایا جائے۔"

"پاکستانی خود کیا کر رہے ہیں؟" — ایک نئے ممبر نے پوچھا۔

"پاکستانی اپنی تباہی کے سامان کر رہے ہیں" — ہاشمی نے کہا۔

"پاکستان کے متعلق میری رائے آپ کو اچھی نہیں لگے گی" — نئے ممبر نے کہا — "پاکستان کا نام سُن کر میں مایوس ہو جاتا ہوں۔ میرے والد صاحب کبھی کبھی پاکستان کا ذکر لے بیٹھتے ہیں تو میں نے دو مرتبہ دیکھا کہ اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ پاکستان کو بڑا مضبوط اور طاقتور ملک دیکھنا چاہتے ہیں لیکن پاکستان نے اپنے آپ کو کمزور کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کو مایوس کر دیا ہے۔"

"تم اپنی رائے ذرا جھجک کر دے رہے ہو" — ہاشمی نے کہا — "میں واضح طور پر بات کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ ایسے ہندوستانی مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے جو پاکستان سے صرف مایوس ہی نہیں ہوئے بلکہ پاکستان سے متنفر ہو چکے ہیں۔"

"تو پھر پاکستان کو اس کے حال پر ہی کیوں نہ چھوڑ دیا جائے" — نئے ممبر نے کہا — "ہم صرف ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے جان و مال کا تحفظ کریں۔"

"نہیں!" — ہاشمی نے کہا — "پاکستان پاکستانیوں ہی کا نہیں بلکہ یہ ہندوستان کے ہر مسلمان کا ملک ہے۔ پاکستان برِصغیر کے ہر ایک مسلمان کی جدوجہد اور قربانیوں کا حاصل ہے۔ پاکستان کو ہم برِصغیر میں اسلام کا ایک قلعہ سمجھتے ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہندو پاکستان میں تخریب کاری کر رہا ہے۔ ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس تخریب کاری کے خلاف ہم جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کریں۔ ایک نعرہ اپنے ذہن میں بٹھا لو اور پھر اس نعرے کو ایک عزم بنا لو۔ وہ یہ کہ ہندو لیڈرشپ یہ کہتی ہے کہ پاکستان ہندوستان کا حصّہ ہے اور اسے ہندوستان میں شامل کرنا ہے۔ ہم یہ عزم لے کر اُٹھے ہیں کہ پورا ہندوستان پاکستان ہے۔"

"ہاشمی صاحب!" — ایک پرانے ممبر نے کہا — "اب ہم اصل بات پر آ جائیں تو بہتر ہے۔ باقی باتیں یہ سمجھتے ہیں اور وہ سوجھ بوجھ بھی رکھتے ہیں جو ہندوستان اور پاکستان کے ہر نوجوان کے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہم اُس تخریب کاری کے خلاف کام کر رہے ہیں جو ہندوستان کی حکومت اپنی انٹیلی جنس اور اپنے پاکستانی ایجنٹوں کے ذریعے پاکستان میں کروا رہی ہے" — ہاشمی نے کہا — "میں ہندوؤں کے ان عزائم کے پس منظر کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمارے اس

Pdfstuff.blogspot.com

دشمن نے پہلے یہ سکیم تیار کی تھی کہ پاکستان کو فوجی طاقت سے فتح کر کے ہندوستان میں شامل کر لیا جائے۔ اس کے لئے ہندوستان کے پہلے وزیرِ اعظم پنڈت نہرو نے چین کو اپنا دشمن بنا کر چین کے دشمن ممالک سے اسلحہ بارود، ٹینک اور لڑاکا بمبار طیارے اکٹھے کر لئے۔ ان ممالک کے تعاون سے ہندوستان نے اسلحہ بارود بنانے کی فیکٹریاں بنائیں۔ اٹھارہ سال بعد ۱۹۶۵ء میں رن کچھ میں پاکستان کے ساتھ ایک سرحدی تنازعہ کھڑا کر کے باقاعدہ جنگی کارروائی کی لیکن پاکستان کی فوج سے بہت بُری شکست کھائی....

"اُس وقت ہندوستان کا وزیرِ اعظم لال بہادر شاستری تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ بہت شریف، سیدھا سادا اور نیک آدمی ہے لیکن اسلام اور پاکستان کے معاملے میں وہ پنڈت نہرو سے بڑھ کر عیار اور چالاک تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ رن کچھ میں اُس کی فوج بُری طرح پسپا ہو رہی ہے تو اُس نے فوراً فائر بندی کی پیش کش کر دی جو پاکستان کی حکومت نے قبول کر لی لیکن شاستری نے فوراً ہی اعلان کر دیا کہ وہ پاکستان کو اپنی مرضی اور پسند کے محاذ پر لڑائے گا۔ اس کے بعد ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارت کی فوجوں نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ ہندوستانی حکومت اور فوج کا پلان یہ تھا کہ چند دنوں کے اندر اندر پاکستان کو فتح کر لیا جائے گا لیکن سترہ دنوں کی جنگ میں ہندوستانی فوج، ایئر فورس اور نیوی کو اتنا زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا کہ یہ عام خیال تھا کہ ہندوستان کو سنبھلنے میں کئی سال لگیں گے....

"یہ ایسا موقع تھا کہ پاکستان ہندوستان سے اپنی شرائط منوا سکتا تھا۔

اُدھر پاکستان کے کمانڈو جانبازوں نے مقبوضہ کشمیر میں ہندوستان کی فوج کو اس حال تک پہنچا دیا تھا کہ کشمیر ہندوستان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن پاکستان کے برسرِ اقتدار لیڈروں کی حماقتوں نے یہ موقع گنوا دیا۔ ہندو لیڈر شپ نے اپنی شکست سے بڑے اچھے نتائج اخذ کئے۔ ایک طرف اس نے مشرقی پاکستان پر توجہ مرکوز کر لی اور دوسری طرف اس نے مغربی پاکستان کے نوجوانوں کی اخلاقی تخریب کاری کی سکیم تیار کر لی۔ اس کے لئے ہندوستان

نے اپنے ریڈیو کو استعمال کیا۔ جالندھر ریڈیو سٹیشن سے صبح شام فلمی گانے نشر ہونے لگے۔ یہ فرمائشی پروگرام ہوتے تھے جن میں فرمائش کرنے والوں کے نام بھی سنائے جاتے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ ابتدا میں پاکستان کے فرمائش کرنے والوں کے نام بہت ہی کم ہوتے تھے لیکن بہت سے نام سنائے جاتے تھے اور ان کے ساتھ پاکستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کے نام بھی سنائے جاتے تھے۔ یہ سب جعلسازی تھی لیکن پاکستان سے ہمیں جو اطلاعیں ملیں ان سے پتہ چلا کہ پاکستان کے نوجوان ان فرضی ناموں کو اصلی سمجھ کر اپنی فرمائشیں جالندھر ریڈیو سٹیشن بھیج رہے ہیں ....اس کے بعد فلمی گانوں کے پاکستانی شائقین کے خط بھی جالندھر ریڈیو سٹیشن سے سنائے جانے لگے۔ ان خطوط میں بھارت اور پاکستان کی محبت کا اظہار ہوتا تھا۔"

"یہ خطوط بھی ہندوستانیوں کے اپنے دماغ کی اختراع ہوں گے"— ایک نئے ممبر نے کہا— "ہندو خود ہی لکھ لیتے ہوں گے۔"

"ابتدا تو اسی طرح ہوتی تھی"— ہاشمی نے کہا— "لیکن پاکستان سے آنے والوں نے بتایا کہ وہاں کے نوجوان فلمی گانوں کے نشئی ہو چکے ہیں۔ گھروں میں، بازاروں میں، کالجوں کے ہوسٹلوں کے کمروں میں، بسوں میں ہندوستانی فلموں کے گانے لگے ہوتے ہیں۔ یہ کہنا کہ آل انڈیا ریڈیو سے پاکستانیوں کے جو خطوط سنائے جاتے ہیں وہ یہاں کے ہندوؤں کی اپنی تحریریں ہوتی ہیں، مشکوک سا لگتا ہے۔ ابتدا تو ہندوؤں نے خود ہی کی تھی لیکن پاکستانیوں پر نشے کی جو کیفیت طاری ہو گئی تھی اس کے زیرِ اثر وہ ایسے خطوط لکھتے رہے ہوں گے۔ میں نے جالندھر ریڈیو سٹیشن سے ایک پاکستانی کا خط سُنا تھا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ یہ میری خواہش ہے کہ لتا منگیشکر ہمیں دے دیں اور ہم سے پورا کشمیر لے لیں۔"

"نہیں"— ایک نئے ممبر نے کہا— "میں یہ تو نہیں مانوں گا کہ کسی پاکستانی نے اتنی گھٹیا خواہش کا اظہار کیا ہو گا۔"

Pdfstuff.blogspot.com

ہاشمی ہنس پڑا۔ اس گروہ کے پرانے ممبروں کی بھی ہنسی نکل گئی لیکن یہ ہنسی ایسی نہیں تھی جیسی کسی لطیفے کی پیداوار ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی ہنسی میں طنز بھی تھی اور افسوس بھی۔

"یہ مت کہو" ۔ ہاشمی نے کہا ـــ "پاکستان میں ہندوستان کے فلمی گانوں نے ایسی کیفیت طاری کر دی تھی کہ وہ ستمبر ۱۹۶۵ء کے اُن شہیدوں کو بھی بھول لیتے جا رہے تھے جن کی لاشیں ابھی تک تر و تازہ تھیں اور جو انہی لوگوں کی عزت و آبرو پر قربان ہو گئے تھے .... میرا خیال ہے کہ میں پہلے یہ بتا دوں کہ ہندو کے دماغ نے پاکستان کے نوجوان ذہن پر غالب آنے بلکہ اسے ہپناٹائز کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی تھی۔ انہوں نے یہ سبق یہودیوں سے سیکھا تھا کہ مسلمانوں کو ختم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے نوجوان ذہن کو پراگندہ کر دو۔ یہ یہودیوں کا ایک بڑا ہی پرانا پلان تھا جس میں وہ خاصے کامیاب ہو چکے ہیں۔ ہندو نے یہی حربہ پاکستان پر استعمال کرنا شروع کیا اور پہلے مرحلے میں ہی کامیابی حاصل کر لی ....

"ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ہندوستان کی فوجی اور سیاسی قیادت کو بتایا گیا تھا کہ پاکستانی قوم خصوصاً پاکستان کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے اپنی فوج کی جس طرح پشت پناہی کی تھی اور اپنے ملک کے دفاع کے لئے جو کام کئے تھے وہی ہندوستانی افواج کی شکست کا سبب بنے تھے .... میرے عزیز ساتھیو! اگر میں آپ کو پوری تفصیل سے سناؤں کہ پاکستانی قوم نے اپنے ملک کے دفاع کے لئے کیسے کیسے کارنامے سرانجام دیئے تھے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے کس طرح دن رات ایک کر دیئے تھے اور اپنی فوج کے زخمیوں کے لئے خون کے تالاب مہیا کر دیئے تھے تو تمہارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ میں جب آج کے نوجوانوں کی باتیں سنتا ہوں تو یقین نہیں آتا کہ یہ ۱۹۶۵ء والے پاکستانیوں کی نسل ہے۔ ہندو لیڈرشپ نے اس کا یہ علاج سوچا کہ پاکستان کے نوجوان ذہن کو رومان پرستی اور جنسیت سے ایسا پراگندہ کر دو کہ

اس ذہن میں قومی وقار، مذہب اور ملک کے دفاع کے احساس کے لئے ذرا سی بھی جگہ نہ رہے۔"

"آج کا پاکستانی نوجوان پستی کی اس حد تک اُتر آیا ہے جس حد تک اُسے ہندو لانا چاہتا تھا" ـــ ایک پرانے ممبر نے کہا۔

"ارشد میاں!" ـــ ہاشمی نے کلاس کے استاد کے لہجے میں کہا ـــ "ڈسپلن کا خیال رکھو۔ اب میری بات مت کاٹو۔ میں نئے ممبروں کو ایک باقاعدہ سبق دے رہا ہوں۔"

"معافی چاہتا ہوں" ـــ ارشد نے نادم سا ہو کر کہا۔

ہاشمی نے اُس دَور سے بات شروع کی تھی جب جالندھر ریڈیو سٹیشن کے فلمی گانے پاکستان کے نوجوانوں کے لئے ایک نشہ بن گئے تھے اور بھارت کے اس تخریبی عمل کو تفصیل سے بیان کرتے کرتے یہاں تک لے آیا جہاں وی سی آر ایک کردار کُش وبا کی صورت اختیار کر چکا تھا اور بھارت کی فلمیں گھر گھر دیکھی جاتی تھیں اور جس شام بھارتی ٹیلیویژن سے فلم دکھائی جاتی تھی اُس شام پاکستانی گھروں میں لوگ کھانا پینا بھی بھول جاتے تھے۔ ہاشمی نے یہ بھی کہا کہ صرف نوجوانوں پر تخریبی اثرات قبول کرنے کا الزام عائد کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ پاکستان کے ہر عمر کے افراد وی سی آر اور بھارتی فلموں کے ذریعے بھارتی عزائم کا شکار ہو چکے ہیں۔

"کیا پاکستان میں ہندوستان کے اس نوعیت کے حملے کو روکنے کا کوئی انتظام نہیں؟" ـــ ایک نئے ممبر نے پوچھا۔

"نہیں" ـــ ہاشمی نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا ـــ "اس قسم کے نظریاتی، ثقافتی یعنی کردار کُشی کے عمل کو روکنا حکمرانوں کا پھر تعلیمی اور مذہبی اداروں کا کام ہوتا ہے۔ پاکستان میں اس ذمہ داری کو کسی نے بھی قبول نہیں کیا۔ سیاسی لیڈر اقتدار کی جنگ میں لگے رہے۔ آدھا ملک گنوا کر بھی انہوں نے کچھ نہ سوچا بلکہ اس شکست سے سبق حاصل کرنے کی بجائے

pdfstuff.blogspot.com

اسے ایک دوسرے کے مُنہ پر سیاہی ملنے کے لئے استعمال کیا۔ ان پاکستانی لیڈروں نے اپنے ملک کی سلامتی اور باوقار بقا کو داؤ پر لگا دیا۔ اقتدار میں جو بھی آیا اُس نے ملک کو دونوں ہاتھوں سے لُوٹا۔ مذہبی لیڈر جو علمائے کرام کہلاتے ہیں، اپنی فرقہ بندیوں میں مصروف رہے۔ سیاسی لیڈروں کی ہی طرح ایک دوسرے پر گند اچھالتے رہے۔ تعلیمی ادارے بھی سیاسی جنگ میں گھسیٹ لئے گئے۔ طلبا کو تنظیموں میں بانٹ کر سیاسی لیڈروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ سیاسی جماعتیں انہیں پیسے بھی دیتی رہیں اور ہتھیار بھی۔ مجھے یاد ہے کہ پاکستانی اخباروں نے لکھا تھا کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ہوسٹل گوریلا کیمپ بن چکے ہیں۔ وہاں حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ طلباء کی تنظیمیں ایک دوسرے پر اس طرح فائرنگ کرتی ہیں جس طرح سرحد پر پاکستان اور ہندوستان کے سرحدی دستے ایک دوسرے پر گولیاں برساتے رہتے ہیں یا جس طرح پاکستان کے قبائلی علاقے میں دو قبیلے آپس میں لڑتے ہیں ....

"میں اب اصل بات پر آتا ہوں .... ہندوستان نے اپنی انٹیلی جنس سروس کے ذریعے پاکستان میں اپنا جال بچھا دیا ہے۔ سندھ میں تو ہندوؤں نے اُسی طرح اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں جس طرح مشرقی پاکستان میں گاڑے اور اُس صوبے کو مغربی پاکستان سے الگ کر کے دم لیا تھا۔ ہمیں دو اڑھائی برسوں سے یہ رپورٹیں مل رہی ہیں کہ پاکستان کے بعض نوجوانوں کو سبز باغ دکھا کر یہاں لایا جاتا ہے اور اُن کی برین واشنگ ایسے حسین اور دل کش طریقوں سے کی جاتی ہے کہ یہ نوجوان اپنے مذہب اور اپنے وطن کو نہ صرف یہ کہ بھول جاتے ہیں بلکہ اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں ....

"تم نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ اپنے طور پر جو پاکستانی سیر و سیاحت کے لئے یا اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے یہاں چند دنوں کے لئے آتے ہیں ان کے ساتھ یہاں کیا سلوک ہوتا ہے۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جائیں تو انہیں پولیس کو باقاعدہ اطلاع دینی ہوتی ہے کہ وہ فلاں جگہ فلاں کام کے

لئے جا رہے ہیں جہاں کی خفیہ پولیس اور انٹیلی جنس اپنے مخبروں کے ذریعے سائے کی طرح اُن کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ بعض اوقات بہانے تراش کر اُن کی بے عزتی بھی کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک بھی ہُوا ہے کہ کہیں فرقہ وارانہ فساد ہُوا تو اُس علاقے میں کوئی بھی پاکستانی جو باقاعدہ پاسپورٹ اور ویزا پر آیا تھا، گرفتار کر لیا گیا۔ ایسے پاکستانیوں کو پاکستان کے بھیجے ہوئے تخریب کار کہا جاتا ہے۔ علی گڑھ میں ایسے کتنے پاکستانی گرفتار کئے گئے ہیں ....

"اور اُن پاکستانیوں کو جنہیں یہاں انٹیلی جنس کے ذریعے لایا جاتا ہے، مہمانِ خصوصی سے بھی زیادہ درجہ دیا جاتا ہے۔ انہیں اشوکا جیسے ہوٹلوں میں ٹھہرا کر اُن پر دولت اور حسین لڑکیوں کا جال پھینکا جاتا اور ایسے انداز سے اُن کے ذہنوں کو اپنے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے کہ انہیں محسوس تک نہیں ہوتا کہ ان کا کردار اور سوچ و فکر کا انداز ہی بدل گیا ہے۔ ان نوجوان اور جواں سال آدمیوں کو ہزار ہا روپے دے کر پاکستان واپس بھیج دیتے ہیں اور ان سے ہر قسم کی تخریب کاری کراتے ہیں۔ یہ جو پاکستان میں آئے دن کہیں نہ کہیں دھماکے ہوتے رہتے ہیں، یہ ہندوستان کے تربیت یافتہ پاکستانیوں سے کرائے جاتے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ پاکستانی آزاد نہیں رہنا چاہتے" —— ایک نئے ممبر نے کہا —— "کیا یہ بہتر نہیں کہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے؟ ہمیں اپنے متعلق یعنی ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق سوچنا اور کچھ کرنا چاہیئے۔ یہ بات کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ ہمارا قتلِ عام تو ہو ہی رہا ہے، مسجدوں کو تالے لگائے جا رہے ہیں۔"

"پاکستان کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے" —— ہاشمی نے کہا —— "میں یہ بتا چکا ہوں کہ پاکستان صرف پاکستانیوں کا نہیں اور میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ایک مضبوط پاکستان ہندوستانی مسلمانوں کے لئے کیوں ضروری ہے .... میں پاکستان کی کمزوریوں کی جو بات کر رہا ہوں اس سے یہ مطلب نہ لو کہ پوری

Pdfstuff.blogspot.com

کی پوری پاکستانی قوم ان کمزوریوں کی ذمہ دار ہے۔ پاکستان کے لوگ دو طبقوں میں بٹے ہوتے ہیں۔ ایک طبقہ سیاسی لیڈروں کا ہے جو جاگیردار ہیں۔ ان کی دولت مندی کا کوئی حساب نہیں۔ یہ صرف جاگیروں کی آمدنی نہیں۔ یہ طبقہ قومی خزانے کو لوٹنے کے علاوہ دولت اکٹھی کرنے کا ہر ناجائز ذریعہ حتیٰ کہ سمگلنگ تک کرتا ہے۔ کچھ عرصے سے ہیروئن پاکستان کی پہچان بن چکی ہے۔ یہ پاکستان کا حکمران طبقہ ہے۔ باقی تمام لوگ یعنی پاکستان کی ساری آبادی اس طبقے کی رعایا ہے۔ اِس رعایا میں مختصر سا ایک طبقہ افسر شاہی کا ہے۔ یہ طبقہ جاگیرداروں کی طرح پاکستان پر حکمرانی کرتا ہے۔ انہی کی اولاد اِس وقت ہندوستان کی انٹیلی جنس کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے۔ اس طبقے میں کچھ شریف اور محبِ وطن افسر بھی ہیں، لیکن وہ بے بس اور مجبور ہیں۔ انہیں مشکوک لوگ سمجھا جاتا ہے....

"جہاں تک پاکستان کے عوام کا تعلق ہے ان میں وہی جذبہ ہے جو ہم میں ہے۔ ان عوام نے پاکستان کے لئے جان و مال کی قربانیاں دی بھی ہیں اور دیں گے بھی، لیکن ان کے لئے حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ وہ پیٹ کے چکر میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ تم جب بھی پاکستان کی بات کرو تو ہمیشہ یہ ذہن میں رکھو کہ اصل پاکستان پاکستانی عوام ہیں۔ اگر ان عوام کو محبِ وطن قیادت مل جائے تو وہ ان ہندوستانی حکمرانوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں۔ ہم انہی عوام کو ہندوستان کے اس زہر سے بچانا چاہتے ہیں جو وہ نام نہاد پیار اور محبت اور طلسماتی طریقوں سے پاکستان میں پھیلا رہا ہے۔"

ہاشمی نے چند اور ضروری باتیں نئے ممبروں کو بتائیں اور ایک بار پھر کہا کہ وہ پاکستانی عوام کو پاکستانی قوم نہ سمجھیں بلکہ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک قوم کہا کریں یا برِصغیر کے مسلمان کہیں۔

"تم ہمارے محاذ کے نئے ممبر ہو جنہیں ہم مجاہدین کہتے ہیں" ——

ہاشمی نے کہا —— "لیکن تمہیں مجاہدین اُس وقت کہا جائے گا جب تم باقاعدہ قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر محاذ اور محاذ کے مقصد کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھاؤ گے۔ اس وقت میں تمہیں اپنا لائحہ عمل صرف اُس حد تک بتاؤں گا جو حلف اُٹھانے سے پہلے بتایا جانا چاہیئے۔ اس کے بعد جب تم عملی طور پر ہمارے ساتھ کام کرنے لگو گے تو بتانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہو گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"آپ ہمیں حلف کے بغیر بھی وفادار پائیں گے" —— ایک نئے ممبر نے کہا۔

"اگر وفاداری نہیں کرو گے تو شاید تمہیں محاذ سے الگ کر دیا جائے" —— ہاشمی نے جواب دیا —— "لیکن غداری کرو گے تو یُوں سمجھ لو کہ تم نے خودکشی کی کامیاب کوشش کی ہے۔ جس روز تمہارے دماغ میں محاذ سے غداری کا خیال آیا وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

"ہمارے دوستو!" —— محاذ کے ایک پرانے ممبر نے کہا —— "اِسے دھمکی نہ سمجھنا۔ ہم اپنی جانیں اللہ کے سپرد کر چکے ہیں۔ ہمارے لئے زندگی اور موت کا صرف ایک مطلب رہ گیا ہے..... اسلام اور برِصغیر کے مسلمانوں کا تحفظ.... ہم نہ مرنے سے ڈرتے ہیں نہ کسی کو مارنے سے ڈریں گے۔"

"ہم ہندوستان کے انٹیلی جنس کا مقابلہ اِس طرح نہیں کر سکتے جس طرح ایک فوج دوسری فوج کا کرتی ہے" —— ہاشمی نے کہا —— "نہ ہی ہم ہندوستانی انٹیلی جنس کا مقابلہ اُس طرح کر سکتے ہیں جسے کاؤنٹر انٹیلی جنس کہا جاتا ہے۔ ہم صرف یہ کر سکتے ہیں کہ جس کسی کے متعلق پتہ چلے کہ یہ شخص ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان کے حق میں گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے یا مسلمانوں کے خلاف مخبری کرتا ہے اُسے پکڑا جائے۔"

"اور اُسے قتل کر دیا جائے؟" —— نئے ممبروں میں سے ایک نے پوچھا۔

Pdfstuff.blogspot.com

"نہیں" — ہاشمی نے جواب دیا — "کسی بھی جاسوس کو فوراً نہیں پکڑا جاتا بلکہ اُس کا پیچھا کیا جاتا ہے کہ وہ کس کس سے ملتا ہے۔ اس طرح اُس کے دوسرے ساتھیوں کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ پھر اُسے گرفتار کر کے ایذا رسانی کے ذریعے اُس سے راز لئے جاتے ہیں .... ان تفصیلات کو چھوڑیں۔ یہ مَیں جانتا ہوں کہ ہمارا طرزِ عمل کیا ہے۔ مَیں نے اپنے ایک عزیز دوست سے ٹریننگ لی ہے۔ وہ ہندوستان کی انٹیلی جنس میں رہ چکا ہے اور اب ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے اور ہمیں اُس کا مخلصانہ تعاون حاصل ہے۔ یہاں سے آگے کچھ بتانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ نئے ممبروں سے حلف لیا جائے۔ مَیں ان نئے ساتھیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وضو کر آئیں۔"

تینوں نئے ممبر اُٹھے۔ میزبان انہیں باہر لے گیا اور وضو کرا کے واپس کمرے میں لے آیا۔ اس دوران قرآن مجید سامنے رکھا جا چکا تھا۔ تینوں ممبروں نے ہاشمی کے کہنے پر قرآن مجید پر اپنا اپنا دایاں ہاتھ رکھا۔ ہاشمی نے حلف نامے کے الفاظ کہے جو نئے ممبر اُس کے ساتھ دُہراتے گئے۔ پھر تینوں نے قرآن مجید باری باری ہاتھ میں لے کر چُوما اور آنکھوں سے لگایا۔

"اللہ کے مجاہدو!" — ہاشمی نے کہا — "اب تمہاری جانیں اس مقدس کتاب کے ذریعے اللہ کے سپرد ہو گئی ہیں۔ میں تمہیں وہ مشن بتاتا ہوں جس پر فوری طور پر کام شروع کرنا ہے" — ہاشمی نے پرانی دِلّی کے ایک محلّے کا نام لے کر کہا — "وہاں کے ایک ادریس احمد کو تم جانتے ہو گے۔ وہ حال ہی میں ریلوے کی ملازمت سے ریٹائر ہوتے ہیں۔"

دو نئے ممبروں نے کہا کہ وہ ادریس احمد کو جانتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ شریف اور معزز آدمی ہے۔

"لیکن ان کا بیٹا ان کی طرح شریف اور معزز نہیں" — ہاشمی نے کہا۔

— "کیا آپ عزیز احمد کی بات کر رہے ہیں؟"

"ہاں" — ہاشمی نے جواب دیا — "میں اُسی عزیز احمد کی بات

کر رہا ہوں .... یہ شخص انڈین انٹیلی جنس کا سرگرم رکن ہے۔ اس کا پاکستان میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ آج کل بھی وہ غائب ہے۔ خیال یہی ہے کہ وہ پاکستان گیا ہو گا۔ ہم کچھ عرصے سے اُس کی حرکات و سکنات دیکھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے جس عزیز دوست کا ذکر کیا ہے کہ وہ یہاں کی انٹیلی جنس میں سروس کر چکا ہے، اُس کے تعاون اور راہنمائی سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ وہ پاکستان کے ایک خاص طبقے کے نوجوانوں میں کام کر رہا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایک پاکستانی نوجوان امیر زاد ے کو یہاں لا کر انڈین انٹیلی جنس کے حوالے کر چکا ہے۔ اب ہم نے اُس کی اس کارکردگی کے متعلق مزید شہادت حاصل کرنی ہے پھر اس کے خلاف کوئی کارروائی کریں گے۔"

اور ادریس احمد دِلّی کا ایک وضع دار آدمی تھا۔ انگریزوں کے دَور میں وہ ریلوے میں ملازم ہُوا تھا۔ اب اُس کی عمر ستر سال ہونے کو تھی۔ اُن کی چھ بیٹیاں اور صرف ایک بیٹا تھا جو پانچ بیٹیوں کے بعد پیدا ہُوا تھا۔ اولادِ نرینہ کے لئے ادریس احمد کی بیوی نے ہر سال ہر اُس درگاہ، خانقاہ اور آستانے کی دہلیز پر ماتھا رگڑا تھا جس کا اُسے کسی نے راستہ دکھایا تھا۔ ہر سال اجمیر شریف کے دو پھیرے تو میاں بیوی کا معمول بن گیا تھا۔ نذر نیاز اور خیرات تو وہ دل کھول کر دیتے تھے۔

ادریس احمد نے تحریکِ پاکستان میں ایسا مجاہدانہ رول ادا کیا تھا کہ اپنی نوکری خطرے میں ڈال دی تھی۔ اُسے اُس کے دوستوں نے کہا بھی تھا کہ وہ اپنے بچوں کے مستقبل کو خطرے میں نہ ڈالے لیکن اُس نے ایک ہی بار جواب دے کر سب کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا تھا۔

"میرے عزیز دوستو!" — اُس نے کہا تھا — "میری عمر عبادت میں گزر رہی ہے۔ میں برِصغیر میں ایک آزاد مسلمان مملکت کے قیام کی جدوجہد کو بھی عبادت سمجھتا ہوں۔ قیامِ پاکستان کے لئے اگر مجھے نوکری

Pdfstuff.blogspot.com

کے ساتھ اپنی آبائی جائیداد بھی قربان کرنی پڑی تو میں بخوشی یہ قربانی دوں گا۔ یہ قربانی اللہ کی خوشنودی کے لئے ہوگی۔

اُس دَور میں ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبات ایسے ہی تھے۔

ادریس احمد کا کردار غیر معمولی نہ تھا۔ اُس کے ہندو ساتھیوں نے اُسے کئی بار کہا تھا کہ پاکستان تمہارے لیڈروں کا ایک خواب ہے اور یہ اُن خوابوں میں سے ایک ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

"ادریس میاں!" ـــــ اُسے اُس کے ہندو ساتھی کہتے ہی رہتے تھے ـــــ "اگر پاکستان بن بھی گیا تو یہ دہلی سے بہت دُور بنے گا۔ دہلی ہر صورت میں انڈیا کا دارالحکومت رہے گا۔ تم یہیں رہو گے۔ تمہاری جائیداد اور تمہارے بیوی بچے یہیں رہیں گے۔ پھر کیوں نہ تم ہمارا ساتھ دو۔ ہم سے دشمنی مول نہ لو۔ مسلم لیگ کو اور محمد علی جناح کو ذہن سے اُتار دو اور کانگریس میں شامل ہو جاؤ۔"

ادریس احمد کو ہی نہیں آج کے بھارت کے ہر مسلمان کو ہندوؤں نے اسی طرح ورغلایا تھا، ڈرایا اور دھمکایا بھی تھا کہ وہ ہندوؤں کا ساتھ دیں اور پاکستان کا نام لینا چھوڑ دیں۔ آج کے بھارت کے اُس دَور کے مسلمان جانتے تھے کہ پاکستان بن بھی گیا تو اُن کے علاقے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے پھر بھی وہ برِصغیر میں ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کے لئے جہاد کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔

آخر ہندوستانی مسلمانوں کی جدوجہد اور قربانیوں کا ثمر مل گیا۔ پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ ہندوؤں نے سکھوں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی پولیس اور فوج کی پشت پناہی میں اُن علاقوں کے مسلمانوں کو جو پاکستان میں شامل نہیں تھے جو سزا دی وہ ایک الگ داستان ہے۔ آزاد ہندوستان کی حکومت کی سرکاری پالیسی یہ تھی کہ ہندوستان میں کوئی مسلمان نہ رہے۔ قتلِ عام، لُوٹ مار، آبروریزی اور آتش زنی سے لاکھوں مسلمانوں کو ختم کیا گیا اور دہشت طاری کی گئی کہ بچے کھچے مسلمان پاکستان کو بھاگ جائیں۔

ادریس احمد اُن ہندوستانی مسلمانوں میں سے تھا جنہوں نے اپنے آبائی گھر نہ چھوڑے اور پاکستان کو ہجرت نہ کی۔ ادریس احمد کا گزارہ صرف تنخواہ پر ہی نہیں تھا۔ وہ ایک خوشحال اور باوقار خاندان کا فرد تھا جس کی بہت بڑی حویلی تھی اور اس سے ذرا چھوٹے دو مکان الگ تھے جو کرائے پر چڑھے ہوتے تھے۔ دہلی میں ہی رُکے رہنا ادریس کے لئے زیادہ خطرناک تھا کیونکہ اُس وقت جب ہندو مسلمانوں کا خون بہا رہے تھے ادریس کی دو بیٹیاں جوان تھیں اور تیسری بیٹی لڑکپن کی عمر میں تھی۔ اس محلّے میں تمام تر آبادی مسلمانوں کی تھی۔ کئی اور مسلمان جو ہندوؤں کے محلوں میں رہتے تھے ادریس احمد کے محلّے میں آگئے تھے۔ اس محلّے کو مسلمانوں نے باقاعدہ مورچہ بنا لیا تھا۔ اس طرح یہ محلّہ ہندوؤں سے محفوظ رہا تھا۔

ریلوے میں ادریس احمد کی نوکری قائم رہی۔ اُس کی دو اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ پاکستان کی عمر دس گیارہ سال ہو چکی تھی جب دہلی میں ادریس احمد کے گھر بیٹا پیدا ہُوا۔ ماں باپ نے اس کا نام عزیز احمد رکھا۔ بچّے کے ماں باپ اور اس کی بہنیں خوشی سے پاگل ہوتی جا رہی تھیں۔ ادریس احمد کی بیوی جب زچگی کا عرصہ پورا کر کے سفر کے قابل ہو گئی تو اُس نے بڑا لمبا سفر اختیار کیا۔ بچّے کو اُٹھاتے ہوتے وہ ہر اُس درگاہ، خانقاہ اور ہر اُس درویش اور بزرگ کے آستانے پر گئی جہاں جہاں اُس نے اولادِ نرینہ کے لئے دعائیں مانگی تھیں۔

یہ بچّہ ماں باپ اور بہنوں کا کھلونا بن گیا۔

وقت بڑی تیزی سے گزرتا گیا۔ بچّہ بڑا ہوتا گیا۔ وہ جب بیٹھنے لگا تو گھر میں جشن منایا گیا۔

وہ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلنے لگا تو اس کی تقریب منائی گئی۔

وہ اپنے پاؤں پر چلنے لگا تو اس کا جشن منایا گیا۔

پھر وہ بھاگنے دوڑنے لگا اور اُس عمر کو پہنچ گیا جس عمر میں بچّے کو

pdfstuff.blogspot.com

سکول میں داخل کرایا جاتا ہے لیکن ماں اور بہنیں اب بھی اُسے کھلونا ہی سمجھتی تھیں۔ اس کی جن بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں وہ عزیز احمد سے اپنے بچوں سے زیادہ پیار کرتی تھیں۔ ماں کا تو یہ حال تھا کہ بچہ رات کو کروٹ بدلتا تو ماں جاگ اُٹھتی اور بے تابی سے بچے کو دیکھتی کہ اسے کوئی تکلیف تو نہیں۔

بچے کی ہر فرمائش فوراً پوری کی جاتی تھی۔ اگر آدھی رات کے وقت بچے نے جاگ کر یہ ضد شروع کر دی کہ ریل گاڑی دیکھنی ہے تو باپ اُسے اُٹھا کر باہر نکل گیا اور تانگہ لے کر ریلوے سٹیشن پر جا پہنچا۔ اپنی ہر جائز اور ناجائز ضد اور فرمائش منواتے منواتے جب بچہ سکول میں داخل ہونے کی عمر کو پہنچا تو اُس نے یہ حکم جاری کر دیا کہ وہ سکول میں داخل نہیں ہوگا۔ اُسے جب سکول میں داخلے کے لئے لے جانے لگتے تو وہ ہنگامہ برپا کر دیتا اور ماں اُسے چھ سال کی عمر میں بھی اُٹھا کر گلے لگا لیتی اور اور لیس احمد سے کہتی کہ آج نہیں کل سہی۔

روپے کے سکے، اٹھنیاں اور چونیاں عزیز احمد کے لئے کھلونا تھیں۔ ماں باپ اُس کے کھیلنے کے لئے اٹھنیاں اور چونیاں گھر میں موجود رکھتے تھے۔ پیسوں کا لالچ دے دے کر اُسے سکول میں داخل کرایا گیا۔ وہ پانچ سات روپے جیب میں ڈال کر سکول جاتا تھا۔ پڑھنے پڑھانے میں اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اُس کا جب جی چاہتا سکول سے اُٹھ آتا تھا۔ پیسے خرچ کرنا اُس کی عادت نہیں بلکہ فطرت بن گئی۔

اور لیس احمد سکول ماسٹروں کو پیسے دے دے کر اپنے بیٹے کو پاس کرواتا رہا۔ اُس کے پاس پیسوں کی کمی نہیں تھی۔

عزیز احمد دسویں جماعت تک پہنچ گیا۔ سکول میں وہ نواب زادہ کہلاتا تھا۔ اُس کے ناز و انداز اور اُس کی عادات نوابزادوں ہی جیسی تھیں۔ صرف باپ جانتا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی نوابی کس طرح پوری کر رہا ہے۔ وہ اب محسوس کرنے لگا تھا کہ اُس نے اپنے بیٹے کو بگاڑ دیا ہے لیکن بیٹے کو سنوارنے کا وقت کبھی کا گزر گیا تھا۔ بیٹے کی عمر اب سترہ سال ہو گئی تھی۔

وہ اب لڑکا لگتا ہی نہیں تھا، وہ جوان ہو گیا تھا اور بڑا ہی خوبصورت جوان تھا۔

عزیز احمد کی دوستی ہندوؤں کے لڑکوں کے ساتھ تھی۔ وہ سیٹھوں کے بیٹے تھے اور اُسی کی طرح شاہ خرچ تھے۔ ہندو سیٹھ پیسے کے معاملے میں ایسے لاپروا اور بے نیاز نہیں ہوتے کہ بیٹے جتنے پیسے مانگیں وہ فوراً اُتنے ہی پیسے دے دیں لیکن ان سیٹھوں کے بیٹے اپنے ماں باپ سے جھوٹ بھی بولتے اور گھر سے پیسے چوری بھی کر لیا کرتے تھے۔ یہی طریقہ عزیز احمد نے اختیار کر لیا تھا۔ اب باپ اُس کی پیسوں کی فرمائش پوری کرنے سے گریز کرنے لگا تھا لیکن عزیز اپنی فرمائش پوری کروانے کا عادی تھا۔ اُس نے گھر سے پیسے چُرانے شروع کر دیئے۔ وہ شادی شدہ بہنوں کے ہاں جاتا اور اُن سے بھی پیسے بٹور لاتا تھا۔

اُس کے باپ کو پتہ چلا کہ اُس کا بیٹا اپنے دو بہنوئیوں سے مختلف جھوٹ بول کر اچھی خاصی رقم اُدھار بھی لے چکا ہے۔ باپ کے لئے یہ صورتِ حال بڑی ناگوار تھی۔ عزیز احمد کی بہنیں بھی اپنے خاوندوں سے شرمسار تھیں۔ ان سب نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اپنے بہنوئیوں کے آگے اپنے ماں باپ کو شرمسار نہ کرے۔ عزیز احمد نے اب اپنے آپ میں ایک ایسی خوبی پیدا کر لی تھی جس کے سامنے سب لاجواب ہو جاتے تھے۔ یہ خوبی تھی جھوٹ بولنا، چرب زبانی اور بڑے پیارے انداز میں بولنا۔ اُس نے یہ فن اپنے ہندو دوستوں سے سیکھا تھا۔

اور لیس احمد کی خواہش یہ تھی کہ اُس کا بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرے لیکن بیٹا میٹرک پاس کرنے کے بھی قابل نہیں تھا اور اُس کی خواہشات باپ کی خواہش سے بالکل اُلٹ تھیں۔

عزیز احمد نے میٹرک کا امتحان دے دیا اور اس کے ساتھ ہی وہ گھر سے دو دو تین تین دن غائب رہنے لگا۔ اُس کی فطرت صرف روپے پیسے سے خوش رہتی تھی اور وہ روپیہ پیسہ حاصل کرنے کے لئے ہر ڈھنگ کھیلتا تھا۔

Pdfbooksfree.blogspot.com

انہی دنوں ادریس احمد ریلوے سے ریٹائر ہو گیا اور اُسے بہت سی رقم ریلوے کی طرف سے ملی۔ عزیز احمد نے باپ کو یہ جھانسہ دیا کہ وہ پڑھنے کی بجائے کوئی کاروبار کرنا چاہتا ہے اس لیئے اُسے رقم دے دی جائے۔ باپ جانتا تھا کہ بیٹا بڑا ماہر مکار اور عیار ہو گیا ہے۔ وہ بیٹے کو ایک پیسہ بھی نہیں دینا چاہتا تھا لیکن بیٹے نے زبان کا جادُو چلایا اور باپ کو ایسے سبز باغ دکھائے کہ باپ نے بخوشی پندرہ بیس ہزار کی رقم بیٹے کے حوالے کر دی۔

باپ کے ہاتھ سے رقم بھی گئی، بیٹا بھی گیا۔

بیٹا نہ جانے کہاں کہاں عیش موج کرتا رہا۔

ایک وہ وقت تھا کہ ماں باپ اور بہنوں نے اس بچّے کی پیدائش اور اپنے پاؤں چلنے تک کتنی جشن مناتے تھے مگر اب گھر میں جیتے جاگتے بیٹے کا ماتم ہو رہا تھا۔ بیٹا دُور نکل گیا تھا۔ وہ گھر آتا تھا تو بھی پتہ چلتا تھا کہ وہ بہت دُور سے نظر آ رہا ہے۔

عزیز احمد پچیس چھبیس سال کا ہو گیا۔ ماں باپ کی خواہش کہ اُسے اعلیٰ تعلیم دلائیں گے، مٹی میں مل چکی تھی۔ ماں اور بہنوں کی یہ خواہش کہ اکلوتے بیٹے اور بھائی کے لئے بڑی خوبصورت دلہن لائیں گے، ایسا خواب بن گئی تھی جو آنکھ کھلتے ہی ذہن میں ہی گم ہو جاتا ہے۔

عزیز احمد کو دُلہن کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اُس کی دوستی ہندو لڑکیوں کے ساتھ ہو گئی تھی۔ انہی دنوں کا ذکر ہے کہ ہاشمی ادریس احمد سے ملا۔

"ادریس صاحب!" ـــ ہاشمی نے کہا ـــ "ہم ایک دوسرے کو بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ کے ساتھ میری کوئی ایسی بے تکلفی تو نہیں کہ میں آپ کے ذاتی اور گھریلو معاملات میں دخل دوں، لیکن ہم ایک ایسے مقدس رشتے میں بندھے ہوتے ہیں کہ آپ کے مسائل کو میں

اپنے مسائل سمجھتا ہوں۔ مَیں آپ کے ساتھ جس مسئلے پر بات کرنے لگا ہوں اس کا تعلق اسی مقدس رشتے سے ہے۔"

"ہاشمی صاحب!" ـــ ادریس احمد نے سانس بھر کر کہا ـــ "مَیں جانتا ہوں آپ کس مسئلے پر بات کرنا چاہتے ہیں اور مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کس خلوص سے یہ بات کرنے آتے ہیں۔ ہمارے درمیان اسلام کا جو رشتہ ہے وہ واقعی مقدس ہے۔ اسی ناطے سے چند اور احباب میرے ساتھ یہ بات کر چکے ہیں .... آپ میرے بیٹے کے متعلق کچھ کہنے آتے ہیں نا! آپ ضرور کہیں، لیکن ہاشمی صاحب! اس بیٹے نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ میرا تعلق صرف اتنا سا رہ گیا ہے کہ وہ میری بیوی کے بطن سے پیدا ہُوا تھا اور میں اس کا باپ ہوں۔ اُس نے اپنے آپ کو خاندان سے اس طرح نوچ لیا ہے جیسے کسی درخت سے ایک شاخ ٹوٹ کر پتا پتا ہو جاتی ہے۔"

"آپ کے ساتھ بہت بُرا حادثہ ہُوا ہے" ـــ ہاشمی نے کہا ـــ "اتنی بیٹیوں میں اللہ نے ایک بیٹا دیا اور وہ بھی نافرمان نکلا۔ دوسرا حادثہ یہ ہے کہ آپ کے بیٹے کا تعلق صرف آپ کے ساتھ نہیں بلکہ یہاں کی مسلمان برادری کے ساتھ ہے۔ اگر وہ صرف آوارہ اور عیش پرست ہو جاتا تو یہ نقصان آپ کی ذات اور اس کی ذات تک محدود رہتا مگر یہاں صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ اُس نے ہندوؤں کے ساتھ جایارانہ گانٹھا ہے۔"

"مَیں اُن ہندوؤں کو جانتا ہوں" ـــ ادریس احمد نے کہا ـــ "وہ سب آوارہ اور بدکار ہیں۔"

"نہیں ادریس صاحب!" ـــ ہاشمی نے کہا ـــ "آپ اُنہیں نہیں جانتے۔ وہ ہندو آوارہ اور بدمعاش نہیں۔ وہ ایک خاص سکیم اور پلان پر عمل کر رہے ہیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہاں کی حکومت نے یہ پلان بنایا ہے کہ مسلمانوں کو گھیر کر اُن کی شادیاں ہندو لڑکیوں کے ساتھ اس شرط پر کرائی جائیں کہ یہ لڑکیاں اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گی۔"

PdfSufi.blogspot.com

"میں جانتا ہوں ہاشمی صاحب!" ـــــ ادریس احمد نے کہا ـــــ
"شادیوں کے بغیر ہی مسلمان نوجوانوں کو ہندو لڑکیاں اپنے جال میں پھانس کر انہیں ہندو بنا رہی ہیں لیکن اپنے بیٹے کو میں کس طرح اس جال سے نکالوں" ـــــ ادریس احمد کے آنسو نکل آئے۔ آنسو پونچھ کر بولا ـــــ "میں نے تو اُسے دل سے اُتار دیا ہے۔ اگر مر جاتا تو دل کو یہ تسکین تو ہوتی کہ اللہ نے دیا تھا اور اُس نے واپس لے لیا ہے۔"

"میں کسی اور شک پر بات کر رہا ہوں ادریس صاحب!" ـ ہاشمی نے کہا ـــــ "مجھے بہت افسوس ہے کہ میں آپ کے دُکھی دل کو مزید دُکھ دے رہا ہوں .... عزیز کے متعلق پتہ چلا ہے کہ وہ یہاں کی انٹیلی جنس کا باقاعدہ مخبر بن گیا ہے۔ یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ وہ پاکستان میں بھی جا چکا ہے یا جاتا رہتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ ہندوستانی انٹیلی جنس مغربی پاکستان میں کیسی تخریب کاری کرا رہی ہے۔"

"مغربی پاکستان نہ کہیں ہاشمی صاحب!" ـــــ ادریس احمد نے کہا ـــــ
ہم نے تو مشرقی اور مغربی پاکستان بنایا تھا اور ہم کہا کرتے تھے کہ ہندوستان کو ہم نے درمیان میں لے لیا ہے، لیکن ان ہندوؤں نے پاکستان کو توڑنے کے عزم کو مذہبی فریضہ بنا لیا تھا اور انہوں نے پاکستان کو کاٹ کے رکھ دیا۔ اب اسے مغربی اور مشرقی کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر میرا بیٹا ہندوؤں کا جاسوس بن گیا ہے اور وہ اُس پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے جس میں اُس کے اپنے باپ کی قربانیاں بھی شامل ہیں تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے بیٹے کے خلاف یہ الزام ثابت کر دیں تو میں اسے اپنے ان ضعیف ہاتھوں سے قتل کر دوں گا۔ میرا خیال ہے کہ اس سے بڑی نیکی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"اللہ نہ کرے کوئی مسلمان باپ اپنے بیٹے کو قتل کرے" ـــــ
ہاشمی نے کہا ـــــ "میں نے آپ کے ساتھ یہ بات اس لئے کی ہے کہ آپ کو اگر اپنے بیٹے کی خفیہ سرگرمیوں کا علم نہ ہو تو ہو جائے۔ میں آپ کی مجبوری

اور بے بسی کو سمجھتا ہوں۔ میں آپ سے یہ نہیں کہہ رہا کہ اپنے بیٹے کو سمجھانا یا راہِ راست پر لانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو میں نے قبول کر لیا ہے۔ میں اپنے احباب کے ساتھ عزیز کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"نہیں ہاشمی صاحب!" ـــــ ادریس احمد نے کہا ـــــ "آپ نے اس معاملے کو گہرائی میں جا کر نہیں سوچا۔ اگر آپ نے اس کے ساتھ یہ بات کی کہ وہ انڈیا کا باقاعدہ جاسوس بن گیا ہے اور اس کام سے باز آ جاتے تو اُسی رات آپ لاپتہ ہو جائیں گے۔ یہاں کے مسلمان مُخبر اپنی ہی برادری کے خلاف مُخبری کر رہے ہیں۔ میرا بیٹا سمجھ بوجھ کی حدود سے بہت دُور نکل گیا ہے۔ اُس نے اپنے خون کی لاج نہیں رکھی۔ وہ آپ کو کیا سمجھے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے بیٹے کے ہاتھوں کسی مسلمان کو نقصان پہنچے .... یہ گناہ میرا ہے۔ میں نے اُسے بے جا پیار و محبت سے بگاڑا ہے۔"

ادریس احمد کو بولتے بولتے ہچکی سی آئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ہاشمی اُسے تسلّی و لاسہ دینے لگا، لیکن یہ سب جھوٹی تسلیاں تھیں۔

"ہاشمی صاحب!" ـــــ ادریس احمد نے بڑی لمبی آہ بھر کر کہا ـــــ
"میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ کو ثبوت مل جائے کہ میرا بیٹا انڈیا کا جاسوس ہے اور وہ اُس پاکستان کو نقصان پہنچا رہا ہے جو میں نے بنایا تھا تو آپ اُسے قتل کر دیں اور اُس کی لاش غائب کر دیں، لیکن مجھے ضرور بتا دینا کہ میرے بیٹے کا ناپاک وجود اس دنیا سے اُٹھ گیا ہے۔ میں نے اُس کی بدکرداری اور ہندوؤں کے ساتھ دوستی قبول کر لی تھی۔ میں نے دونوں مکان جو کرائے پر چڑھے ہوتے تھے اُس کے نام کر دیتے تھے۔ مجھے کسی نے بتایا ہے کہ اُس نے ایک مکان بیچ ڈالا ہے اور باہر کہیں کوٹھی بنوالی ہے۔ میں نے یہ سب کچھ برداشت کر لیا تھا، لیکن اُس کے اس گناہ کو نہیں بخشوں گا کہ وہ پاکستان کے خلاف جاسوسی کر رہا ہے۔"

Pdfstuff.blogspot.com

ہاشمی نے اپنے محاذ کے آدمیوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اپنے ایک دوست کا ذکر کیا تھا جو بھارتی انٹیلی جنس میں سروس کر چکا تھا۔ اس کا نام عبدالقدیر تھا۔ اس شک کا اظہار اُسی نے کیا تھا کہ عزیز احمد انڈین انٹیلی جنس میں باقاعدہ شامل ہو چکا ہے اور پاکستان میں بھی جاتا رہتا ہے۔ عبدالقدیر نے ہاشمی کو مشورہ دیا تھا کہ عزیز کے باپ کے ساتھ پہلے بات کر لی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاشمی کا محاذ عزیز کے خلاف کوئی کارروائی کرے تو اس کا باپ محاذ کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔

ہاشمی عبدالقدیر سے ملا اور عزیز کے متعلق اُس کے باپ کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی وہ اسے سنائی۔

"ہاشمی بھائی!" — عبدالقدیر نے کہا — "کسی بھی انڈین جاسوس کے خلاف کوئی حرکت یا بات کرو تو بہت ہی احتیاط سے کرنا۔ عقل سے کام لینا۔ جذبے اور جذبات کو اپنی عقل پر حاوی نہ ہونے دینا۔ مجھ سے مشورہ لیے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھانا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ عزیز کا پیچھا کس طرح کرنا ہے اور یہ کس طرح معلوم کرنا ہے کہ اُس کی درپردہ سرگرمیاں کیا ہیں۔"

عبدالقدیر نے ہاشمی کو ضروری ہدایات دیں اور اُسے کچھ طریقے بتائے جن سے عزیز کا پیچھا کر کے اُس کی خفیہ سرگرمیاں معلوم کی جا سکتی تھیں۔

اگلے ہی روز سے ہاشمی نے ان ہدایات کے مطابق عمل شروع کر دیا۔ مسلسل دس بارہ روز تک عزیز کا کوئی سراغ نہ ملا۔ عزیز نے جو کوٹھی بنوائی تھی وہاں تالے لگے ہوتے تھے۔ راتوں کو اس کوٹھی پر نظر رکھنے کا انتظام بھی کیا گیا، لیکن عزیز کا کچھ پتہ نہ چلا۔

تین ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔

ایک روز ہاشمی پھر اس کوٹھی کے قریب سے گزرا۔ وہ دراصل یہی دیکھنے گیا تھا کہ عزیز یہاں موجود ہے یا نہیں۔ کوٹھی میں سے ایک آدمی باہر آ رہا تھا۔ وہ کوٹھی کا ملازم لگتا تھا۔ ہاشمی اُس سے ملا۔

"عزیز صاحب موجود ہیں؟" — ہاشمی نے ملازم سے پوچھا۔

"کیوں؟" — اُس آدمی نے ہاشمی سے پوچھا — "کوئی کام ہے؟"

"کام ہے تب ہی پوچھ رہا ہوں بھائی!" — ہاشمی نے کہا۔

"کام کیا ہے؟"

"میرے بھائی!" — ہاشمی نے جھنجھلا کر کہا — "میں بھارت کے وزیراعظم یا پریذیڈنٹ کی نہیں پوچھ رہا۔ میں عزیز صاحب کی پوچھ رہا ہوں۔ اگر مل سکتے ہیں تو مجھے بتا دو۔"

اس شخص نے ہاشمی کو سر سے پاؤں تک دیکھا پھر پاؤں سے سر تک دیکھا جیسے ہاشمی کو نظروں سے ناپ رہا ہو۔ ہاشمی کا شک یقین میں بدل گیا۔

"وہ یہاں نہیں ہیں" — اُس آدمی نے جواب دیا۔

"کب مل سکیں گے؟"

"یہ تو میں نہیں بتا سکتا" — اُس آدمی نے جواب دیا — "وہ ملک سے باہر گئے ہوتے ہیں" — یہ کہہ کر یہ آدمی وہاں سے چلا گیا۔

پورا ایک سال گزر گیا۔ عزیز دلی میں کہیں نظر نہ آیا۔

ہاشمی تقریباً ہر روز عبدالقدیر کو رپورٹ دیتا رہا۔ عبدالقدیر نے یقین کے ساتھ کہا کہ عزیز انڈین انٹیلی جنس کا خاص آدمی بن چکا ہے اور اسی سلسلے میں کہیں باہر گیا ہوا ہے۔

ہاشمی نے جو محاذ بنایا تھا اس میں نئے ممبر شامل ہوتے رہے۔ یہ کوئی ایسی تحریک یا تنظیم نہیں تھی جو جلسوں اور جوشیلی اور جذباتی تقریروں کے دائرے میں بند رہتی اور جو چاہتا اس کا ممبر بن جاتا۔ ہاشمی کا محاذ ایک خفیہ تحریک تھی جس کی کسی طریقے سے بھی تشہیر نہیں کرنی تھی نہ کی جاتی تھی۔ ممبر خود نہیں آتے تھے بلکہ لائے جاتے تھے۔ لانے جانے والے ممبروں کو پہلے ہی ٹھونک بجا کر پرکھ لیا جاتا تھا۔ کسی جذباتی آدمی کو ممبر نہیں بنایا جاتا تھا۔

pdfstuff.blogspot.com

یہ محاذ اُن دہشت گرد (ٹیررسٹ) گروہوں کی صورت اختیار کر رہا تھا جو انگریزوں کے دورِ حکومت میں بنے اور انگریزوں کے خلاف تخریب کاری اور تباہ کاری کرتے رہتے تھے۔ ہاشمی کے محاذ کی نگرانی عبدالقدیر کرتا تھا۔ اس گروہ کی تعداد ابھی ایک درجن بھی پوری نہیں ہوتی تھی۔

ایک سال بعد محاذ کے ایک ممبر نے ہاشمی کو اطلاع دی کہ اُس نے عزیز کو دیکھا ہے۔

"اُس کے ساتھ دو نوجوان تھے" — ممبر نے بتایا — "معلوم نہیں وہ پاکستانی تھے یا ہندوستانی۔ وہ سینما ہال سے فلم دیکھ کر نکل رہے تھے۔"

ہاشمی نے عبدالقدیر کو بتایا۔ عبدالقدیر نے ہاشمی کو اچھی طرح سمجھایا کہ عزیز احمد کا تعاقب کس طرح کرنا ہے۔

پانچ چھ دنوں کی مسلسل کوشش کے بعد ایک روز ہاشمی کو عزیز نظر آگیا۔ اُس روز ہاشمی مایوس ہو گیا تھا۔ ہر روز اُس کی کوٹھی پر نظر رکھنے کے لئے اُس علاقے میں گھومتے پھرتے رہنے سے وہاں کے لوگ ہاشمی پر شک کر سکتے تھے۔ اس کوٹھی کے سوا ہاشمی کو اور کوئی ایسی جگہ معلوم نہیں تھی جہاں عزیز کی آمد و رفت تھی۔ آخر ایک روز اس کوٹھی سے ایک کار نکلی جو عزیز چلا رہا تھا۔ ایک نوجوان اُس کے ساتھ والی سیٹ پر اور ایسا ہی ایک نوجوان پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

ہاشمی نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور کو عزیز کی کار دکھا کر کہا کہ اس کے پیچھے چلو۔

عزیز کی کار لال قلعے کے سامنے جا رکی۔ ہاشمی نے ٹیکسی کچھ دُور رکوا کر ڈرائیور کو پیسے دیئے اور خراماں خراماں قلعے کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ عزیز اپنے ساتھیوں کے ساتھ قلعے کے اندر چلا گیا تھا۔ ہاشمی نے خاصا فاصلہ رکھا اور وہ بھی قلعے میں داخل ہو گیا۔ اُس نے عزیز کو دیکھا جو اِدھر اُدھر ہاتھوں سے اشارے کر کے اپنے ساتھیوں کو قلعہ دکھا رہا تھا۔

ہاشمی نے اپنا رُخ بدل دیا اور عزیز کو نظر میں رکھا۔ پندرہ بیس منٹ بعد قلعے کے ایک حصے میں ہاشمی عزیز کے سامنے آگیا اور اس طرح چونک کر رُک گیا جیسے اچانک اور غیر ارادی طور پر ان کی ملاقات ہو گئی ہو۔ عزیز بھی رُک گیا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"کیا تم عزیز احمد ہو بھائی؟" — ہاشمی نے مسرور سے لہجے میں کہا اور عزیز کے ساتھ بغلگیر ہو کر بولا — "ارے میرے عزیز! تمہیں دیکھے ایک عمر گزر گئی ہے" — اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا — "کہاں ہوتے ہو؟ کیا کرتے ہو؟"

"ٹورازم ڈیپارٹمنٹ میں ہوں" — عزیز نے کہا۔

ہاشمی نے اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"ان سے ملیں ہاشمی صاحب!" — عزیز نے کہا — "پاکستان سے سیر و سیاحت کے لئے آتے ہیں۔ پہلی بار ہمارے ملک میں آتے ہیں۔ غیر ملکی سیاحوں کو سیر سپاٹا کرانا میری ڈیوٹی تو نہیں۔ ان سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی تو ان کی فرمائش پر ان کے ساتھ چل پڑا۔"

ہاشمی نے دونوں پاکستانی نوجوانوں سے ہاتھ ملائے اور پاکستان کا حال احوال پوچھا۔

"وہاں تو خاک اُڑ رہی ہے" — ایک پاکستانی نے کہا۔

"وہاں تو ابھی یہی فیصلہ نہیں ہوا کہ پاکستان کا مقصد کیا تھا" — دوسرے نے کہا۔

"انڈیا آپ کو کیسا لگا؟" — ہاشمی نے پوچھا۔

"بہت اچھا" — ایک پاکستانی نے جواب دیا — "اصل آزادی تو ہم نے یہاں دیکھی ہے .... آپ کو بُرا تو نہیں لگ رہا کہ ہم اپنے ملک کے خلاف بات کر رہے ہیں؟ آپ سمجھتے ہوں گے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور ہم اس اسلامی ملک کے دشمن ملک کو اچھا کہہ رہے ہیں۔"

"نہ میاں نہ" — ہاشمی نے کہا — "ہم نے پاکستان کو دل سے

pdfstuff.blogspot.com

اتار دیا ہے۔ ہم جانتے ہیں پاکستان کتنا کچھ اسلامی ملک ہے۔"

"خوب کہا آپ نے ہاشمی صاحب!" — عزیز بولا — "اگر پاکستان نہ ہوتا تو انڈیا میں آج ہندو مسلم فسادات نہ ہوتے۔"

عبدالقدیر نے ہاشمی سے کہا تھا کہ عزیز سامنے آجائے تو اُسے پیار اور تپاک سے ملے اور اگر وہ دونوں نوجوان بھی ساتھ ہوں تو ہاشمی پاکستان کے خلاف باتیں کرے۔ ہاشمی نے اس ہدایت پر خوب عمل کیا۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ عزیز احمد کا چہرہ چمک اُٹھا۔ وہ بار بار پاکستانی نوجوانوں کی طرف فاتحانہ اور مسرور انداز سے دیکھتا تھا۔ پاکستانی نوجوان تو ایسی باتیں کر رہے تھے جیسے پاکستان بہت ہی پسماندہ اور تہذیب و تمدن سے دُور افتادہ ملک ہو۔ انہوں نے انڈیا میں ہی رہنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔

"عزیز میاں!" — ہاشمی نے کہا — "انہیں بمبئی کی بھی سیر کرا دو اور انہیں ان کے محبوب فلمی ستارے دکھا دو۔ سُنا ہے پاکستان میں بھارتی فلمیں بہت مقبول ہیں۔"

"وہاں تو انہیں ضرور لے جاؤں گا" — عزیز نے کہا — "فلمی ستارے دکھاؤں گا ہی نہیں، انہیں اُن سے ملواؤں گا۔"

"معاف رکھنا میرے عزیزو!" — ہاشمی نے کہا — "مَیں نے آپ کو راہ جانے روک لیا ہے۔"

ہاشمی نے تینوں سے ہاتھ ملاتے اور آگے نکل گیا۔

عزیز احمد سے اس ملاقات کے تین سال بعد ہاشمی اپنے محاذ کے سات آٹھ آدمیوں کو جن میں تین نئے ممبر تھے، سُنا رہا تھا۔

"مجھے یقین ہو گیا کہ عزیز پاکستان کا ہی نہیں ہندوستان کے مسلمانوں کا بھی غدار بن چکا ہے" — ہاشمی نے کہا — "مَیں اپنے تین مجاہدین سے جنہوں نے آج حلف اُٹھایا ہے، خاص طور پر مخاطب ہوں۔ میں اپنے اُس وقت کے جذبات بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جب عزیز سے میں لال

قلعے میں دو پاکستانی نوجوانوں کے ساتھ ملا تھا اور اُن کی باتیں سُنی تھیں .... لال قلعہ ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت کا قابلِ فخر نشان ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ دِلّی ایک عظیم اسلامی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ اب اس پر ہندوؤں کا جھنڈا لہرا رہا ہے ....

"لال قلعہ ہمیں اُن مجاہدین کی یاد دلاتا ہے جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لئے میرٹھ سے جہادِ آزادی کی ابتدا کی اور وہ دِلّی کو ایک بار پھر اسلامی سلطنت کا دارالحکومت بنانے کے لئے میرٹھ سے دِلّی پہنچے اور لال قلعے میں آتے تھے۔ اُن کا انجام جو کچھ بھی ہُوا لیکن وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے نشانِ منزل چھوڑ گئے تھے ....

"ہمارے بزرگوں نے وہ منزل پالی۔ یہ ہے پاکستان .... اور اب ہندو ہمیں پھر باوقار زندگی سے محروم اور ہمارے قومی تشخص کا خاتمہ کر رہا ہے۔ وہ دراصل ہمیں مجبور نہیں کر رہا کہ ہم اپنے تحفظ کا کوئی انتظام کریں بلکہ ہمیں احساس دلا رہا ہے کہ ہندوستان میں ہم اپنی ایک اور آزاد مسلم مملکت بنائیں۔ اُدھر سکھ اپنی آزاد ریاست کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یہ اُن کا حق ہے۔ مسلمان تو اس ملک میں دوسری اکثریت ہیں۔ مسلمانوں کو اپنی آزادی کا حق لینا چاہیئے اور ہم یہ حق لے کے رہیں گے ....

"میری بات نے پھر تقریر کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ اُس لال قلعے میں جو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا مرکز تھا، آج مسلمان ہی وہاں غداری کا کھیل کھیل رہے ہیں۔"

"دخل در معقولات کی معافی چاہتا ہوں" — ایک نئے ممبر نے کہا — "غداری کا کھیل تو لال قلعے میں اُس وقت بھی کھیلا گیا تھا جب ۱۸۵۷ء میں مجاہدینِ آزادی زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے۔"

"حقیقت یہ ہے کہ مُغلیہ خاندان کے شہنشاہوں نے اپنی سلطنت کے ساتھ خود غداری کی تھی" — ہاشمی نے کہا — "وہ اسلامی روایات سے منحرف ہو کر شہنشاہ بن گئے تھے۔ وہ شراب کے رسیا تھے اور انہوں

Pdfstuff.blogspot.com

نے حسین ترین لڑکیوں سے حرم بھرے ہوتے تھے۔ اُن کے دلوں سے تکریمِ انسانیت نکل گئی تھی .... یہی گناہ پاکستان کے حکمران کرتے چلے آ رہے ہیں .... لُوٹ کھسوٹ اور عیش و عشرت .... کیا قوم کے ساتھ یہ غداری نہیں؟ .... ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر اُس وقت تخت نشین ہُوا تھا جب سلطنت کی عمارت بغاوتوں اور خانہ جنگی سے بنیادوں تک ہل چکی تھی اور گرنے والی تھی۔ اورنگ زیب جو ایک مومن حکمران تھا، اِس عمارت کو نہ سنبھال سکا۔ پاکستان کے شہنشاہ ایک بغاوت اور خانہ جنگی کرا چکے ہیں۔ انہوں نے اس کے انجام سے سبق حاصل نہیں کیا۔ خطرہ یہ نظر آ رہا ہے کہ پاکستان میں کوئی اورنگ زیب عالمگیر اُس وقت آئے گا جب اِس مقدس عمارت کی خدانخواستہ بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہوں گی۔ وہاں بغاوت کے آثار صاف نظر آ رہے ہیں اور ہندوستان کی حکومت جلتی پر تیل ڈال رہی ہے۔"

"ہاشمی صاحب!" — ایک نئے ممبر نے کہا — "یہ بالکل واضح ہو گیا ہے کہ پاکستان ہندوستانی مسلمانوں کی پناہ ہے اور یہ ہمارا قلعہ ہے۔"

"کشمیری مسلمان بھی پاکستان کو اپنی پناہ اور قلعہ سمجھتے ہیں" — دوسرے نئے ممبر نے کہا — "لیکن کشمیری مسلمان تو مایوس ہوتے چلے جا رہے ہیں۔"

"ہم پاکستان سے مایوس نہیں" — ہاشمی نے کہا — "ہمیں اور کشمیری مسلمانوں کو پاکستان کے حکمران مایوس کر رہے ہیں۔ یہ سب سیاسی لیڈر ہیں۔ یہ اقتدار اور دولت کے بھوکے ہیں۔ ہم نے اِن سیاسی بازی گروں اور سیاسی ذہنیت کے پاکستانی جرنیلوں کا نہیں بلکہ پاکستان کا اور ہندوستانی مسلمانوں کے قومی تشخص کا تحفظ کرنا ہے۔ اس کے لئے ہمیں مسلح جہاد کی ضرورت ہے۔"

تین سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ہاشمی عزیز سے لال قلعے میں دو پاکستانی نوجوانوں کے ساتھ ملا تھا۔ اُس نے عبدالقدیر کو وہ ساری باتیں سنائی تھیں جو اُس کی عزیز اور پاکستانی نوجوانوں کے ساتھ ہوئی تھیں۔

"اب تو کوئی شک نہیں رہ گیا" — عبدالقدیر نے کہا تھا — "عزیز پر نظر رکھو۔ دیکھو یہ انہیں کہاں کہاں لے جاتا ہے۔ معلوم نہیں عزیز جیسے کتنے ہندوستانی مسلمان اور ہندو یہ کام کر رہے ہیں۔"

اس کے بعد ہاشمی اور اُس کے تین ساتھی عزیز کو ڈھونڈتے رہے۔ اُس کی کوٹھی کو بھی نظر میں رکھا۔ اُس کے باپ سے بھی ملتے رہے۔ عزیز ہاشمی کے ایک آدمی کو صرف ایک بار دکھائی دیا لیکن دُور سے۔ اُس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ وہ دُور دُور سے ہی غائب ہو گیا۔

ہاشمی اور اُس کے محاذ کے ساتھیوں کو پولیس، سی آئی ڈی اور انٹیلی جنس جیسی اتھارٹی اور سہولتیں تو حاصل نہیں تھیں کہ وہ مطلوبہ افراد کو اُن کے گھروں اور متوقع ٹھکانوں پر چھاپے مار کر برآمد کر لیتے۔ وہ تو زمین دوز محاذ بناتے ہوتے تھے اور آگ سے کھیل رہے تھے۔ ان کے کسی ایک ساتھی کی ذرا سی بے احتیاطی انہیں ایسا گرفتار کرا دیتی کہ سب کے سب بغیر مقدمے کے باقی عمر جیلوں میں گزار جاتے۔

اِن تین سالوں میں اِس محاذ میں چند اور ممبر شامل ہو گئے تھے۔ ہاشمی اور عبدالقدیر نے تین چار ایسے سرکردہ مسلمانوں کے ساتھ رابطہ قائم کر لیا تھا جو سیاسی لیڈر نہیں تھے لیکن اثر و رسوخ والے تھے۔ انہوں نے مختلف جگہوں میں اپنے جاسوس پیدا کر لئے تھے۔ ان میں دو فائیو سٹار ہوٹل بھی تھے جن میں سرکاری مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ یہ جاسوس بہروں کی کی حیثیت سے اِن ہوٹلوں میں کام کرتے تھے۔

اس محاذ نے جس کا ابھی کوئی نام ہی نہیں رکھا گیا تھا، اس عرصے میں کوئی عملی کارروائی نہیں کی تھی سوائے اس کے کہ اپنے ہم خیال آدمیوں کی کچھ تعداد اکٹھی کر لی تھی اور محتاط انداز سے مسلمانوں میں

Pdfstuff.blogspot.com

وہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے جسے انہوں نے اپنے محاذ کی بنیاد بنایا تھا۔

انہیں اطلاعیں ملتی رہیں کہ پاکستان سے آنے والے مسلمانوں کے ساتھ بھارت کی پولیس کیا سلوک کرتی ہے اور کس طرح سی آئی ڈی اور انٹیلی جنس کے مخبر ان کی نقل و حرکت کو دیکھتے رہتے ہیں اور انہی پاکستانیوں میں ایک دو ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں یہی انٹیلی جنس اپنا مہمانِ خصوصی سمجھتی ہے۔ یہ تو بھارت کے لوگ دیکھ ہی رہے تھے کہ پاکستان سے کوئی ادیب، شاعر، صحافی یا گانے بجانے والا آجاتا ہے تو اُسے بھارت سرکار سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے۔ ٹی وی اور ریڈیو سے اُس کے انٹرویو نشر ہوتے ہیں اور اُسے اس طرح آسمان پر چڑھا دیا جاتا ہے کہ اُس کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ اس دماغی خرابی میں اُسے پاکستان چھوٹا سا، فضول اور بے معنی سا ملک معلوم ہونے لگتا ہے۔

پاکستان کے قلمکاروں اور فنکاروں کی برین واشنگ جاری رہی اور جاری ہے۔

اس عرصے میں ہاشمی کو عزیز کہیں نظر نہ آیا۔

عزیز دِلّی میں کہاں نظر آتا، وہ اُس وقت لاہور میں تھا۔ اُس نے جو شکار پھانس لیا تھا وہ بڑا قیمتی اور موٹا شکار تھا۔

اصل شکار تو پاکستان ہو رہا تھا۔ عزیز جیسے بھیڑیئے اور مریم اور نبیلہ جیسی لومڑیاں ایک بہت بڑے درندے کے لئے شکار کھیل رہی تھیں۔

پاکستان ایک جنگل بن چکا تھا جس میں رابی جیسے خرگوشوں اور رِشی جیسی بھیڑوں کی کمی نہیں تھی۔

عزیز نے رابی سے کہا تھا کہ مریم اور نبیلہ طوائفیں نہیں بلکہ تربیت یافتہ لڑکیاں ہیں۔ دونوں لڑکیوں نے رابی پر عزیز کی یہ بات سچ ثابت کر دی تھی۔ دونوں رابی کو اپنے اتنا قریب رکھتی تھیں جہاں سے جسموں اور

سالنوں کی بُو سونگھی جا سکتی ہے لیکن رابی کے لئے وہ سراب بنی رہتی تھیں۔ دونوں الگ الگ اُس کے ساتھ دیوانہ وار محبت کا اظہار کرتی تھیں جیسے وہ ایک دوسری کی رقیب ہو گئی ہوں۔

پھر انہوں نے ایک دوسری کے خلاف باتیں شروع کر دیں جیسے رابی کی محبت میں وہ ایک دوسری کی دشمن ہو گئی ہوں۔

رابی اور رشی کی کلاس کی لڑکیاں اور لڑکے پاپ اور ڈسکو رقص کی محفلیں بپا کرتے رہے۔ شراب کی جگہ اب ماری جوانا اور ہیروئن لے رہی تھیں۔

پاکستان کی یہ نسل بیک وقت کئی نشوں کا شکار ہو گئی تھی —— جاگیرداری، رشوت خور اور غبی افسر شاہی، سمگلنگ اور دیگر ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کا نشہ، شراب، امریکی گانجے اور ہیروئن کا نشہ، انگریزی زبان کا نشہ، کاروں اور کئی کئی کنالوں پر پھیلی ہوئی کوٹھیوں کا نشہ، اخلاقی قدروں، مذہبی پابندیوں اور قومی وقار کے انحراف اور فرار کا نشہ، باپوں کے اثر و رسوخ کا نشہ اور نوجوانی کا نشہ۔ نوجوانی کا تو صرف نشہ ہی رہ گیا تھا ورنہ اِس نسل کی نوجوانی اُس محاورے جیسی تھی —— کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ —— ان کی نوجوانی یا جوانی میں بلیو فلمیں کچھ حرارت پیدا کرتی تھیں جو یہ لڑکے وی سی آر پر دیکھتے تھے۔ وہ یہ فلمیں لڑکیوں کو بھی دکھایا کرتے تھے۔

یہ نشے اِسی کلاس تک محدود نہیں رہے تھے۔ یہ تو وبا کی طرح بلکہ تیز و تُند ہوا کی طرح متوسط طبقے تک پہنچے پھر یہ وبا اس سے بھی نیچے والے طبقوں میں چلی گئی اور اس کے نتیجے میں ملک میں چوروں، رہزنوں، جیب کتروں، عورتوں سے پرس چھیننے والوں اور دیگر جرائم کے مجرموں میں اضافہ ہو گیا۔

ایمان فروشی میں اضافہ ہو گیا۔

انسانی جذبات مر گئے۔

ProfSufi.blogspot.com

قومی جذبے نیلام ہو گئے۔

جس ملک کے حکمران اپنے اقتدار کے استحکام اور مخالفین کو ختم کرنے کے لئے لیڈروں اور سرداروں کو خرید رہے ہوں اور جہاں حق کو باطل اور باطل کو حق کہہ کر سر کردہ لوگ اور لیڈر بک جانے میں فخر محسوس کر رہے ہوں وہاں کچھ لوگوں کا اپنے ملک اور اپنے مذہب کے دشمن کے ہاتھ بک جانا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔

رِشی رابی کے ساتھ اُن کوٹھیوں اور ہوٹلوں وغیرہ میں جاتی رہی جہاں ڈسکو ہنگامے بپا ہوتے تھے۔ وہ رابی کی بیوی تھی اور بڑے فخر سے کہا کرتی تھی کہ وہ رابی کی بیوی ہے لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ رابی کس جال میں آگیا ہے اور وہ اُسے محض رسمی بیوی سمجھتا ہے۔ رِشی کے دل میں رابی کی محبت موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب رابی اُسے کہتا تھا کہ آج وہ ایک جگہ اکیلا جا رہا ہے تو رِشی اُس کے ساتھ جانے کی ضد نہیں کرتی تھی۔

رابی دوسرے تیسرے روز اُس کے ساتھ کوئی جھوٹ بول کر اکیلا چلا جایا کرتا تھا۔ اس طرح اُس کی ملاقاتیں عزیز، مریم اور نبیلہ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ عزیز نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اکثر وہ اکیلا ہی رابی سے ملتا تھا۔ رابی جب مریم اور نبیلہ کے لئے بے تاب ہو جاتا تو عزیز اِن دونوں میں سے ایک کے ساتھ اُس کی ملاقات کرا دیتا تھا لیکن یہ ملاقات اس طرح ہوتی تھی جیسے عزیز نے کوہ قاف کی ایک پری کو کسی خاص علم اور عمل کے ذریعے اپنی جان کی بازی لگا کر حاضر کیا ہو۔

یہ پری رابی کے ہاتھوں میں آتی اور یوں غائب ہو جاتی کہ رابی خلا میں دیکھتا تشنہ رہ جاتا۔

عزیز اُس پر جو طلسم طاری کئے رکھتا تھا اس کے اثرات نے رابی کی عقل اور ہوش و حواس کو اُس کے اپنے قبضے اور اختیار میں رہنے ہی نہیں دیا تھا۔

اِس طلسم ہوشربا سے عزیز کو رابی سے پاکستان کا ایک اور راز مل گیا۔ یہ راز اتنا زیادہ قیمتی تو نہیں تھا لیکن عزیز کو رابی نام کا جو پاکستانی مل گیا تھا وہ بہت قیمتی تھا کیونکہ وہ کچھ قیمتی معلومات لے آیا تھا۔ رابی کے باپ کے پاس تو ایسے راز تھے جو نئی دِلّی جا کر اسلام آباد کو اور زیادہ کمزور اور پاکستان کی سلامتی کو اور زیادہ خطرے میں ڈال سکتے تھے۔

رابی کا باپ اپنی ذمہ داریوں کو خلوص اور دیانتداری سے پورا کرنے والا اعلیٰ افسر تھا۔ وہ دفتر میں جو کام پورا نہیں کر سکتا تھا وہ گھر لے آتا تھا۔ یہ ایک دو فائلیں ہوتی تھیں جو "ٹاپ سیکریٹ" اور "کانفیڈینشل" کے زمرے میں آتی تھیں۔ عزیز نے رابی کو اپنے جال میں اِسی وجہ سے پھانسا تھا۔ بھارت کی انٹیلی جنس کی نظریں رابی کے باپ پر لگی ہوتی تھیں۔

عزیز کی ہدایات اور راہنمائی کے مطابق ایک رات رابی نے وہ دو فائلیں دیکھیں جو اُس کا باپ گھر لایا تھا۔ اُس کا باپ کام سے فارغ ہو کر اپنے بیڈ روم میں چلا گیا اور سو گیا تھا۔ رابی چوروں کی طرح باپ کی سٹڈی میں داخل ہُوا۔ اُسے معلوم تھا کہ باپ فائلیں کہاں رکھتا ہے۔ اُس نے دونوں فائلیں نکالیں، سٹڈی روم بند کیا، فائلیں گاڑی میں رکھیں اور رِشی سے کوئی جھوٹ بول کر نکل گیا۔ چونکہ اُس نے یہ پروگرام پہلے ہی بنا رکھا تھا اس لئے اُس نے گاڑی کار پورچ یا گیراج میں رکھنے کی بجائے کوٹھی سے باہر کھڑی رہنے دی تھی تاکہ رات کو اُس کی ماں یا باپ کو پتہ نہ چلے کہ گاڑی باہر گئی تھی۔

عزیز نے جب یہ فائلیں دیکھیں تو اُس کا چہرہ چمک اُٹھا۔ رابی نے اُسے کہا کہ وہ بڑی تیزی سے فائلیں دیکھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کا باپ جاگ اُٹھے اور اُسے پتہ چل جائے۔

"فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا" ——— عزیز نے کہا ——— "تم میرے لئے .... نہیں .... تم اپنے لئے ایک خزانہ لائے ہو"۔

عزیز کو یہ بھی معلوم تھا کہ ایک ہسپتال کے سامنے دوائیوں والی

PdfStuff.blogspot.com

جو دکانیں چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہیں ان میں ایک کیمسٹ نے فوٹوسٹیٹ کی مشین بھی رکھی ہوتی ہے۔ عزیز نے ایک فائل سے تین چٹھیاں اور دوسری فائل سے پانچ چھ صفحوں کی ایک رپورٹ نکالی اور رابی کو ساتھ لے کر اُس کی گاڑی میں کیمسٹ کی دُکان تک گیا اور پاکستان کے ان "ٹاپ سیکریٹ" کاغذات کی فوٹوسٹیٹ کاپی کرالی۔

"چلو" — عزیز نے رابی سے کہا — "مجھے ڈراپ کر کے گھر چلے جاؤ اور کل لنچ میرے ساتھ کرنا .... یہ بتا دو کہ لنچ پر مریم کو بلاؤں یا نبیلہ کو؟"

"نبیلہ کو" — رابی نے جواب دیا۔

"تمہارا اپنا بنک اکاؤنٹ ہے؟"

"ہے تو نہیں" — رابی نے جواب دیا — "کھلوا لوں گا۔"

"پھر میں تمہیں کیش دے دوں گا" — عزیز نے کہا — "اس سے اپنا اکاؤنٹ کھلوا لینا۔"

رابی عزیز کو ہوٹل میں اُتار کر اپنے گھر چلا گیا۔ فائلیں وہیں رکھ دیں جہاں سے اُٹھاتی تھیں۔ عزیز نے ان میں سے نکالی ہوئی چٹھیاں اور رپورٹ واپس رکھ دی تھیں۔

❦

صبح رابی کا باپ دفتر جانے کے لئے باہر نکلا تو اس نے دونوں فائلیں ایک بڑے خاکی لفافے میں ڈال کر لفافہ بغل میں دبا رکھا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھا اور ڈرائیور نے گاڑی چلا دی۔

رابی رشی سے جھوٹ بول کر بارہ بجے کے لگ بھگ گھر سے نکل گیا اور عزیز کے کمرے میں جا پہنچا۔ نبیلہ بھی وہاں موجود تھی۔ عزیز کی موجودگی میں ہی نبیلہ رابی سے اس طرح بے تابی بلکہ بے شرمی سے ملی جیسے اُسے رابی سے بچھڑے بڑی لمبی مدت گزر گئی ہو۔

لنچ کے بعد عزیز نے جب رابی کو کیش دیا تو رابی کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اُسے اتنے زیادہ کیش کی توقع نہیں تھی۔ عزیز نے اُسے دوسرا

انعام یہ دیا کہ کسی کام کے بہانے اُسے نبیلہ کے پاس چھوڑ گیا۔

رابی نے پاکستان کی قیمت کی پہلی قسط وصول کر لی۔

اُس روز بھی پاکستان کے بہت سے گھروں میں وی سی آر پر بھارتی فلمیں دیکھی جا رہی تھیں۔ بعض گھروں کے بند کمروں میں بلیو فلمیں چل رہی تھیں۔ فلمی گانوں سے پاکستان کی فضا بوجھل اور مکدر ہوتی جا رہی تھی۔

اُس روز بھی پاکستان کے سیاسی لیڈر ایک دوسرے کے خلاف بیان دے رہے تھے۔ بازو لہرا لہرا کر تقریریں ہو رہی تھیں۔

اُس روز بھی سندھ اور کراچی میں خون بہہ رہا تھا اور ہمارے لیڈر اس کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے۔ ایک دوسرے کو آپس کی خونریزی کا مجرم کہہ رہے تھے — اور ہمارا دشمن اپنا کھیل کھیل رہا تھا۔

دشمن کا ایک بے حد خطرناک جاسوس جس کا نام عزیز تھا، رابی کو نبیلہ کے پاس اکیلا چھوڑ کر گیا تو شام چار بجے واپس آیا۔

"اب انڈیا کی سیر کی تیاری کرو رابی!" — عزیز نے کہا — "لیکن تم چاہو تو پورے سال کا ویزہ لے دوں گا .... وہاں کے تمام اخراجات ہمارے ذمے ہوں گے۔"

"نہ بھائی میرے!" — رابی نے کہا — "میں ایک سال کے لئے تو گھر سے نہیں جا سکتا۔ دو تین ہفتے کافی ہوں گے .... لیکن رشی بھی ساتھ جانے کی ضد کرے گی۔"

"اُسے ساتھ لے جائیں گے" — عزیز نے کہا — "لیکن اسے ابھی ان کاموں سے بے خبر رکھنا ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ اس وقت دیکھو رشی کہاں ہے۔ انڈیا چل کر بھی ہم تمہیں اس سے کچھ وقت کے لئے الگ کر لیا کریں گے۔"

"اگر اسے کسی وقت بتا بھی دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہوگا" — رابی نے کہا — "وہ بے وفائی نہیں کرے گی۔"

PdfStuff.blogspot.com

"تم نہیں سمجھتے رابی!" — عزیز نے کہا — "تم نے رِشی کی جو فیملی بیک گراؤنڈ بتاتی ہے اس میں وفا نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی.... تم ابھی نہیں سمجھ سکو گے۔ میری نظر جو دیکھ سکتی ہے وہ ابھی تم نہیں دیکھ سکتے۔ غور کرو کہ وہ کیسی ماں اور کیسے باپ کی بیٹی ہے۔ اُس کی شخصیت ہے ہی نہیں۔ وہ ریتلی شخصیت کی مالک ہے۔"

"تم اپنی بیک گراؤنڈ دیکھو سلیمہ!" — اُس وقت جب رابی عزیز اور نبیلہ کے پاس بیٹھا اپنے ایمان اور پاکستان کی قیمت وصول کر رہا تھا، رِشی کی ماں رابی کی ماں کے پاس آتی بیٹھی تھی۔ رابی کی ماں اُسے کہہ رہی تھی — "یہ تو ہم نے اپنے بیٹے کی ضد پوری کی تھی کہ تمہاری بیٹی کو مَیں نے اپنی بہو بنا لیا۔ ایک ہی ایک میرا بیٹا ہے۔ اس کی ضد کو مَیں ٹال نہ سکی۔ مَیں تمہیں صاف الفاظ میں بتا دیتی ہوں کہ کبھی کبھار آجایا کرو لیکن تمہارا بار بار یہاں آنا مجھے پسند نہیں۔ خود سوچو کہ تم کس شہرت کی عورت ہو۔"

"تم تو لگتا ہے ابھی ابھی کسی گاؤں سے آتی ہو" — سلیمہ نے کہا — "اَن پڑھ اور جاہل عورتوں جیسی باتیں کرتی ہو۔ مَیں تم سے کچھ لینے یا مانگنے تو نہیں آتی۔ مَیں نے بیٹی کو جو جہیز دیا ہے وہ ساری سوسائٹی نے دیکھا ہے۔ اتنا زیور اور اتنا جہیز کون دیتا ہے؟"

"سوسائٹی یہ بھی جانتی ہے کہ تم نے اتنا جہیز دینے کے لئے دولت کس طرح اکٹھی کی تھی" — رابی کی ماں نے کہا — "تم ہم سے زیادہ دولت اور جائیداد والی ہو۔ اس معاملے میں ہم تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مَیں عزت اور آبرو کی بات کر رہی ہوں۔ اس معاملے میں تم کنگال ہو۔"

"آنٹی!" — رِشی بول پڑی۔ رابی کی ماں سے کہنے لگی — "آپ میری ممی کی انسلٹ کر رہی ہیں۔ مَیں یہ ٹالریٹ نہیں کر سکتی۔"

"اور مَیں تجھے اپنے گھر میں بڑی مشکل سے ٹالریٹ کر رہی ہوں" — رابی کی ماں نے کہا — "اگر تُو نے میرے آگے زبان درازی کی تو میں تجھے کسی بھی وقت طلاق دلوا سکتی ہوں۔ مجھے تو لوگوں کو یہ بتاتے ہوئے

شرم آجاتی ہے کہ تُو کس ماں کی بیٹی ہے۔"

سلیمہ نے رابی کی ماں سے کہا تھا کہ تم تو کسی گاؤں سے آئی ہوئی لگتی ہو لیکن سلیمہ اور رِشی نے جب رابی کی ماں پر جوابی حملہ کیا تو تینوں عورتوں نے کسی پسماندہ گاؤں کی گنوار اور اجڈ عورتوں کی لڑائی کا منظر بنا دیا۔ اِس کلاس کے آدمیوں کو غصہ آتا ہے تو انگریزی میں غصہ نکالتے ہیں لیکن اِن تین عورتوں نے انگریزی چھوڑ اُردو کو بھی الگ پھینکا اور پنجابی میں ایک دوسری پر طعنوں، کوسنوں اور گالیوں کے وہ تیر چلاتے کہ بھنگن اور نوکروں کو بھی مزہ آگیا۔

رِشی کی ماں زبان کے تیر چلاتی ہوئی رخصت ہو گئی اور رِشی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

رابی واپس آیا تو گھر میں خاموشی تھی۔ وہ ماں کے پاس گیا تو ماں بھی خاموش تھی۔ رابی کو دیکھ کر ماں کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ رابی اپنے کمرے میں گیا تو رِشی کے چہرے کے آثار بدلے ہوئے دیکھے۔ رابی پر عزیز کے دیئے ہوئے کیش اور نبیلہ کا نشہ طاری تھا۔ اُس نے رِشی سے پوچھنا گوارا ہی نہ کیا کہ اُس کا چہرہ بدلا بدلا سا کیوں نظر آتا ہے۔

"رابی!" — کچھ دیر بعد رِشی نے خود ہی کہا — "اپنی ماں سے کہہ دو کہ مَیں اپنی ماں کی بے عزتی برداشت نہیں کروں گی۔"

رابی نے سب سے پہلے تو یہ نوٹ کیا کہ رِشی نے انگریزی کا ایک بھی لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔ اُس نے یہ سارے الفاظ پنجابی لب و لہجے میں اُردو میں کہے تھے۔

"میری ماں نے تمہاری ماں کی کب بے عزتی کی ہے؟"

رِشی نے اُسے پوری تفصیل سنا دی۔ اُس کے سنانے کا انداز مظلومانہ اور معصومانہ تھا۔ اُس کی ماں نے رابی کی ماں کو جو بیہودہ باتیں کہی تھیں وہ گول کر گئی اور تمام تر الزام رابی کی ماں پر تھوپا۔ رابی خاموشی سے سُن رہا تھا اس لئے رِشی کی زبان زیادہ ہی کھل گئی اور رابی کی ماں کے خلاف ایک دو ایسی باتیں کہہ بیٹھی جو رابی کو بہت بُری لگیں۔ وہ ابھی نبیلہ کے نشے کو

Pdfstuff.blogspot.com

بے مزہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"رِشی!" — رابی نے خالص انگریزی میں کہا — "مَیں اپنی ماں کے خلاف اتنی بیہودگی برداشت نہیں کروں گا۔ کیا تم اپنی ماں کے ماضی کو نہیں جانتیں؟ کیا تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ تمہارا باپ تمہاری ماں کی جوانی میں اُسے کس طرح استعمال کرتا رہا ہے؟ .... مَیں نے یہ ساری بیک گراؤنڈ جانتے ہوئے تمہارے ساتھ شادی کی ہے .... نہ کرنا چاہتا تو تم میرا کیا بگاڑ سکتی تھیں؟ تم تو شادی سے پہلے ہی میری بیوی بن چکی تھیں۔ میں یہ بھی سوچ سکتا تھا کہ تمہارے تعلقات معلوم نہیں اور کس کس کے ساتھ رہے ہوں گے لیکن تمہارا جسم مجھے اتنا اچھا لگا کہ میں نے اپنی ماں اور باپ کو مجبور کر دیا کہ میں رِشی کے سوا کسی اور لڑکی کو قبول نہیں کروں گا .... اور یہ بھی سوچ لو رِشی! ...."

"ٹھہرو رابی!" — رِشی نے خالص اُردو میں کہا — "تم نے مجھ پر دو انکشاف کئے ہیں۔ ایک یہ کہ تمہیں میرے ساتھ دِلی یا روحانی محبت نہیں۔ تمہیں میرا جسم اچھا لگا تھا .... اور دوسرا انکشاف میری ماں کے متعلق ہے کہ اُسے میرا باپ کسی غلط طریقے سے استعمال کرتا رہا ہے۔"

"لیکن یہ انکشاف کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ تمہارا باپ کون ہے" — رابی نے کہا۔

رابی کو توقع یہ تھی کہ رِشی اُس پر برس پڑے گی لیکن رِشی کا ردِعمل یہ تھا کہ اُس کی آنکھیں بھر گئیں اور وہ یوں چپ ہو گئی جیسے اُس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔

"رِشی!" — رابی نے اُس کا یہ ردِعمل دیکھ کر نرم لہجے میں کہا — "مجھے افسوس ہے کہ مَیں نے تمہارے دل کو تکلیف پہنچائی ہے لیکن میں ایک حقیقت کو چھپا نہیں سکتا۔"

"مَیں اس حقیقت کو جاننا چاہتی ہوں رابی!" — رِشی نے مغموم سے لہجے میں کہا۔

رابی نے اُسے بتا دیا کہ اُس کا باپ کس عہدے کا افسر تھا اور وہ غبن، جعل سازی اور رشوت خوری کا عادی مجرم تھا۔ رشوت خوری میں تو وہ کبھی بھی نہیں پکڑا گیا تھا کیونکہ پاکستان میں یہ کوئی جُرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وہ غبن اور سرکاری رقمیں جعل سازی سے خورد بُرد کرنے کے جُرم میں کئی بار پکڑا گیا لیکن رِشی کی ماں جو جوانی میں بڑی پُرکشش اور عیار تھی، اپنے آپ کو رشوت کے طور پر پیش کر کے رِشی کے باپ کو چھڑا لاتی تھی۔ رابی نے رِشی کو یہ بھی بتایا کہ اُس کا باپ آخر ایسا پکڑا گیا کہ اُسے سزا سے قید ہو گئی۔

"ساری سوسائٹی تمہاری ماں کے ماضی سے آگاہ ہے" — رابی نے کہا۔

رِشی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے کچھ بھی نہ کہا جیسے اُس نے اپنی ماں کے ماضی کی ہر بات تسلیم کر لی ہو۔

"اپنی ممی سے کہو کہ میری ممی اور ڈیڈی جیسے بھی تھے ان کی وجہ سے مجھ سے نفرت نہ کریں" — رِشی نے التجا کے لہجے میں کہا — "اُن سے کہو کہ مَیں اپنی ماں جیسی تو نہیں۔"

"کہہ دوں گا" — رابی نے کہا

"اور مَیں اپنی ممی سے کہہ دوں گی کہ یہاں نہ آیا کرے" — رِشی نے کہا۔

اِس سوسائٹی میں رِشی کی ماں جیسی عورتوں کی کمی نہیں تھی لیکن رِشی جو اِس سوسائٹی کی لڑکی تھی، بہت ہی اُداس ہو گئی۔

"رابی!" — رِشی نے جذباتی سے لہجے میں کہا — "خواہ میرے جسم سے محبت کرو لیکن محبت کرتے رہنا۔"

رابی نے رِشی کو یوں شکست خوردہ دیکھا تو اُسے رِشی پر رحم آ گیا۔

"انڈیا چلو گی رِشی؟"

Pdfstuff.blogspot.com

"کیوں نہیں؟" — رِشی نے خوش ہو کر کہا — "پاسپورٹ اور ویزا کا بندوبست ہو جاتے گا؟"

"یہ کونسا مشکل کام ہے!" — رابی نے کہا — "عزیز کے ساتھ جائیں گے۔"

"پیسے بھی تو بہت چاہئیں" — رِشی نے کہا۔

"پیسوں کی کوئی کمی نہیں" — رابی نے کہا — "تم تیاری کرو۔"

چار پانچ دنوں میں ہی رابی اور رِشی کے پاسپورٹ بھی بن گئے۔ ویزے بھی مل گئے اور وہ دِلی جانے کی تیاری کرنے لگے۔

انہی دنوں ان کے نوکر نذر کا باپ اپنے بیٹے اور بہو سے ملنے آگیا۔ نذر نے اُسے رابی کے باپ اور اُس کی ماں سے ملوایا۔ وہ یہاں پہلی بار آیا تھا۔

"صاحب جی!" — نذر نے رابی کے باپ سے اپنے آپ کو ملواتے ہوتے کہا — "میرے ابا کی ایک ٹانگ نہیں ہے۔ سن پینسٹھ کی لڑائی میں کٹ گئی تھی۔ یہ فوج میں تھے۔"

"شاباش!" — رابی کے باپ نے کہا — "پاکستان تم جیسے مجاہدوں کی قربانیوں کی بدولت قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس کا اجر اور انعام تمہیں اللہ دے گا۔"

رابی کے باپ نے جیب سے ایک سو روپے کا نوٹ نکالا اور نذر کے باپ کو دینا چاہا۔

"نہیں صاحب!" — نذر کے باپ نے کہا — "آپ نے خود کہا ہے کہ اجر اور انعام اللہ دے گا .... آپ کی بہت مہربانی صاحب! مَیں اللہ کے بندوں سے تو انعام نہیں لوں گا۔"

"لے لو" — رابی کے باپ نے کہا — "مَیں انعام نہیں دے رہا۔ میرا دل چاہتا ہے تمہیں کچھ دوں۔ تم نے ہمارے لئے اپنی ٹانگ کٹوائی ہے۔"

"مجھے اللہ نے انعام دے دیا ہے صاحب!" — نذر کے باپ نے

کہا — "یہ ہے روحانی سکون اور فخر۔ مَیں اللہ کے حضور جاؤں گا تو شرمسار نہیں ہوں گا۔ یہ نوٹ وہاں کام نہیں آئیں گے! .... آپ صرف یہ مہربانی کریں کہ میرے بیٹے اور بہو کا خیال رکھنا۔ چھوٹی اور معمولی سی غلطی کریں تو معاف کر دینا۔ اگر چوری کریں، جھوٹ بولیں تو انہیں بالکل نہ بخشنا۔"

"یہ ہمارے اپنے بچے ہیں" — رابی کے باپ نے کہا۔

نذر اور اُس کا باپ سلام کر کے وہاں سے آگئے۔ رات کو نذر نے اپنے باپ کو بتایا کہ رابی اور رِشی سیر سپاٹے کے لئے انڈیا جا رہے ہیں۔

"ہاں ابا!" — نذر نے کہا — "امیر لوگ ہیں۔ چاہیں تو ساری دنیا کی سیر کر سکتے ہیں۔"

"ساری دُنیا کی سیر کو نکل جائیں انڈیا نہ جائیں" — نذر کے باپ نے کہا — "مَیں تمہارے صاحب سے کہوں گا کہ اپنے بچوں کو انڈیا نہ جانے دیں۔ وہ ہمارا دشمن ملک ہے۔"

"کہاں کی باتیں کرتے ہو ابا!" — نذر نے کہا — "وہ حیثیت جو تم لئے پھرتے ہو وہ ہم جیسے لوگوں میں ہو گی، ان امیرزادوں اور نواب زادوں میں نہیں۔ ان سے ایسی بات نہ کہہ بیٹھنا۔"

"مشکل یہ آپڑی ہے کہ حکومت ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے" — نذر کے باپ نے کہا — "سیاسی پارٹیاں انہی لوگوں کی ہیں۔ باری باری یہ لوگ پاکستان کے مہاراجے بن جاتے ہیں۔ آپس میں لڑتے ہیں اور اُدھر ہندوستان پاکستان کو تباہ کر رہا ہے۔ ملک کو فوج بچایا کرتی ہے لیکن جرنیلوں کو بھی سیاست کا چسکا پڑ گیا ہے۔"

"ان پاکستانی مہاراجوں کی اولاد کو تم نے نہیں دیکھا ابا!" — نذر نے کہا — "یہ تو اپنے آپ کو پاکستانی کہلاتے ہی نہیں۔ اگر تم چھوٹے صاحب اور اُس کی بیوی کے ساتھ ایسی باتیں کرو گے جیسی میرے ساتھ کر رہے ہو تو وہ تم پر ہنسیں گے۔"

"انہیں ماں باپ یہ بھی نہیں بتاتے کہ اِس پاکستان کی ہم نے کیا قیمت دی تھی" — نذر کے باپ نے کہا — "تمہارے چھوٹے صاحب

pdfstuff.blogspot.com

کی بیوی جیسی اور اپنی اِس بہو بشیراں جیسی ہزاروں مسلمان لڑکیوں کو ہندوؤں اور سکھوں نے اغوا کر لیا تھا۔ باقی جو قتلِ عام ہُوا اور جو لُوٹ مار ہوئی وہ ہم سے پوچھو جو اُدھر سے ہجرت کر کے آتے تھے.... یہ تو اُس وقت کی بات ہے جب پاکستان کا اعلان ہو گیا تھا۔ اِس سے پہلے مسلمانوں نے پاکستان کے لیے جو قربانیاں دی تھیں ....“

نذر کا باپ تقریباً اَن پڑھ آدمی تھا۔ وہ نظریۂ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کو اپنے رنگ اور اپنے الفاظ میں بیان کر رہا تھا۔ اُس کے بیان میں جذباتیت غائب تھی لیکن اُس کا جذبہ وہی تھا جو تحریکِ پاکستان کے لیڈروں کا تھا۔

”دِلّی تو میں بھی جانا چاہتا ہوں“ —— اُس نے کہا —— ”لیکن سیر سپاٹے کے لیے نہیں بلکہ لال قلعے پر پاکستان کا جھنڈا چڑھانے کے لیے۔ کسی پاکستانی کو انڈیا نہیں جانا چاہیے۔“

پاکستان کی آن پر اپنی ٹانگیں کٹوانے والوں کا، اپنے بازوؤں اور آنکھوں سے محروم ہو جانے والوں کا، اپنے سہاگ قربان کرنے والیوں کا اور شہیدوں کی اولاد کا جذبہ اور ان کے جذبات پاکستان کے اُس طبقے کے لیے بے معنی ہو کے رہ گئے تھے جو پاکستان کو اپنی جاگیر سمجھتا تھا۔ قیادت اور حکومت اسی طبقے کا پیدائشی حق بن گئی تھی۔ نذر کے باپ اور اُس جیسے سرفروشوں کی کون سنتا تھا۔

رابی اور رِشی بھارت چلے گئے۔ عزیز ان کے ساتھ گیا تھا۔ عزیز نے پہلے اطلاع دے رکھی تھی کہ وہ شکار لا رہا ہے۔ دِلّی میں ان کے استقبال کے لیے تین آدمی ایئرپورٹ پر آتے ہوتے تھے۔ باہر ان کے لیے مرسڈیز گاڑی کھڑی تھی جس میں انہیں نئی دِلّی کے شہنشاہی ہوٹل ”اشوکا“ میں لے جایا گیا۔ رابی اور رِشی اپنے آپ کو وی آئی پی نہیں بلکہ پاکستان کے حکمران سمجھنے لگے۔

دوسرے ہی دن اس ہوٹل کا ایک بیرا ہاشمی کے گھر آیا۔

”عزیز آگیا ہے“ —— بیرے نے ہاشمی کو بتایا —— ”اُس کے ساتھ پاکستان کا ایک جواں سال آدمی اور ایک نوجوان لڑکی ہے۔ شاید میاں بیوی ہیں۔“

ہاشمی اس بیرے کو عبدالقدیر کے پاس لے گیا۔ عبدالقدیر نے اپنے انداز سے بیرے سے پوچھا۔ بیرے نے بتایا کہ ان دونوں کو مرسڈیز کار میں لایا گیا تھا۔ ان کے ساتھ عزیز تھا۔ ساتھ ایک کرولا کار تھی۔ اس میں تین آدمی تھے۔ وہ عزیز اور ان پاکستانیوں کے ساتھ ہوٹل میں آتے تھے۔ انہوں نے مہمانوں کے نام لکھواتے تھے اور یہ سب اِن دونوں کو اُن کے کمرے میں لے گئے تھے۔

”پکی خبر لاؤ کہ یہ دونوں پاکستانی ہیں“ —— عبدالقدیر نے بیرے سے کہا —— ”اس کے علاوہ اور بھی کوئی اطلاع ہو تو لاؤ۔“

یہ بیرا ہاشمی اور عبدالقدیر کے محاذ کا ملازم نہیں بلکہ محاذ کا مجاہد تھا۔ ”اشوکا“ جیسے بڑے ہوٹلوں کے بیرے تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ ہوتے تھے۔ اس بیرے نے اُس کمرے تک رسائی حاصل کر لی جس میں رابی اور رِشی کو ٹھہرایا گیا تھا۔

رابی اور رِشی کے سر پر سینگ نہیں تھے کہ وہ بھارتیوں سے الگ تھلگ دکھائی دیتے۔ اِس بیرے نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ دونوں پاکستانی ہیں۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ جو پاکستانی سیر و سیاحت کے لیے اور اپنے رشتہ داروں سے ملنے بھارت آتے ہیں انہیں مشتبہ سمجھا جاتا ہے لیکن ان دو پاکستانیوں کو وزیروں اور اعلیٰ افسروں جیسی اہمیت دی جا رہی تھی۔ عمر کے لحاظ سے رابی وزیر بھی نہیں ہو سکتا تھا اور اعلیٰ افسر بھی نہیں۔ اس کے علاوہ ان کے ساتھ پاکستانی سفارتخانے کا کوئی آدمی نہیں تھا۔

عبدالقدیر کی ہدایات کے مطابق بیرا ان کے کمرے میں چلا گیا اور ان کے ساتھ پاکستان کے متعلق کچھ جذباتی باتیں کیں۔ اُس نے یہ بھی

pdfstuff.blogspot.com

کہا کہ اُس کی خواہش ہے کہ وہ پاکستان میں جا کر رہے۔

اس کے جواب میں رابی نے پاکستان کے خلاف اور بھارت کے حق میں باتیں کیں جن سے کچھ پتہ چلتا تھا کہ ان دونوں کے دلوں میں پاکستان کے خلاف نفرت بھری ہوتی ہے اور بھارت سے اتنی محبت ہے جیسے یہ دونوں اِس مشن پر آتے ہوں کہ بھارت پاکستان پر حملہ کر دے۔

بیرے نے یہ باتیں عبدالقدیر اور ہاشمی کو سنائیں۔

"مَیں نے ایک بات نوٹ کی ہے" — بیرے نے کہا — "یہ پاکستانی مہمان جب پاکستان کے خلاف زہر اُگل رہا تھا تو اُس کی بیوی نے اُسے دو تین بار ٹوکا اور ایک بار کہا، رابی! پاکستان ہمارا وطن ہے۔ عزیز تمہارا دوست ہو سکتا ہے، انڈیا پاکستان کا دوست نہیں ہو سکتا.... اس کے جواب میں رابی نے کہا، اوشٹ اَپ رِشی! انڈیا پاکستان کو دوستی کے قابل سمجھتا ہی نہیں .... ہو سکتا ہے وہ اپنے خیالات مجھ سے چھپانا چاہتی ہو۔"

"عزیز احمد پاکستان سے نیا شکار لایا ہے" — عبدالقدیر نے کہا — "بھارت کی انٹیلی جنس کو ایک اور پاکستانی جاسوس مل گیا ہے۔"

"دو جاسوس کہتے!" — ہاشمی نے کہا — "لڑکی بھی ہے۔"

"لڑکی بڑی خوبصورت ہے" — بیرے نے کہا — "سمارٹ لڑکی ہے۔ انگریزی بولتی ہے۔ یہ تو بڑی خطرناک جاسوس بنے گی۔"

"ان کی نگرانی کا بندوبست کرتے ہیں" — عبدالقدیر نے کہا۔

عبدالقدیر کو بھارتی انٹیلی جنس کے جو "را" کے نام سے مشہور تھی، دو تین ٹھکانے معلوم تھے۔ وہ باہر سے کچھ اور لگتے تھے۔ عبدالقدیر نے دو آدمی مقرر کر دیئے۔ یہ کام وہ خود بہتر طور پر کر سکتا تھا لیکن انٹیلی جنس میں ابھی کچھ آدمی موجود تھے جو اُسے پہچانتے تھے۔

چوتھے روز اُسے رپورٹیں ملیں۔ ان میں ان دو آدمیوں کے علاوہ بیرے کی رپورٹیں بھی شامل تھیں۔ ان سے پتہ چلا کہ ان تین چار دنوں

میں دونوں کو دو ایسی جگہوں پر لے جایا گیا جو کلب کہلاتے تھے لیکن وہاں صرف امیرزادوں کا طبقہ راتوں کو اکٹھا ہوتا اور غیر ملکی آوارہ ہپیوں کی طرح شرم و حیا سے دستبردار ہوتا تھا۔ ان میں بگڑے ہوئے اینگلو انڈین نوجوان زیادہ ہوتے تھے جن میں لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ عزیز ان کے ساتھ ہوتا تھا۔

ہوٹل کے کمرے میں اس دوران دو بڑی خوبصورت لڑکیاں آتی رہیں۔

دن کے وقت دو بار رابی کو عزیز رِشی کے بغیر اُن دو جگہوں پر لے گیا جو انٹیلی جنس کی بتائی جاتی تھیں۔

پرانی دِلّی کی اُس حویلی میں جس میں محاذ کے نئے ممبروں سے حلف لیا گیا تھا، چار آدمی اُسی کمرے میں بیٹھے تھے۔ ان میں ایک ہاشمی اور دوسرا عبدالقدیر تھا۔ باقی دو آدمی اِن دونوں کے گہرے دوست اور محاذ کے بڑے دلیر اور دانش مند آدمی تھے۔ دونوں جوان تھے۔ چاروں اسی مسئلے پر غور کر رہے تھے۔

"اب ہمیں کوئی نہ کوئی کارروائی کرنی پڑے گی" — ہاشمی نے کہا — "محاذ کے ممبر بناتے چلے جانا، دروازے بند کر کے اندر بیٹھ جانا اور تقریریں کرنا تو کوئی کام نہ ہُوا۔"

"پہلے ہمیں معلوم ہی نہ تھا کہ ہمارا ٹارگیٹ کیا ہے" — عبدالقدیر نے کہا — "عزیز کے متعلق شک تھا۔ اب یہ شک یقین میں بدل گیا ہے۔ اس ٹارگیٹ کو مارنا ہے۔"

"عزیز کو اُڑا دیا جائے؟" — دوسرے دو آدمیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"نہیں؟" — عبدالقدیر نے کہا — "ایک عزیز کو اڑا دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ معلوم نہیں کتنے عزیز اس شیطانی کام میں مصروف ہیں۔ میرے ذہن میں یہ دو پاکستانی اٹکے ہوتے ہیں۔ ہم اتنی دیر سے آپس

Pdfstuff.blogspot.com

میں بحث مباحثہ کر رہے ہیں۔ ان دو پاکستانیوں اور عزیز کی یہاں نقل و حرکت کے متعلق تم سب نے رپورٹیں سُن لی ہیں۔ مَیں نے ان رپورٹوں اور اپنے تجربے کی رُو سے یہ سوچا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ ان دونوں کے باپ اور بھائی وغیرہ پاکستان میں کیا کام کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کے باپ وہاں سرکاری افسر ہوں اور انہیں اُن کی مدد اور شہ حاصل ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِن کے باپوں کو معلوم ہی نہ ہو کہ یہ دونوں انڈیا کے جاسوس بن چکے یا بن رہے ہیں۔ پاکستانی شہزادوں کا کیا بھروسہ!.....

"پھر مَیں نے سوچا ہے کہ پاکستان کی انٹیلی جنس کو ان دونوں کے متعلق اور ان دونوں کے خاندانوں کے متعلق پوری اطلاع دی جائے اور عزیز کو پاکستان میں گرفتار کرایا جائے .... ہاشمی صاحب! مَیں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ اب ہمیں عملی میدان میں آنا چاہیئے۔ اگر یہ میدان کی لڑائی ہوتی تو ہم دیکھتے کہ ہمارے سامنے کون ٹھہرتا ہے۔ یہ لڑائی زمین و دو زطریقوں سے لڑنی ہے۔ یہ بڑی خطرناک لڑائی ہے۔ ہم ایک ملک کی انٹیلی جنس کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ ہم میں سے کسی کی ذرا سی بھی بے احتیاطی اور کوتاہی ہمارے محاذ کو پہلے معرکے میں ہی نیست و نابود کر دے گی اور ہمارا انجام بڑا ہی بھیانک ہو گا۔"

"یہ باتیں پہلے ہو چکی ہیں قدیر صاحب!" — ہاشمی نے کہا —

"ہم نے اپنی جانیں اللہ کے سپرد کر کے یہ محاذ بنایا ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ عزیز کی اِس کارگزاری کو ناکام کرنے کے لئے کیا کرنا ہے۔ اب دو ٹوک فیصلہ کریں۔"

"عزیز کے نازک پہلو پر وار کریں" — عبدالقدیر نے کہا — "اس لڑکی کو اغوا کریں۔ اگر لڑکی ہمارے قبضے میں آ گئی تو ہمیں پوری انفارمیشن مل جائے گی۔ ہم یہ انفارمیشن پاکستان کی انٹیلی جنس تک پہنچا دیں گے۔ ہو سکتا ہے ہم لڑکی کو ہی سرحد پار کرا کے پاکستانی انٹیلی جنس کے حوالے کر دیں۔"

"کیا آپ کے پاس ایسا کوئی ذریعہ ہے؟"

"ضروری نہیں کہ میں آپ کو اپنے تمام ذرائع سے آگاہ کروں" —

عبدالقدیر نے کہا — "فوری طور پر یہ سوچنا ہے کہ لڑکی کو اغوا کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔"

ہوٹل کا بیرا بڑا کارآمد ذریعہ تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ بعض اوقات عزیز رابی کو رِشی کے بغیر باہر لے جاتا ہے۔

"اب رِشی کو اِس طرح کمرے میں چھوڑ کر عزیز اور رابی نکل جائیں تو ٹیلیفون سے مجھے اطلاع دو" — عبدالقدیر نے بیرے سے کہا — "یہ لو فون نمبر، اگر میں نہ ہوں تو کہنا کہ قدیر صاحب کو بلا دو۔"

عبدالقدیر نے ہاشمی اور اپنے دو جانباز قسم کے ساتھیوں کو اپنے ہاں بلا کر کہا کہ وہ اگلے چند دن ہر وقت اپنے گھروں میں تیار رہیں۔ اس کے ساتھ ہی عبدالقدیر نے انہیں بتایا کہ اغوا کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ ہاشمی نے پرانی سی ایک کار کا انتظام کر لیا تھا۔

یہ موقع اگلے روز ہی پیدا ہو گیا۔ شام کے چار بج چکے تھے عبدالقدیر کو بیرے کا فون ملا۔

"میری سالی آ گئی ہے" — اُس نے عبدالقدیر کی ہدایت کے مطابق خفیہ الفاظ میں بات کی — "اُسے ریلوے سٹیشن سے لے آئیں۔ مَیں اِس وقت ہوٹل سے نکل نہیں سکتا۔"

آدھا گھنٹہ گزرا ہو گا کہ رابی اور رِشی کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"کم اِن" — رِشی نے کہا۔

دروازہ کھُلا۔ ایک جواں سال اجنبی کمرے میں داخل ہُوا۔

"مسز رابی!" — اِس آدمی نے کہا — "عزیز صاحب اور مسٹر رابی نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ کو لے آؤں۔ انہوں نے پروگرام بدل دیا ہے۔ وہ دونوں کناٹ پلیس کے ایک ہوٹل میں بیٹھے ہیں۔ ایک میاں بیوی ان کے ساتھ ہیں۔ چائے ان کے ساتھ پینی ہے پھر کوئی انگلش پکچر دیکھنی ہے۔ آپ جلدی تیار ہو جائیں۔ مَیں باہر انتظار کرتا ہوں۔"

PdfStuff.blogspot.com

رِشی جلدی تیار ہو گئی اور کمرے سے نکلی۔ وہ آدمی اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ہوٹل سے نکلے۔ اِس آدمی نے کار ذرا دُور کھڑی کی تھی۔ رِشی کو کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور کار کو بڑی تیزی سے ہوٹل سے دُور لے گیا۔ اُس نے ایک جگہ کار روکی۔ دو آدمی کار میں بیٹھ گئے۔ ایک رِشی کے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔

"یہ کون ہیں؟" — رِشی نے پوچھا۔

"خاموش بیٹھی رہو" — ایک نے کہا۔

رِشی نے دیکھا کہ دونوں آدمیوں کے ہاتھوں میں کھلے ہوئے چاقو تھے اور یہ چاقو بڑے سائز کے تھے۔ ایک آدمی نے رِشی کا سر اپنی گود میں دبا لیا اور دوسرے نے اُس کی آنکھوں پر رومال باندھ دیا۔

کار بہت دیر چلتی رہی۔ موڑ مڑتی رہی۔ رِشی منت سماجت کرتی رہی کہ وہ پاکستان سے آئی ہے اُسے چھوڑ دیا جائے۔

کار رُک گئی۔ رِشی کے سر پر ایک چادر ڈال دی گئی اور اُس کی آنکھوں سے پٹی کھول دی گئی۔ اُسے کہا گیا کہ وہ خاموشی سے گاڑی سے نکلے اور ان کے ساتھ چلے اور چادر کا گھونگھٹ نیچے رکھے ورنہ یہی چادر اُس کا کفن بن جائے گی۔

اُسے ایک مکان کے ایک کمرے میں لے گئے اور اُس سے چادر اُتار لی گئی۔ اُس کے سامنے دو آدمی تھے — ہاشمی اور عبدالقدیر۔

"تم ہماری مہمان ہو" — عبدالقدیر نے کہا — "تمہاری عزت محفوظ رہے گی۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہم جو کچھ پوچھیں، سچ سچ بتا دینا .... کیا تم انڈیا کی جاسوس ہو؟"

"نہیں" — رِشی نے گھبراتے ہوئے لہجے میں جواب دیا — "میں اپنے خاوند کے ساتھ سیر کے لئے آئی ہوں۔"

"کیا تم جانتی ہو کہ عزیز انڈیا کا جاسوس ہے؟" — عبدالقدیر نے پوچھا — "اور تمہارا خاوند بھی ...."

"نہیں" — رِشی نے ہکلاتے ہوئے کہا — "یہ جھوٹ ہے۔"

"پھر تم کچھ دن ہماری مہمان رہو گی" — عبدالقدیر نے کہا۔

PdfStuff.blogspot.com

رِشی جن کی مہمان تھی وہ غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد ہوٹل میں واپس آتے۔ وہ رابی کو واپس لاتے تھے۔ اُس کے ساتھ عزیز اور اُس کا ایک ساتھی تھا جو دراصل ہندو تھا لیکن رابی کے ساتھ اُس کا تعارف عبدالرحمٰن کے نام سے کرایا گیا تھا۔ اُس شام رابی کو بھارت کی انٹیلی جنس "را" کے ایک بڑے افسر کے پاس لے جایا گیا تھا۔ یہ بڑا افسر رابی سے اس طرح بغلگیر ہو کر ملا تھا جس طرح اُس کا اپنا باپ بھی کبھی نہیں ملا تھا پھر اس افسر نے رابی کے ساتھ جس والہانہ پیار کا اظہار کیا تھا وہ تو رابی کے دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا تھا۔

رابی تھا ہی کیا! اُس کی شخصیت میں ذرا سی بھی پختگی نہیں تھی۔ نہ قوتِ مدافعت تھی۔ عیش و عشرت میں وہ جنا پلا تھا۔ اُس کا کردار ریت کی ایک ڈھیری تھی جو ہوا کے تیز جھونکوں سے ذرہ ذرہ ہو کر اُڑتی اور غائب ہو جاتی ہے۔

انٹیلی جنس کے اس ہندو افسر کی پیار بھری دوستانہ باتیں ہوا کے جھونکوں کی مانند تھیں۔

پیار و محبت دو دھاری تلوار ہے۔ اس تلوار نے رابی کے کردار اور شخصیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اُس کا مذہب کیا اور وطن کونسا ہے۔ اُس کے مذہبی نظریات اور حُب الوطنی پر تو عزیز، مریم اور نبیلہ نے پہلے ہی اپنا سحر طاری کر دیا تھا۔ کچھ کسر اگر رہ گئی تھی تو وہ دِلّی میں آ کر پوری ہو گئی۔ آخر انٹیلی جنس کے اس ہندو افسر نے رابی کے کردار کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

"اس دیس کو تم جیسے نوجوانوں کی ضرورت ہے" ـــــ اس ہندو افسر

نے رابی سے کہا ـــــ "یہ دیس ہمارا نہیں تمہارا ہے۔ یہ مغلِ اعظم شہنشاہ اکبر کا وطن ہے۔ میں ہندو ہوں۔ تم میری زبان سے یہ سُن کر حیران ہو گے کہ ہم لوگ ہندوستان کو مسلمانوں کا وطن سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں بڑا غلط پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا دیس ہے۔ تمہیں یہاں گھما پھرا کر مسلمان حکمرانوں کی یادگاریں، اُن کے مقبرے اور اُن کی بنائی ہوئی مسجدیں اور دیگر عمارتیں دکھائی جائیں گی۔ میرے کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تم خود محسوس کرو گے کہ آج کی ہندو حکومت نے کس احترام اور پیار سے مسلمانوں کی یادگاروں کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے اور ہر سال اُن کی مرمت وغیرہ کی جاتی ہے۔ پھر تم دیکھو گے کہ یہاں کروڑہا مسلمان آباد ہیں۔ یہ بھی پاکستان کے مفاد پرست لیڈروں کا پروپیگنڈہ ہے کہ ہندو مسلمانوں کو جینے ہی نہیں دیتے۔ وہ اسی قسم کے لیڈر تھے جنہوں نے اس دیس کے دو ٹکڑے کئے اور مسلمانوں کو ہندوستانی مسلمان اور پاکستانی مسلمان میں بانٹ دیا۔ وہ لیڈر دراصل ایک خطہ چاہتے تھے جس کے وہ بادشاہ بن سکیں۔ تم نے خود دیکھا ہے کہ پاکستان میں باری باری یہ لیڈر بادشاہ بن رہے ہیں۔ چونکہ دونوں ملکوں کے درمیان دشمنی پیدا کر دی گئی ہے اس لئے دونوں ملک اپنے اپنے دفاع پر اربوں روپیہ صرف کر رہے ہیں۔ یہ دشمنی پاکستان کی طرف سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر دونوں ملک ایک ہو جائیں تو دفاعی ضروریات اور مسلح افواج پر خرچ ہونے والا اتنا کثیر روپیہ بچ جائے اور یہ عوام کی فلاح و بہبود اور خوشحالی پر صرف کیا جائے ... میرا خیال ہے کہ تمہیں بتا دیا گیا ہے کہ تمہارا مشن کیا ہے۔"

"جی ہاں" ـــــ رابی نے جواب دیا ـــــ "عزیز بھائی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے لیکن آپ نے جو باتیں کی ہیں یہ مجھے زیادہ اچھی لگی ہیں۔"

"یہ ایک مقدس مشن ہے رابی!" ـــــ انٹیلی جنس کے اس ہندو افسر نے کہا ـــــ "معاف رکھنا۔ میں تمہیں تمہارے پورے نام سے

Pdfstuff.blogspot.com

نہیں پکارا رہا۔ رابی مجھے بڑا پیارا نام لگتا ہے .... تم نے لاہور میں عزیز کو جن کاغذات کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں دی تھیں۔ وہ تمہارا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ یہ سلسلہ جاری رکھنا۔ تمہیں اتنی زیادہ قیمت ملے گی جو تم سنبھال نہیں سکو گے۔"

یہی نہیں، اس ہندو افسر نے رابی کے ساتھ بہت سی باتیں کی تھیں اور رابی کو بولنے کا بہت موقع دیا تھا تاکہ یہ پتہ چلتا رہے کہ اس پاکستانی نوجوان کی سوچیں اور اس کے خیالات کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کی برین واشنگ ہو رہی ہے یا نہیں۔

رابی کی برین واشنگ تو پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اُس کی اور اُس جیسے پاکستانی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی برین واشنگ تو امریکہ اور یورپ سے برآمد کئے ہوئے پاپ اور ڈِسکو کلچر نے پہلے ہی کر دی تھی۔ اس اخلاق سوز اور ایمان کُش کلچر کے خالق یہودی تھے اور اُن کا یہ حربہ کامیاب تھا۔ یہ نوجوان پاکستان کے دشمن کے لئے خام مال تھے۔ پاکستان نے انہیں نظر انداز کر دیا لیکن ہمارے دشمن کی نظر ان پر پڑی تو اُس نے انہیں حیوانی جذبات کی آگ میں پگھلا کر اپنے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا۔

رابی نے ہندو افسر سے کہا تھا کہ اُسے اُس کی باتیں زیادہ اچھی لگی ہیں۔ اس افسر کی باتوں میں جو جادو تھا وہ ایک تو اس وجہ سے تھا کہ انٹیلی جنس کا یہ افسر ہندو تھا۔ ہندو مکاری، عیاری اور فریبکاری کا ایک نام ہے۔ کسی مسلمان کو گمراہ کرنے اور پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے اُس کا ہندو ہونا ہی کافی ہے لیکن وہ انٹیلی جنس کا تجربہ کار افسر بھی تھا۔ رابی کے ساتھ اُس کا پیار ایسے ہی تھا جیسے بلی چوہے کو ہڑپ کرنے کے لئے اُس کے ساتھ پیار و محبت کا کھیل کھیل رہی ہو۔

اس پاکستانی نوجوان کو انڈیا کے دو ڈِسکو کلبوں میں لے جایا گیا تھا۔ ان کلبوں کی فحاشی اور حیا سوزی رابی کی رُوح کی غذا تھی۔ وہ اسی کو سارا

ہندوستان سمجھ بیٹھا تھا۔ اُس نے وہاں وہ مسجدیں نہیں دیکھی تھیں جو ویران پڑی تھیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو اس قدر دہشت زدہ کر رکھا تھا کہ مسلمانوں نے ان مسجدوں میں جانا چھوڑ دیا تھا۔

رابی نے بابری مسجد نہیں دیکھی تھی جسے مندر بنانے کے لئے ہندوؤں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔

رابی نے دِلّی اور دو تین دوسرے شہروں میں مغلوں کے دَور کی تعمیر کی ہوئی وہ مسجدیں نہیں دیکھی تھیں جنہیں بھارت کی حکومت نے اس حکم کے ساتھ مقفل کر دیا تھا کہ انہیں آثارِ قدیمہ کے طور پر محفوظ رکھا جائے گا۔

رابی نے بھارت میں گھوم پھر کر وہ جلے ہوئے کھنڈر نہیں دیکھے تھے جو مسلمانوں کے مکان ہُوا کرتے تھے اور ہندوؤں نے انہیں جلا ڈالا تھا۔

رابی نے بھارت کی گلیوں میں مسلمانوں کا خون بہتا نہیں دیکھا تھا۔

اس پاکستانی نوجوان کو اور اس کی قماش کے اور اس سوسائٹی کے پاکستانی نوجوانوں کو بتانے والا کوئی نہ تھا کہ پاکستان کیوں بنایا گیا تھا، نہ کوئی یہ بتانے والا تھا کہ بھارت اتنی زیادہ جنگی طاقت کیوں اکٹھی کرتا چلا جا رہا ہے۔

رابی جب "را" کے اس افسر کی کوٹھی سے نکلا تو اُس پر نشہ سا طاری تھا۔

وہ عزیز اور اُس کے ساتھی عبدالرحمٰن کے ساتھ ہوٹل کی لِفٹ میں داخل ہُوا۔ لِفٹ اُنہیں اُس منزل پر لے گئی جس میں رابی کا کمرہ تھا۔ لِفٹ سے نکل کر وہ کمرے میں گئے۔ رِشی کمرے میں نہیں تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ باتھ روم میں جا سکتی تھی۔ تینوں اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ وہ باتھ روم سے نکلے گی۔

pdfstuff.blogspot.com

پانچ منٹ گزرے .... دس منٹ گزرے .... پھر پندرہ منٹ گزر گئے۔

دو تین منٹ اور انتظار کر کے رابی نے باتھ رُوم کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"نکل آتے گی بھاتی!" ـــــ عزیز نے ہنستے ہوئے کہا ـــ "اتنے بے قرار کیوں ہوتے جا رہے ہو۔"

رابی ہنستا ہُوا پیچھے ہٹ آیا اور بیٹھ گیا۔

پندرہ منٹ اور گزر گئے۔

"اتنی دیر؟" ـــــ رابی نے کہا اور اُٹھ کر باتھ روم کے دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر دروازے کے ناب کو آہستہ سے گھمایا۔ دروازہ کھُل گیا۔ رابی نے دروازہ پورا کھولنے سے پہلے رِشی کو آہستہ سے آواز دی لیکن باتھ روم میں خاموشی تھی۔

"رِشی!" ـــــ اب رابی نے بلند آواز دی۔

اب کے بھی اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو رابی باتھ رُوم کے اندر چلا گیا۔ اُس کے مُنہ سے بے اختیار گھبراہٹ کے عالم میں رِشی کا نام نکلا اور وہ دوڑتا ہُوا باہر آیا۔

"باتھ روم میں تو نہیں" ـــــ رابی نے اپنے ساتھیوں کو بتایا ـــــ "کہاں چلی گئی ہے!"

"کیوں گھبراتے ہو یار!" ـــــ عزیز نے کہا ـــ "یہیں کہیں نکل گئی ہو گی۔"

"ڈائننگ ہال میں نہ چلی گئی ہو" ـــــ عبدالرحمٰن نے کہا۔

"نہیں!" ـــــ رابی نے کہا ـــ "ہم اُسے بتا گئے تھے کہ ہم جلدی آجائیں گے پھر ڈنر کے لئے نیچے چلیں گے۔"

تقریباً ایک گھنٹہ مزید گزر گیا تب عزیز اور عبدالرحمٰن کو بھی پریشانی سی محسوس ہونے لگی۔ اب تینوں اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات کرنے لگے کہ رِشی کہاں چلی گئی ہے۔ اگر اُس نے ہوٹل میں ٹھہری ہوئی کسی لڑکی کے ساتھ راہ و رسم پیدا کر لی ہوتی اور وہ اُس کے کمرے میں چلی گئی ہوتی تو بھی اُسے اب تک واپس اپنے کمرے میں آجانا چاہیئے تھا۔ اگر وہ باہر نکل گئی ہوتی تو کمرہ کھُلا ہُوا نہ ہوتا۔ وہ چابی کاؤنٹر پر دے جاتی۔ چونکہ کمرہ کھُلا ہُوا تھا اس لئے اس خیال کو تقویت ملتی تھی کہ وہ ہوٹل کے اندر ہی ہے۔

تینوں نیچے چلے گئے۔ کاؤنٹر پر ہوٹل کے تین آدمی کھڑے تھے۔ اُن سے پوچھا تو ان میں سے دو نے بتایا کہ رِشی ایک آدمی کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔ یہ کوئی معمولی سا ہوٹل نہیں تھا یہ شاہانہ فائیو سٹار ہوٹل تھا جس میں خاص قسم کے لوگ آتے تھے۔ رابی اور رِشی کچھ دنوں سے یہاں ٹھہرے ہوتے تھے اس لئے کاؤنٹر پر کام کرنے والے انہیں پہچانتے تھے۔

"کون تھا وہ آدمی؟" ـــــ رابی نے پوچھا۔

"وہ کس حُلیے کا تھا؟" ـــــ عزیز نے کاؤنٹر والوں سے پوچھا۔

"حُلیہ تو آپ جیسا ہی تھا" ـــ کاؤنٹر کے ایک آدمی نے کہا ـــــ "عمر بھی آپ جتنی ہی لگتی تھی۔"

وہاں رِشی کی جان پہچان والا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کس کے ساتھ باہر گئی ہو گی! کاؤنٹر کے یہ دونوں آدمی پورے یقین کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ رِشی ایک آدمی کے ساتھ باہر جاتی دیکھی گئی تھی اور وقت ساڑھے چار کے لگ بھگ تھا۔ اس کے بعد اُسے واپس آتے نہیں دیکھا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے ہوٹل سے نکلے ہوتے کم و بیش پانچ گھنٹے گزر چکے تھے۔

ہوٹل کے اندر اور باہر، ڈائننگ ہال میں ایک بار پھر اُوپر کمرے میں جا کر رِشی کو دیکھا گیا۔ اُس کا کہیں کھُرا کھوج نہ ملا۔ گیٹ پر کھڑے ہوٹل کی وردی پہنے ہوئے دربان سے پوچھا تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ ہوٹل میں کام کرنے والوں اور اُن سے ملنے جُلنے والوں کی

Pdfbooksfree.blogspot.com

آمد و رفت لگی رہتی تھی۔ دربان کا کام تھا ہر کسی کے لئے دروازہ کھولنا، جھکنا اور جھک کر سلام کرنا۔ یہی اُس کی روزی کا ذریعہ تھا اور ہر کسی سے وہ ٹپ کی توقع رکھتا تھا۔ وہ اتنے زیادہ آتے جاتے چہرے یاد نہیں رکھ سکتا تھا۔

عزیز احمد اور اُس کا ہندو ساتھی جو رابی کے لئے عبدالرحمٰن بنا ہُوا تھا، تربیت یافتہ اور تجربہ کار جاسوس تھے، لیکن رشی کی گمشدگی نے انہیں چکرا دیا۔ اُنہیں تسلیم کرنا پڑا کہ رشی لاپتہ ہو چکی ہے۔

"کچھ دیر اور انتظار کر لیں عزیز؟" — رابی نے پوچھا۔

"نہیں" — عزیز نے بڑے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا — "وہ چلی گئی ہے یا لے جائی گئی ہے، بہرحال وہ واپس آنے کے لئے نہیں گئی۔"

"کیا کہہ رہے ہو عزیز؟" — رابی نے پریشان ہو کر کہا۔

"مَیں بندوبست کرتا ہوں" — عزیز نے کہا اور وہ ٹیلیفون کے قریب جا کھڑا ہُوا۔

اُس نے یکے بعد دیگرے چار پانچ نمبر ملا کر رشی کی گمشدگی کی اطلاع دی۔

آدھا گھنٹہ گزرا ہو گا کہ جنہیں عزیز نے فون کئے تھے وہ ہوٹل میں پہنچنے لگے۔ سب سے پہلے وہی ہندو افسر آیا جس کے پاس رابی کو لے جایا گیا تھا۔ وہ اچھا خاصا پریشان تھا۔ اس کے بعد انٹیلی جنس کے ہی دو اور آدمی آ گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے پولیس کی ایک جیپ ہوٹل کے سامنے آ رُکی۔ اس میں سے ایک ایس پی، ایک ڈی ایس پی اور ایک پولیس انسپکٹر دو ہیڈ کانسٹیبلوں کے ساتھ اُترے اور دوڑتے ہوتے ہوٹل کی لابی میں آتے۔

ہوٹل کی انتظامیہ میں کھلبلی مچ گئی۔ انٹیلی جنس اور پولیس کے افسر اُوپر اُس کمرے میں گئے جس میں رابی اور رشی کو ٹھہرایا گیا تھا۔ پولیس کے افسروں نے اپنے انداز سے اور انٹیلی جنس والوں نے اپنی عقل اور سُوجھ بُوجھ کے مطابق کمرے کا جائزہ لیا اور اس کے ساتھ ہی تفتیش اور سراغرسانی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کمرے والی منزل پر ساڑھے چار بجے کے وقت جتنے بیرے اور کمروں کی صفائی کرنے والی لڑکیاں موجود تھیں اُنہیں بلا کر پوچھا گیا۔ ہوٹل میں کام کرنے والی ان لڑکیوں کو ہاؤس کیپر کہا جاتا ہے۔

ایک ہاؤس کیپر لڑکی نے بیان دیا کہ اُس نے ایک آدمی کو رشی کے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا اور رشی اُس کے ساتھ تھی۔

اتنا سا بیان دینے پر انٹیلی جنس اور پولیس کے افسروں نے اس لڑکی پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی — "پہلے رشی کمرے سے باہر نکلی تھی یا وہ آدمی؟ لِفٹ تک رشی آگے تھی یا آدمی؟ کیا وہ باتیں کرتے جا رہے تھے؟ رشی کے چہرے کے تاثرات کیسے تھے؟ اُس آدمی کا چہرہ اور لباس کیسا تھا؟" — یہ سوال یہ معلوم کرنے کے لئے پوچھے گئے تھے کہ رشی کو زبردستی لے جایا گیا ہے یا وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔

اتنے بڑے اور اس قسم کے ہوٹل میں سے ایک لڑکی کو زبردستی لے جانا ناممکن تھا۔ اُسے ورغلا کر یا کسی دھوکے میں لا کر لے جایا جا سکتا تھا۔

ہاؤس کیپر لڑکی نے ہر ایک سوال کا جواب دیا۔ اُس نے بتایا کہ کمرے سے پہلے رشی نکلی تھی پھر وہ آدمی نکلا۔ رشی کا چہرہ ہشاش بشاش تھا اور جو آدمی اُس کے ساتھ جا رہا تھا وہ تیس سال سے زیادہ عمر کا لگتا تھا۔ اُس نے وُرسٹڈ کی پتلون اور پورے بازوؤں کا سویٹر پہن رکھا تھا۔ سوالوں کا جواب دیتے ہوتے لڑکی نے بتایا کہ یہ آدمی رشی کے آگے جُھکا جُھکا سا لگتا تھا۔

اسی منزل کے ایک بیرے نے بھی کچھ اسی قسم کا بیان دیا۔ اُس نے بھی رشی کو اس آدمی کے ساتھ جاتے دیکھا تھا، لیکن وہ ایسی جگہ کھڑا تھا جس طرف ان دونوں کی پیٹھ تھی۔

نیچے لابی میں کاؤنٹر پر کھڑے ہوٹل کے جن دو کلرکوں نے رشی کو اس آدمی کے ساتھ جاتے دیکھا تھا، اُن سے الگ الگ بیان لئے گئے اور ایسے اور اتنے زیادہ سوال پوچھے گئے کہ دونوں کے مُنہ جواب دے دے کر خشک ہو گئے۔

Pakistanipoint.com

کمرے میں سے کوئی ایسا رُقعہ بھی نہیں ملا تھا جو رِشی لکھ کر چھوڑ گئی ہو کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہی ہے۔

رات کے بارہ بج رہے تھے جب انٹیلی جنس اور پولیس کے افسر ہوٹل کے دفتر میں ایک اجلاس کی صورت میں بیٹھ گئے اور تبادلۂ خیالات کرنے لگے۔

"لڑکی خود گئی ہے" — انٹیلی جنس کے ایک افسر نے کہا — "یا اُسے ورغلا کر لے جایا گیا ہے۔"

"لیکن کیوں؟" — دوسرے افسر نے کہا — "کسی لڑکی کے یوں لاپتہ ہو جانے کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ ایک وجہ عداوت ہوتی ہے۔ رقابت بھی ایک وجہ ہوتی ہے یعنی پہلے لڑکی کے مراسم کسی اور کے ساتھ تھے پھر اُس نے کسی اور کے ساتھ دوستی گانٹھ لی۔ پہلے آدمی نے لڑکی کو ورغلا کر یا کسی بہانے اغوا کر لیا۔ پھر ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ لڑکی غیر معمولی طور پر حسین ہے، کمسن ہے اور بازارِ حُسن میں سونے کے انڈے دینے والی مُرغی ثابت ہو سکتی ہے .... ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لڑکی نے اپنا راستہ کوئی اور بنا لیا ہے اور وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔"

"اس پہلو کو سامنے رکھیں کہ لڑکی یہاں اجنبی تھی" — انٹیلی جنس کے ایک اور افسر نے کہا — "اور وہ پہلی بار انڈیا میں آئی ہے۔ یہاں اُس کا کوئی سوشل کنٹیکٹ نہیں۔ لڑکی کے خاوند اور ہمارے اپنے آدمی عزیز اور (عبدالرحمن) کا بھی یہی بیان ہے کہ نہ لڑکی کسی کو یہاں جانتی ہے نہ ہمارے دونوں آدمیوں کے سوا اسے کوئی جانتا ہے .... میں نے لڑکی کو دیکھا ہے۔ وہ خوبصورت لڑکی ہے، لیکن ایسی خوبصورت بھی نہیں کہ اُسے طوائف یا سوشل گرل یا کال گرل بنانے کے لئے اغوا کیا گیا ہو۔ آپ نے جو وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی یہاں فٹ نہیں ہوتی۔"

"اس پر بھی غور کریں" — ایس پی نے کہا — "کہ لڑکی کو کمرے میں آ کر ورغلانا اور دھوکے میں ساتھ لے جانا کسی معمولی آدمی کا کام نہیں۔ یہ کوئی غیر معمولی عقل اور جرأت والا آدمی ہو سکتا ہے .... ہم نے لڑکی کے خاوند سے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ ایسا تو نہیں کہ پاکستان کا کوئی ایسا آدمی دِلّی آیا ہُوا ہو جس کے ساتھ لڑکی کے مراسم رہے ہوں اور رِشی نے شادی رابی کے ساتھ کر لی ہو .... یہ خاص طور پر پیشِ نظر رکھیں کہ لڑکی کس سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا چال چلن کیسا ہے۔"

انٹیلی جنس کا ایک سینئر افسر ہنس پڑا۔

"اگر لڑکی کا چال چلن ٹھیک ہوتا تو وہ اپنے خاوند کے ساتھ ہماری مہمان نہ ہوتی" — اس سینئر افسر نے کہا — "اور اگر وہ ہماری مہمان نہ ہوتی تو ہم اُس کی گُمشدگی میں ذرا سی بھی دلچسپی نہ لیتے۔ ہمیں خطرہ صرف یہ نظر آ رہا ہے کہ لڑکی کو پاکستان کی آئی ایس آئی نے نہ اُڑا لیا ہو۔"

"یہ بھی پیشِ نظر رکھیں کہ لڑکی کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اُس کے خاوند کو انڈیا کی سیر کس سلسلے میں کرائی جا رہی ہے" — انٹیلی جنس کے ایک اور افسر نے کہا پھر اُس نے چونک کر ایس پی اور ڈی ایس پی کی طرف دیکھا اور اُن سے کہنے لگا — "میرے مُنہ سے ایسی بات نکل گئی ہے جو انٹیلی جنس کے صرف ہمارے شعبے کو معلوم ہونی چاہیئے، لیکن مَیں نے یہ بات آپ دونوں پولیس افسروں کے سامنے کہہ دی ہے۔ کسی کُھلی میٹنگ میں یا کسی اور کے ساتھ اس کا ذکر نہیں ہونا چاہیئے۔"

"آپ کو اتنا پریشان نہیں ہونا چاہیئے سر!" — ایس پی نے کہا — "کیا ہم نہیں جانتے کہ ہماری انٹیلی جنس کے مقاصد اور مشن کیا ہیں؟"

"ہم بھی ہندو ہیں سَر!" — ڈی ایس پی بولا — "پاکستان ہمارا بھی اتنا ہی دشمن ہے جتنا آپ کا ہے۔ آپ صرف یہ بتا دیں کہ لڑکی کو برآمد کرانا ہمارا کام ہے یا یہ آپ اپنے ذمے رکھیں گے۔"

"یہ کام آپ کا بھی ہے اور ہمارا بھی" — انٹیلی جنس کے سینئر افسر نے کہا۔

یہ میٹنگ رات دو بجے تک جاری رہی اور یہ لوگ کسی نتیجے پر نہ

PdfStuff.blogspot.com

پہنچ سکے۔

اس ہوٹل میں صرف ایک آدمی تھا جسے معلوم تھا کہ لڑکی کہاں ہے۔ یہ آدمی یوں ہوٹل میں گھوم پھر رہا تھا جیسے اُسے بیرا گیری کے سوا کسی اور کام سے دلچسپی نہ ہو، لیکن وہ بڑی غور سے دیکھ رہا تھا کہ پولیس اور انٹیلی جنس کے جو افسر تفتیش کے لئے آتے ہیں وہ کیا کر رہے ہیں۔

یہ بیرا ہاشمی کے محاذ کا ممبر تھا۔ اُسے یہ معلوم تو نہیں ہو سکتا تھا کہ پولیس اور انٹیلی جنس کے ان افسروں نے بند کمرے میں بیٹھ کر کیا باتیں کی ہیں اور کیا فیصلہ کر کے اُٹھے ہیں لیکن اتنا ہی معلوم ہو جانا اُس کے لئے کافی تھا کہ تفتیش کے لئے کون آیا تھا اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لڑکی کہاں چلی گئی ہے۔ اس بیرے نے یہ رپورٹ ہاشمی اور عبداللہ یہ کو دینی تھی۔

پولیس اور انٹیلی جنس کے یہ افسر بند کمرے میں تبادلہ خیالات کر رہے تھے اور رابی، عزیز اور عبدالرحمٰن لابی میں بیٹھے قیاس کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ اُس وقت تک جو شہادت سامنے آتی تھی اس سے عزیز اور عبدالرحمٰن کہتے تھے کہ لڑکی خود گئی ہے۔ اُسے ورغلایا گیا ہو گا۔

"رابی!" — عزیز نے کہا — "تمہیں میری یہ بات اچھی تو نہیں لگے گی لیکن حقیقت کو چھپاتے رکھنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا .... تم نے مجھے رشی کی فیملی بیک گراؤنڈ بتائی تھی۔ ذرا اس پر غور کرو۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ رشی نے ان دو چار دنوں میں ہی کسی کے ساتھ راہ و رسم پیدا کر لی ہو اور وہ شخص چپکے سے اُسے اپنے ساتھ لے گیا ہو؟"

"ہو سکتا ہے" — رابی نے کہا — "اُس کی ماں بھی جوانی میں یہی کچھ کرتی رہی ہے۔"

"مجھے رشی کی بیک گراؤنڈ کا علم تو نہیں" — عبدالرحمٰن نے کہا — "لیکن اس پر ضرور غور کریں کہ اس ہوٹل میں جو لوگ آ کر ٹھہرتے ہیں وہ دولتمند ملکی اور غیر ملکی ہوتے ہیں۔ ان میں بڑے اُونچے درجے کے سمگلر بھی ہوتے ہیں جنہیں اس قسم کی جوان لڑکیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض غیر ملکی آدمی بھی انڈیا اور پاکستان کی خوبصورت لڑکیوں کو پسند کرتے اور ان کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ لڑکی کسی کے جال میں آ گئی ہے .... ایک بات بتاؤ رابی! کیا رشی تمہارے گھر میں مطمئن تھی اور کیا تمہارے والدین بھی اسے تمہاری ہی طرح چاہتے تھے؟"

"نہیں" — رابی نے جواب دیا — "میری ماں تو اس لڑکی سے نفرت کرتی ہے۔ اِدھر آنے سے پہلے میری ماں نے اس کی ماں کی بہت بے عزتی کی تھی۔ اُس نے ان دونوں کو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ میں جس وقت چاہوں، رشی کو طلاق دلوا سکتی ہوں۔"

یہ تینوں بھی اسی نتیجے پر پہنچے کہ لڑکی کو زبردستی اغوا نہیں کیا گیا اور وہ کسی کے چکر میں آ گئی ہے۔

اس پہلو پر بند کمرے میں پولیس اور انٹیلی جنس کے افسروں نے بھی غور اور تبادلہ خیالات کیا تھا کہ لڑکی کو اُڑا لے جانے والا کوئی ایسا آدمی ہے جو اس ہوٹل میں قیام پذیر ہے یا آج چلا گیا ہے۔ انہوں نے منیجر کو بلا کر کہا تھا کہ وہ ہوٹل میں ٹھہرنے والوں کا ریکارڈ لائے۔ پہلے تو یہ دیکھا گیا کہ اُس شام کوئی آدمی ہوٹل کا کمرہ چھوڑ کر گیا ہے یا نہیں۔ ریکارڈ سے پتہ چلا کہ اُس شام کوئی بھی ہوٹل سے نہیں گیا۔ پھر ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تمام افراد کی لسٹ دیکھی گئی۔ انہوں نے اپنے جو پیشے لکھوائے تھے وہ دیکھے گئے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بین الاقوامی سمگلر یا بردہ فروش تھا تو اُس نے اپنا پیشہ کچھ اور لکھوایا ہو گا۔ یہ مناسب نہ سمجھا گیا کہ اتنی اونچی حیثیت کے افراد کو جو ہوٹل میں ٹھہرے ہوتے تھے، شاملِ تفتیش کیا جاتا۔ اس کا یہ انتظام کیا گیا کہ انٹیلی جنس کے تربیت یافتہ مخبروں کو بیروں اور دیگر ملازموں کے بہروپ میں ہوٹل میں بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ انہیں پوری طرح بریفنگ دے کر ہوٹل میں بھیجنا تھا۔ انہوں نے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے لوگوں پر نظر رکھنی تھی اور اگر کسی پر شک تھا تو اُس وقت بھی اُس کا تعاقب کرنا تھا جب اُس نے ہوٹل سے باہر کہیں بھی جانا تھا۔

Pakistanipoint.com

اُس وقت لڑکی پرانی دِلّی میں جس حویلی میں تھی وہ ایک قلعے کی مانند تھی۔ یہ پرانے زمانے کی حویلی تھی۔ یہ اُس دَور کی یادگار تھی جب شہروں کے اِردگرد دیوار ہُوا کرتی تھی۔ یہ ہاشمی کے آباؤ اجداد کی حویلی تھی جس کے کئی کمرے تھے۔ ہاشمی کے باپ نے حویلی کو کچھ جدید بنا دیا تھا پھر ہاشمی نے کمروں کو نئی طرز کا بنایا اور باہر سیمنٹ کا پلستر کروا دیا تھا۔

اتنی بڑی حویلی میں صرف دو افراد رہتے تھے ـــــ ایک ہاشمی اور دوسرا اُس کی بیوی ـــــ ایک کمرہ نوکروں کے لئے مخصوص تھا۔ اُن دنوں اس کمرے میں دو ادھیڑ عمر میاں بیوی رہتے تھے۔ ہاشمی کو دوستوں نے مشورے دیئے تھے کہ وہ اتنی بڑی حویلی کو فلیٹوں کی صورت دے دے اور ہزار ہا روپیہ ماہوار کرایہ وصول کرے لیکن ہاشمی اسی پر مطمئن تھا۔ اُس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اُس نے دوستوں کو بتایا تھا کہ وہ یہ وصیت لکھ کر اس دُنیا سے رخصت ہوگا کہ اُس کے بعد اُس کی بیوی زندہ رہی تو وہ اس حویلی کی مالک ہوگی اور اس کی موت کے بعد یہ اختیار جامع مسجد کے امام کو حاصل ہوگا کہ وہ حویلی بیچ کر رقم مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کریں یا اس حویلی کو ایسا مدرسہ یا مرکز بنا دیں جس میں مسلمان بچّوں اور بچیوں کو تعلیم اور جہادِ آزادی کی تربیت دی جائے۔

رِشی اس حویلی کے ایک کمرے میں بند تھی۔ صرف ہاشمی کی بیوی تھی جسے رِشی کی موجودگی اور موجودگی کی وجہ کا علم تھا بوڑھے نوکر اور نوکرانی کو اس کمرے اور ایسے ہی دو تین اور کمروں میں بلا اجازت جانے کی اجازت نہیں تھی۔

رِشی کو جب اس کمرے میں لایا گیا تھا تو اُس وقت انڈین انٹیلی جنس کا ریٹائرڈ آدمی عبدالقدیر ہاشمی کے ساتھ اس کمرے میں موجود تھا۔ انہوں نے رِشی سے کہا تھا کہ عزیزا اور اُس کا خاوند رابی انڈیا کے جاسوس ہیں تو رِشی نے یہ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ عبدالقدیر نے اُسے کہا تھا کہ وہ کچھ دن ان کی مہمان رہے گی۔ یہ کہہ کر دونوں باہر نکل آتے تھے اور اُنہوں نے کمرے کو

باہر سے مقفل کر دیا تھا۔

ایک خوبصورت اور جوان لڑکی جسے اغوا کر کے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا ہو، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کیسے کیسے جذباتی مدّ و جزر سے گزری ہوگی۔ عورت کو سب سے بڑا خطرہ یہ نظر آتا ہے جو اس کے لئے بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے کہ اُس کی عزت محفوظ نہیں رہے گی اور نہ جانے کتنے ہی آدمی اُس کے جسم کو نوچیں گے۔ رِشی کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ شریف لڑکی نہیں تھی۔ شادی سے پہلے ہی وہ آبرو باختہ تھی۔ ایسی بھی نہیں کہ جو چاہتا اُس کے ساتھ تعلقات قائم کر لیتا۔ صرف رابی تھا جس کی وہ شادی سے پہلے ہی بیوی بن چکی تھی۔ اُس کے ذہن میں عصمت اور آبرو کا تصور کچھ اور تھا۔ پھر بھی وہ رات بھر اس ذہنی اذیت میں مبتلا رہی کہ نہ جانے یہ کون لوگ ہیں اور انہوں نے اسے کیوں اغوا کیا ہے۔

رات بھر ایک لمحے کے لئے بھی اُس کی آنکھ نہ لگی۔ خیالات کا اور آنے والے وقت کے تصور کا جب ایک ریلا آتا تو وہ اُٹھ کر دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارتی اور چلّاتی کہ مجھے یہاں سے نکالو، مجھ پر رحم کرو لیکن وہاں دیواروں کے سوا اُس کی چیخ و پُکار سُننے والا کوئی نہ تھا۔ ہر لمحہ اُسے یہ توقع تھی کہ دروازہ کُھلے گا اور ایک آدمی آ کر اُس پر ٹوٹ پڑے گا۔

لمحہ بہ لمحہ رات گزر گئی۔ دروازہ نہ کُھلا۔

جب دروازہ کُھلا تو دن کی روشنی کمرے میں داخل ہوتی۔ اُس وقت رِشی رو رو کر، تھک ہار کر پلنگ پر گر پڑی تھی۔ شب بیداری کے اثرات الگ تھے۔ ایک رات میں ہی وہ لاش بن چکی تھی۔ کواڑ کُھلے تو اس توقع کے ساتھ گھبرا کر اُٹھی کہ یہ رات والے آدمی ہوں گے لیکن وہ ایک عورت تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی اور ٹرے میں ناشتہ تھا۔

رِشی نے رات کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس کمرے میں لا کر اُسے پانی بھی نہیں دیا گیا تھا۔ اُس نے اس عورت کے ہاتھ میں ٹرے اور ٹرے میں پانی کا گلاس دیکھا تو جھپٹ کر گلاس اُٹھا کر مُنہ سے لگا لیا اور ایک ہی

Pdfstuff.blogspot.com

سانس میں خالی کر دیا۔ اُس نے گلاس عورت کی طرف کرتے ہُوئے کہا کہ اور پانی لاؤ۔

"نہ بیٹی!" ـــــ عورت نے کہا ـــــ "مَیں جانتی ہوں تم رات بھر کی پیاسی ہو لیکن خالی پیٹ اتنا پانی نہ پیو۔ پہلے کچھ کھا لو۔"

رِشی نے کبھی بھوک اور پیاس نہیں دیکھی تھی۔ پاکستان کے غریب اور بھوکے ننگے عوام کو وہ ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھا کرتی تھی۔ اُسے صرف ایک رات کی بھوک اور پیاس نے احساس دلا دیا کہ پاکستان کے عوام کس حال میں جی رہے ہیں لیکن اُس وقت اُس کے سامنے ایک مسئلہ تو یہ تھا کہ کھانے کو کچھ ملے اور اس کے بعد یہ معلوم ہو کہ اسے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔

اُس نے بیتابی سے اس عورت کے ہاتھ سے ٹرے لے کر پلنگ کے قریب رکھی ہوئی تپائی پر رکھ لی اور بڑی تیزی سے ناشتہ کیا۔ یہ پرانی وضع کا انڈوں اور پراٹھوں کا ناشتہ تھا اور اس کے ساتھ چائے تھی۔ پیٹ میں غذا جانے سے رِشی کے جسم میں جان آگئی۔ تب اُس نے ناشتہ لانے والی عورت کو غور سے دیکھا اور اُس نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ بڑی بے صبری سے کھاتی بیتی رہی ہے اور یہ عورت اس پر نظریں جما کر بیٹھی رہی ہے۔ رِشی کے دماغ میں ناشتے کے بعد پہلا خیال یہ آیا کہ وہ عصمت فروشوں کے بازار میں آگئی ہے۔ اُس نے لڑکیوں کے اغوا کی کچھ کہانیاں پڑھی تھیں اور ایک دو واقعات سُنے بھی تھے۔ ان کہانیوں اور واقعات میں ایک ادھیڑ عمر عورت کا ذکر ضرور آتا تھا جو معنویہ پر تشدد کرتی ہے یا پیار و محبت سے اُس کے دل پر قبضہ کرتی ہے اور اُسے ناچنے گانے اور عصمت فروشی کے لئے تیار کرتی ہے۔

اس عورت کو دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ یہ اُسی قماش کی عورت ہے۔

"اگر مَیں تمہاری لائن پر نہ چلوں تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" ـــــ اُس نے اس عورت سے پوچھا۔

"کون سی لائن؟"

"یہ طوائفوں کی منڈی ہے نا!" ـــــ رِشی نے کہا ـــــ "یہ پوچھنا تو بیکار ہے کہ تمہارا مذہب کیا ہے .... تم لوگوں کا کوئی مذہب تو ہوتا ہی نہیں۔"

"مَیں تمہیں صرف یہ یاد دلانا چاہتی ہوں کہ تم کسی مسلمان باپ کی بیٹی ہو" ـــــ اس عورت نے کہا ـــــ "اور تمہیں کسی مسلمان کی بیٹی نے جنم دیا ہے .... کیا یہ غلط ہے؟"

"یہ درست ہے۔"

"اور مَیں تمہیں یہ بتا دیتی ہوں کہ میرا مذہب اسلام ہے" ـــــ عورت نے کہا ـــــ "اور تمہیں کسی غلط مقصد کے لئے یہاں لایا گیا ہوتا تو تمہیں یہاں لانے والے آدمی رات کو اکیلا نہ رہنے دیتے۔ وہ تمہارے ساتھ ہوتے اور اس وقت تمہاری حالت کچھ اور ہوتی۔ تم نے اُن دو آدمیوں کو جو یہاں کمرے میں موجود تھے، اچھی طرح دیکھا ہوگا۔ کیا وہ تمہیں بردہ فروش یا طوائفوں کو نچانے والے لگتے تھے؟"

"بردہ فروشوں کے سروں پر سینگ تو نہیں ہوتے" ـــــ رِشی نے کہا۔

"بردہ فروش یہ بھی نہیں پوچھا کرتے کہ تمہیں پاکستان سے دِلّی لانے والا عزیز احمد اور تمہارا خاوند ہندوستان کے جاسوس ہیں" ـــــ اس عورت نے کہا ـــــ "یہ طوائفوں اور ان کے دلالوں کی حویلی نہیں۔ مَیں تمہیں گھما پھرا کر یہ حویلی دکھاؤں گی۔ یہ انگریزوں کے خلاف جہادِ آزادی لڑنے والے مجاہدوں اور شہیدوں کی حویلی ہے۔"

"تم ۱۹۴۷ء کی بات کر رہی ہو!" ـــــ رِشی نے کہا ـــــ "مَیں تعلیم یافتہ لڑکی ہوں۔ مجھے تاریخ جغرافیہ نہ پڑھاؤ۔"

"مَیں ۱۸۵۷ء کی بات کر رہی ہوں" ـــــ اس عورت نے فخریہ انداز میں ذرا بارُعب لہجے میں کہا ـــــ "یہ ہمارے اُن آباؤ اجداد کی حویلی ہے جو انگریزوں کے خلاف لڑے تھے۔ وہ تم جیسے یا تمہارے والدین جیسے غداروں کی وجہ سے شکست کھا گئے تھے۔ ان میں کچھ تو لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ایک دو کو سرِعام پھانسی دی گئی۔ پھر یہ حویلی انگریزوں، سکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں لُوٹی گئی۔ مَیں صرف اپنے اور اپنے خاوند کے آباؤ اجداد اور صرف

PdfStuff.blogspot.com

اس حویلی کی بات کر رہی ہوں۔ اگر تم تعلیم یافتہ ہو تو شاید کہیں تم نے پڑھا ہو گا کہ ۱۸۵۷ء میں پورے کا پورا دِلّی شہر لُوٹا گیا تھا اور سینکڑوں نہیں، ہزاروں مسلمان لڑتے ہوتے یا بعد میں درختوں سے لٹکا کر یا توپوں کے آگے کھڑے کر کے شہید کئے گئے تھے۔ وہ شہید مرے نہیں، ہم نے انہیں زندہ رکھا۔ انہی شہیدوں کے صدقے ہم نے پاکستان بنایا.... آج تم اپنے خاوند کے ساتھ اُس پاکستان سے غدّاری کرنے کے لئے آئی ہو جس کی بنیادوں میں دِلّی کی اس حویلی کے رہنے والوں کا خون شامل ہے.... ہم اب بھی لڑ رہے ہیں۔ اب ہمارا دشمن انگریز نہیں ہندو ہے۔"

اس عورت کے بولنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ رِشی مسحور سی ہو گئی۔ اُس نے کچھ اطمینان سا بھی محسوس کیا کیونکہ اُسے اس عورت نے بتا دیا تھا کہ وہ عصمت فروشوں کے قبضے میں نہیں۔ اس عورت کی عمر پچاس سال سے ذرا کم تھی۔ اُس کے چہرے پر جلالی سا تاثر تھا۔

"آپ کون ہیں؟" — رِشی نے ایسے لہجے میں پوچھا جس میں مرعوبیت تھی۔ پہلے وہ اس عورت کو تم کہتی رہی اور اب اُس کے مُنہ سے بے اختیار آپ نکل گیا۔

"مَیں اس حویلی کے مالک کی بیوی ہوں" — اس عورت نے جواب دیا۔

"وہ کون ہیں؟" — رِشی نے پوچھا — "ان کا نام اور کام کاج کیا ہے؟"

"ان کا نام تمہیں خود ہی کسی وقت معلوم ہو جائے گا" — اس عورت نے جو ہاشمی کی بیوی تھی جواب دیا — "اور ان کا کام کاج ہندوستان اور پاکستان میں اسلام کی حفاظت ہے۔"

"لیکن مجھے دھوکے سے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" — رِشی نے جھنجھلا کر پوچھا — "میرے اغوا سے اسلام کی کیا خدمت ہو سکتی ہے؟"

"ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عزیز اور تمہارا خاوند ہندوستان

کے جاسوس ہیں" — ہاشمی کی بیوی نے کہا — "ظاہر ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ ہو۔"

"مَیں رات کو ان دونوں آدمیوں کو بتا چکی ہوں کہ عزیز اور میرے خاوند پر جاسوسی کا الزام بالکل غلط ہے" — رِشی نے پُرزور لہجے میں کہا

— "اگر مَیں کہہ دیتی ہوں کہ ہاں، یہ الزام صحیح ہے تو آپ لوگ کیا کریں گے؟"

"ہم تمہیں کوئی پند و نصیحت نہیں کریں گے" — ہاشمی کی بیوی نے کہا — "ہم وعظ نہیں کریں گے اور تمہیں قرآن کی آیتیں اور حدیثیں نہیں سنائیں گے اور ہم یہ بھی نہیں بتائیں گے کہ ہم کیا کریں گے۔"

"آپ ہی بتائیں" — رِشی نے روتی ہوئی آواز میں پوچھا — "مَیں کون سی قسم کھاؤں جس سے آپ کو یقین آ جائے کہ میرا خاوند اور عزیز انڈیا کے جاسوس نہیں۔"

"دیکھو بیٹی!" — ہاشمی کی بیوی نے کہا — "قسم خدا کی، رسُولِ خدا کی یا قرآن پاک کی کھائی جاتی ہے۔ تم لوگوں کے دِلوں میں ان تینوں کا ذرا سا بھی احترام نہیں۔ تم اگر ان تینوں کی بھی قسم کھا لو گی تو مَیں اپنے آپ کو گناہگار سمجھوں گی۔"

"گناہگار کیوں؟"

"کیا تم قرآنِ پاک کی کوئی ایک آیت سُنا سکتی ہو؟" — ہاشمی کی بیوی نے پوچھا۔

رِشی نے دو تین سیکنڈ خالی خالی نگاہوں سے ہاشمی کی بیوی کے چہرے پر نظریں جمائیں پھر اُس نے آہستہ آہستہ سر کو دائیں بائیں کی جنبش دی جس کا مطلب تھا، نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے چہرے پر شرمندگی کا تاثر آ گیا۔

"نماز تو تمہیں آتی ہو گی۔"

رِشی کا سر پھر اُسی طرح ہلا اور اُس کے چہرے پر شرمندگی کا جو تاثر آیا تھا وہ اور زیادہ گہرا ہو گیا۔

PakStuff.blogspot.com

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں" — ہاشمی کی بیوی نے کہا — "کہ یہاں تمہاری عزت محفوظ رہے گی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ میں تمہارے پاس آتی ہوں، میرا خاوند یا کوئی اور مرد تمہارے پاس آتا ہے۔ ہم تمہیں سونے کا پورا موقع دیں گے۔ ہندوستان میں آنے کا صحیح مقصد بتا دو تو تمہیں ہمارے آدمی وہیں چھوڑ آئیں گے جہاں سے لاتے تھے۔"

ہاشمی کی بیوی اُٹھ کھڑی ہوتی اور ناشتے کی ٹرے اُٹھا کر دروازے کی طرف چل پڑی۔ رشی نے اُسے پکارا، لیکن وہ نہ رُکی اور اُس نے دروازہ بند کر دیا۔

"آنٹی!" — رشی نے بند کواڑوں پر زور زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا — "خالہ جان!.... آنٹی!.... میری بات سن کر جائیں.... مجھے یوں بند نہ کریں۔"

اُسے دروازے کے باہر زنجیر چڑھنے کی آواز سنائی دی پھر اُسے ہاشمی کی بیوی کے جاتے ہوئے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی رہی۔ آخر وہ بھی دُور چلی گئی۔

انڈین انٹیلی جنس نے رشی کی گمشدگی کی تفتیش پولیس کے سی آئی اے کے شعبے کو دے دی لیکن خود بھی تلاش جاری رکھی اور یہ کام ایک ہندو افسر کے سپرد کر دیا۔

گزشتہ رات سب افسر اس پر متفق ہو گئے تھے کہ لڑکی کسی کے ورغلا[illegible] میں آ گئی ہے یا کسی کے ساتھ خود ہی مراسم پیدا کر کے چلی گئی ہے اور اغو[illegible] نہیں ہوئی۔ اب انٹیلی جنس اور سی آئی اے اس لائن پر چل پڑیں کہ لڑکی [illegible] مراسم کس کے ساتھ پیدا ہو سکتے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ رابی اور رشی کو د[illegible] ڈسکو کلبوں میں لے جایا گیا تھا جہاں رابی یہاں کی لڑکیوں میں اور رشی لڑکو[illegible] میں گھل مل گئے تھے۔ اس سے یہ شک پیدا ہوا کہ اسی دوران یعنی انہی چار دنوں میں لڑکی کسی کی محبت کو اپنے دل میں بٹھا بیٹھی یا کسی امیرزادے

نے اس لڑکی کو اپنے اعصاب پر سوار کر لیا پھر یوں ہوا ہو گا کہ لڑکی خود نکلی یا دوسری صورت میں اُس امیرزادے نے لڑکی کو کوئی دھوکہ دے کر ہوٹل سے باہر بلایا اور گاڑی میں بٹھا کر لے گیا۔

ان دو کلبوں پر شک ہوا تو دونوں کلب چلانے والوں کو تھانے بلایا گیا اور ان سے کلب کے باقاعدہ ممبروں کے نام اور پتے معلوم کئے گئے جو کلبوں کے رجسٹروں میں محفوظ تھے۔ کلبوں کے منتظمین سے کہا گیا کہ وہ کسی کو بھی پتہ نہ چلنے دیں کہ انہیں تھانے بلایا گیا تھا اور ممبروں کے نام پتے لئے گئے تھے۔

ان سے یہ بھی پوچھا گیا کہ ان ممبروں میں کوئی ایسے بھی ہیں جو بہت ہی نڈر، بدمعاش اور امیر کبیر ماں باپ کے بیٹے ہوں؟

"ہر طرح کے لوگ ہیں جناب!" — ایک کلب کے منیجر نے جواب دیا — "یہ تو آپ نے معلوم کر لیا ہے کہ یہ کلب شریف لوگوں کے لئے نہیں۔ یہاں ڈانس اور میوزک کے نام سے جو اُودھم مچتا ہے وہ کبھی آ کر دیکھیں۔ آپ نے دیکھا بھی ہو گا۔ جب یہ لڑکے اور لڑکیاں وہسکی، کاک ٹیل اور ہیروئن وغیرہ کے نشے میں ہوتے ہیں تو بھگوان بھی ان پر قابو نہیں پا سکتا۔"

"تم لوگ غور سے سُن لو" — انٹیلی جنس کے افسر بھاٹیہ نے جسے یہ تفتیش دی گئی تھی، دونوں کلبوں کے منتظمین سے کہا — "ہمیں مشتبہ چاہئیں۔ خود دیکھو کہ اتنا دلیر کون سا لڑکا یا کون سا گروہ ہو سکتا ہے جو لڑکی کو ورغلا کر یا کسی طرح پھانس کر اُڑا لے گیا ہو۔ اگر ذرا سا بھی شک ہوا کہ تم لوگ انہیں کور کر رہے ہو تو تمہاری باقی عمر جیل میں گزرے گی۔"

طے پایا کہ اگلے ویک اینڈ کی شام یعنی ہفتے کی شام دونوں کلب خصوصی ڈسکو نائٹ منعقد کریں گے۔

دونوں بعد دونوں کلبوں میں دلّی کے نوجوانوں کے ہجوم اکٹھے ہو گئے۔ یہ سب باقاعدہ ممبر تھے۔ رات گیارہ بجے کے بعد جب یہ نوجوان نشے میں بدمست ناچ گانے میں پوری طرح اُلجھ گئے تھے تو دونوں کلبوں میں پولیس اور انٹیلی جنس کے آدمی پرائیویٹ کپڑوں میں پہنچ گئے۔ دونوں

Pakistanipoint.com

کلبوں کے منتظمین نے کچھ نام لکھ کر رکھے ہوتے تھے۔ انہیں الگ کر لیا گیا اور جیپوں میں بٹھا کر انہیں پولیس ہیڈ کوارٹر لے گئے۔ یہ سب مشتبہ تھے۔ ان میں بعض انڈین گورنمنٹ کے افسرانِ اعلیٰ کے بیٹے تھے۔ کچھ سیٹھوں کی اولاد تھے۔ اینگلو انڈین بھی تھے اور ایک دو سمگلر قسم کے باپوں کے بیٹے تھے۔

سی آئی اے کے انٹیروگیشن سنٹر میں ٹارچر سیل بنے ہوتے تھے۔ ان لڑکوں کو ان میں لے گئے اور ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ لڑکے پوری رات، اگلا دن اور اس سے اگلی رات بھی گھروں سے غائب رہے تو ان کے ماں باپ انہیں ڈھونڈنے لگے۔ انہیں آخری بار کلبوں میں دیکھا گیا تھا۔ کلبوں کے منتظمین کہتے تھے کہ انہیں کچھ پتہ نہیں۔ کانوں کان یہ خبر باہر نکل گئی کہ لڑکے سی آئی اے کے پاس ہیں۔ معاملہ سیدھا مرکزی حکومت کے پاس چلا گیا۔ حکومت کی مشینری ہل گئی۔ انٹیلی جنس کے چیف سے پوچھا گیا تو پتہ چلا کہ لڑکوں کو کیوں سی آئی اے نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ بھارت نے اپنی انٹیلی جنس کو اتنے زیادہ اختیارات دے رکھے تھے اور خود انٹیلی جنس خصوصاً "را" نے ایسی پوزیشن حاصل کر لی تھی کہ وزیرِ اعظم اور صدر بھی ان کے آگے بے بس ہو جاتے تھے۔ یہ کوئی شریف لڑکے تو نہیں تھے کہ انہیں پکڑا نہ جاتا۔

ان سب کو چھڑانے کے لئے اُوپر سے بہت دباؤ پڑا لیکن انٹیلی جنس نے اپنی تسلی کر کے لڑکوں کو چھوڑا۔

اُدھر ہوٹل میں سی آئی اے اور انٹیلی جنس کے مُخبر بُوگیر کتوں کی طرح کسی سراغ یا کسی مشتبہ کی مُشک سُونگھتے پھر رہے تھے لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ پھر سی آئی اے اور انٹیلی جنس کے افسروں کی ایک اور میٹنگ ہوئی

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے" ـــــ انٹیلی جنس کے افسر بھاٹیہ نے افسروں کی میٹنگ میں کہا ـــــ "کہ ہم اس لڑکی کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں کہ دو محکمے صبح و شام اس کی تلاش میں مصروف ہیں .... میں چونکہ انٹیلی جنس کا آدمی ہوں اس لئے میں اس سوال کا جواب دینے کی بہتر پوزیشن میں ہوں۔

وہ ایک عام لڑکی ہے اور وہ پاکستانی ہے۔ اگر اُس کی حیثیت یہی ہوتی تو ہم اس کی گمشدگی اور اُس کے قتل میں بھی کوئی دلچسپی نہ لیتے۔ ہم دلچسپی اس لئے لے رہے ہیں کہ اس کا تعلق ہمارے محکمے کے ساتھ ہے۔ تعلق لاپتہ لڑکی کا نہیں بلکہ اس کے خاوند کا ہے جس سے لڑکی بے خبر ہے۔ ہمیں خطرہ صرف یہ ہے کہ کسی پاکستانی ایجنٹ نے اُسے نہ اُڑا لیا ہو۔"

"پاکستانی ایجنٹ نے کیوں اُڑایا ہو گا؟" ـــــ سی آئی اے کے ڈی ایس پی نے پوچھا۔

"لڑکی کو جاسوس سمجھ کر" ـــــ بھاٹیہ نے جواب دیا ـــــ "اگر ایسے ہی ہُوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کی کاؤنٹر انٹیلی جنس زیادہ تیز ہے۔ لڑکی کو اگر پاکستان تک پہنچا دیا گیا تو ہمارے پورے رِنگ کے پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔ اگر لڑکی کو انڈیا میں ہی ختم کر دیا جاتا ہے تو خطرہ کچھ کم ہو سکتا ہے۔"

"میرا خیال کچھ اور ہے" ـــــ انٹیلی جنس کے ایک افسر نے جو بھاٹیہ کا جونیئر تھا، کہا ـــــ "پاکستانی انٹیلی جنس کو تو جسے وہاں آئی ایس آئی کہتے ہیں، وہاں حکمرانوں نے اپنے سیاسی چکروں میں مصروف رکھا ہُوا ہے۔ وہاں انٹیلی جنس سے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔"

"یہ بالکل صحیح ہے" ـــــ بھاٹیہ نے کہا ـــــ "لیکن دشمن کو اتنا کمزور بھی نہ سمجھو۔ ہم پاکستان کی لمحہ بہ لمحہ اور ہر کونے کھدرے کی خبر رکھتے ہیں۔ تم بھی جانتے ہو کہ پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔ وہاں کا حکمران فوجی ہو یا سیاسی، وہ فوج، پولیس، ملٹری اور سول انٹیلی جنس کو اپنے اقتدار کو مستحکم اور لمبا کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ہر نیا پاکستانی حکمران ان چاروں محکموں کی کمانڈ اپنے مفادات کے مطابق تبدیل کرتا ہے، لیکن میں اپنے تجربے کی بنا پر آپ سب کو بتاتا ہوں کہ جہاں تک آئی ایس آئی کا تعلق ہے، اس کے متعلق کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں نہ رہنا۔ یہ پاکستان کی تینوں مسلح افواج کی مشترکہ انٹیلی جنس ہے اور پاکستان کی آرمی، نیوی اور ایئر فورس ہمیں اس طرح اپنا دشمن

Pakistanipoint.blogspot.com

سمجھتی ہیں جس طرح دیہات میں خاندانی دشمنیاں چلتی ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کی آئی ایس آئی اپنے حکمرانوں کا حکم ماننے پر مجبور ہے، لیکن اس کا اپنا ایک جذبہ بھی ہے ... صرف یہ یقین ہو جائے کہ لڑکی کو پاکستانی انٹیلی جنس نے غائب نہیں کرایا تو ہمارا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے، لڑکی ملے یا نہ ملے۔"

انڈین انٹیلی جنس اور سی آئی اے کی تفتیش اور سراغرسانی زور و شور سے جاری رہی۔ جہاں کہیں بھی انہیں ذرا سا شک ہوا، دونوں محکموں کے افسر وہاں تک پہنچے۔ انہوں نے اس طرح تفتیش کی جیسے زمین کی تہوں میں اُتر رہے ہوں لیکن لڑکی کا کہیں بھی سراغ نہ ملا۔

آٹھ دس دن گزر چکے تھے جب تفتیشی افسروں نے ڈسکو کلبوں سے کچھ لڑکے پکڑے تھے، اُس وقت رِشی ہاشمی کی حویلی کے اُسی کمرے میں تھی جس کمرے میں اُسے لے جایا گیا تھا اور اس کمرے میں اُس کا تیسرا دن تھا۔ اُسے کھانا وغیرہ ہاشمی کی بیوی دیتی تھی اور اس کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتی تھی۔ رِشی کو یہ خاتون بیت الخلاء اور غسل خانے تک لے جاتی تھی۔

ایک روز وہ رِشی کو حویلی کے تین چار کمروں میں لے گئی۔ رات کا وقت تھا۔ اُس نے رِشی کو ایک کمرہ دکھایا جس کے فرش پر دری بچھی ہوئی تھی۔ دریان میں ایک تپائی تھی۔ تپائی پر بچوں کے قاعدے اور سپارے پڑے ہوتے تھے۔

"یہ کمرہ محلے کے بچوں اور بچیوں کے لئے ہے" — ہاشمی کی بیوی نے رِشی کو بتایا — "یہاں میں ان بچوں کو قرآن پڑھاتی ہوں۔"

"کیا یہ آپ کا ذریعۂ معاش ہے؟"

"نہیں" — ہاشمی کی بیوی نے جواب دیا — "یہ میرا فرض ہے .... میں انہیں صرف پڑھاتی ہی نہیں بلکہ انہیں یہ تربیت دیتی ہوں کہ وہ کس قوم کے بچے ہیں اور اس قوم کا ماضی کیا ہے اور قوم کے حال اور مستقبل کو ماضی کے سانچے میں کس طرح ڈھالنا ہے۔ تیس پارے پڑھ لینے سے یہی کہا

جا سکتا ہے کہ ہمارے بچے نے قرآن ختم کر لیا ہے۔ میں قرآن کی رُوح کو بچوں کی روح میں اتارنے کی کوشش کرتی ہوں۔ قوم بچوں کی تعلیم و تربیت سے بنتی ہے۔ تعلیم و تربیت نہ ہو تو بچے اُسی سانچے میں ڈھل جاتے ہیں جس سانچے میں تم ڈھلی ہو۔"

رِشی نے چونک کر اس خاتون کی طرف دیکھا۔ اُسے یوں لگا جیسے اس خاتون کا چہرہ وہ نہیں رہا جو اُس نے پہلے روز دیکھا تھا۔ اب اس چہرے پر اُسے مقدس سا رُعب نظر آ رہا تھا اور رِشی پر مرعوبیت سی طاری ہو رہی تھی۔ رِشی نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اس مکان کو اچھی طرح دیکھ لے تاکہ کسی وقت اُسے یہاں سے نکل بھاگنے کا موقع مل جائے یا یہ لوگ اُسے نکال دیں تو وہ پولیس کو بتا سکے کہ اس مکان کی شناخت کیا ہے جس میں اُسے قید رکھا گیا تھا۔

"آپ کی اپنی اولاد بھی ہو گی!" — رِشی نے ہاشمی کی بیوی سے کہا — "آپ کے بچے جوان ہوں گے۔"

"نہیں!" — بیگم ہاشمی نے جواب دیا — "ہماری کوئی اولاد نہیں۔ اِن بچوں کو ہی ہم اپنی اولاد سمجھتے ہیں جو یہاں پڑھنے آتے ہیں۔"

"آپ اولاد سے محرومی کو محسوس تو بہت کرتی ہوں گی!" — رِشی نے کہا۔

"کبھی محسوس کیا تھا" — اس معزز خاتون نے کہا — "یہیں بیٹھ جاؤ" — اُس نے رِشی کو وہیں دری پر بٹھا لیا اور کہنے لگی — "لیکن یہ احساس تھوڑے ہی عرصے بعد ختم ہو گیا تھا۔"

"مایوس ہو کر صبر ہی کرنا پڑتا ہے" — رِشی نے کہا — "کہتے ہیں کہ مجبوری کا نام صبر ہے۔"

"لیکن میں نے اور میرے میاں نے اپنے آپ کو کوئی دھوکہ نہیں دیا" — بیگم ہاشمی نے کہا — "میں نے ڈاکٹروں کے اس فیصلے کو کہ میں اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں، حکمِ الٰہی کا درجہ دے کر تسلیم کر لیا تھا۔ میرے میاں کے دل میں میرا اتنا پیار تھا کہ صرف میں نے ہی نہیں بلکہ میرے والدین

Pdfstuff.blogspot.com

نے بھی انہیں کہا کہ وہ اولاد کی خاطر دوسری شادی کر لیں لیکن وہ نہ مانے۔ کچھ عرصہ ہم دونوں نے یہ خلش محسوس کی کہ ہمارے بچے نہیں ہوں گے لیکن ایک روز اچانک یہ خلش دل سے نکل گئی ....

"اس کا سبب یہ بنا کہ ساتھ والے محلّے کی ایک مسلمان لڑکی کالج میں پڑھتی تھی۔ ایک روز وہ کالج گئی اور واپس نہ آئی۔ تیسری رات تھانے سے لڑکی کے گھر اطلاع آئی کہ اُن کی بیٹی ایک ہوٹل کے کمرے سے ناجائز اور غیر قانونی حالت میں پکڑی گئی ہے .... اُس باپ کی حالت کا اندازہ کرو جو اپنی بیٹی کو اتنے ذلیل الزام سے چھڑانے گیا ہوگا۔ میرے میاں نے کچھ دنوں بعد بتایا تھا کہ اس لڑکی کے باپ کی حالت ٹی بی کے مریضوں جیسی ہو گئی ہے اس لڑکی کے پکڑے جانے کی خبر اخباروں میں بھی آئی تھی ....

"اُس وقت مَیں خود جوان تھی۔ مَیں نے دس جماعت تک تعلیم حاصل کی ہے۔ مَیں کوئی عالم فاضل نہیں۔ مَیں تو اپنے مذہب کی روایات اور اپنے معاشرے کی اقدار کی پابند ہوں .... پھر زمانہ ایسا بدلا کہ نوجوان لڑکے لڑکیاں اخلاقی قدروں سے بھٹکنے لگے، طرح طرح کے نشوں کے نشئی ہونے لگے اور بعض تو دین کے رہے نہ دنیا کے۔ انہیں دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ وہ بیٹی میری ہوتی جو ہوٹل کے ایک کمرے میں اپنے دوست کے ساتھ پکڑی گئی اور باپ اُسے تھانے سے گھر لایا تھا تو میری حالت پاگلوں سے بدتر ہو جاتی اور میرے میاں ٹی بی کے مریض ہو جاتے .... پھر مَیں نے اور میرے میاں نے سوچا کہ ہمارا کوئی بیٹا کسی نشے کا نشئی ہو جاتا، آوارہ اور بدچلن ہو جاتا تو مَیں اور میرے میاں جل جل اور کُڑھ کُڑھ کر وقت سے پہلے بڑھاپے یا دل کے کسی مرض کا شکار ہو جاتے اور اپنے اللہ کے آگے ہر وقت شرمسار رہتے کہ ہم نے اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت نہیں دی۔ ایسی اولاد سے بے اولاد ہی اچھے۔"

ہاشمی کی بیوی نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ لڑکی اُس کی مہمان نہیں۔ اس کے ساتھ وہ اس طرح باتیں کرتی رہی جیسے اُس کے پاس تعلیم حاصل کرنے آئی ہو۔ باتوں باتوں میں اُس نے رِشی کو اُٹھایا اور واپس اُسی کمرے میں لے گئی

جو اُس کا قید خانہ تھا۔

"آنٹی!" — رِشی نے کہا۔

"نہیں بیٹی!" — بیگم ہاشمی نے اُسے آگے بولنے نہ دیا — "مجھے خالہ کہہ لو۔ یہ لفظ آنٹی مجھے بہت بُرا لگتا ہے .... تمہارا نام تو مَیں نے ابھی تک پوچھا ہی نہیں۔"

"مجھے رِشی کہتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے تم مسلمان ہو" — ہاشمی کی بیوی نے کہا۔

"ہاں خالہ جان!" رِشی نے جواب دیا "مَیں مسلمان ہوں۔"

"وہ نام بتاؤ جو ماں باپ نے رکھا تھا" — بیگم ہاشمی نے کہا۔

"ماں باپ نے میرا نام راشدہ رکھا تھا" — رِشی نے جواب دیا۔

"جو قوم اپنی پہچان اور جو انسان اپنا نام بھول جاتا یا تبدیل کر لیتا ہے اُس کا یہی حال ہوتا ہے جس حال میں تم پہنچ چکی ہو" — بیگم ہاشمی نے بڑے ہی خوشگوار اور پُراثر لہجے میں کہا — "اب کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"میرے کہنے والی ایک ہی بات ہے خالہ جان!" — رِشی نے کہا — "میں کس جُرم میں پکڑی گئی ہوں؟ آپ کی باتیں سُنی ہیں جو آپ نے اُس کمرے میں کہی تھیں تو مَیں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتی کہ آپ بڑی ہی نیک اور دیانتدار خاتون ہیں، لیکن جس طریقے سے آپ نے مجھے اغوا کرایا ہے یہ دیکھتی ہوں تو آپ کے متعلق میری رائے بدل جاتی ہے۔"

"یہ جُرم کیا کم ہے کہ تم ہندوستان کے ایک جاسوس کے ساتھ اُس ملک کی سیر کو آئی ہو جو اسلام کا اور ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کا دشمن ہے" — بیگم ہاشمی نے کہا۔

"مَیں مرتے دم تک یہی کہتی رہوں گی کہ یہ جھوٹ ہے" — رِشی نے پُرزور طریقے سے کہا — "آپ کے متعلق میری غلط فہمی دُور ہو گئی ہے۔ اب میں یہ کہوں گی کہ میرا خاوند اور عزیز اگر انڈیا کے جاسوس ہیں تو مَیں نہیں جانتی۔ آپ کے پاس اگر کوئی ثبوت ہے تو مجھے بتا دیں۔ میرے پاس نہ اس

Pdfbooksfree.blogspot.com

کا کوئی ثبوت ہے کہ میرا خاوند انڈیا کا جاسوس بن گیا ہے نہ میں یہ ثابت کر سکتی ہوں کہ وہ انڈیا کا جاسوس نہیں۔ اگر وہ ہے بھی تو مجھے آپ نے کیوں قید میں ڈال دیا ہے؟"

اتنے میں ہاشمی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کی بیوی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاشمی کے اشارے پر وہ دروازے کی طرف چل پڑی۔ ہاشمی اُس کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلا اور باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ برآمدے میں ہی کھڑے کھڑے اُس نے اپنی بیوی سے رپورٹ لی۔ بیوی نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ لڑکی کے ساتھ کیا باتیں ہوتی ہیں اور وہ کیا کہتی ہے۔

ہاشمی نے بیوی کو اپنے کمرے میں بھیج دیا اور خود رِشی کے کمرے میں چلا گیا۔

"کیوں لڑکی!" — ہاشمی نے رِشی سے پوچھا — "یہاں سوائے قید کے اور کوئی تکلیف تو نہیں ہوتی؟"

"نہیں"۔

"کیا تمہارا یہ شک رفع ہو گیا ہے کہ ہم نے تمہیں کہیں غلط یا بے ہودہ مقصد کے لئے اغوا کیا ہے؟" — ہاشمی نے پوچھا۔

"جی ہاں" — رِشی نے جواب دیا — "وہ شک رفع ہو گیا ہے۔ آپ کی بیگم نے اپنے متعلق اور آپ کے خلاف کوئی شک نہیں رہنے دیا۔ اب میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ اپنے دل سے میرے خلاف شک اتار دیں۔ اب تو میں یہ کہوں گی کہ میں جاسوس نہیں اور میں نہیں جانتی کہ میرا خاوند اور عزیز جاسوس ہیں یا نہیں۔"

"تم جانتی ہو" — ہاشمی نے رُعب دار آواز میں کہا — "اور تم سب کچھ جانتی ہو۔ ہمیں صرف یہ بتا دو کہ اس وقت تک پاکستان کے خلاف کیا کیا خفیہ کارروائیاں ہو چکی ہیں اور پاکستان سے تم کس قسم کی انفارمیشن عزیز کو دے چکی ہو!"

رِشی نے اپنے سر کو زور زور سے ہلا ہلا کر انکار کیا۔ اُس کی حالت تو ایسی ہو گئی تھی جیسے تڑپ رہی ہو۔ وہ بار بار پوچھتی تھی کہ اُس پر شک کیوں کیا

جا رہا ہے۔

"اس لئے کہ پاکستان کا کوئی مسلمان یہاں دو چار دنوں کے لئے آ جاتے تو سی آئی ڈی کا پورا محکمہ اُس کے پیچھے لگ جاتا ہے" — ہاشمی نے کہا — "ایک تم اور تمہارا خاوند ہے جنہیں اُس ہوٹل میں ٹھہرایا گیا ہے جہاں دوسرے ملکوں کے حکمرانوں اور وزیروں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیا تم نے عزیز احمد سے کبھی پوچھا تھا کہ تمہاری حیثیت کیا ہے کہ تم نے ہمیں اتنے بڑے ہوٹل میں ٹھہرایا ہے؟ کیا تم نے اپنے خاوند سے بھی نہیں پوچھا کہ عزیز کو اور تم دونوں کو ایئرپورٹ سے ہوٹل میں لانے کے لئے جو مرسیڈیز گاڑی گئی تھی، وہ کس کی تھی؟ پاکستان میں تمہاری یا تمہارے خاوند کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں نہ تم انڈین گورنمنٹ کے سرکاری مہمان ہو.... جب تک صحیح بات نہیں بتاؤ گی تمہیں نہیں چھوڑا جائے گا۔"

رِشی کو ہچکی سی آئی اور وہ رونے لگ گئی۔ رونے کے سوا وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ہاشمی اُسے روتے دیکھتے رہا۔

"کیا آپ کو ایک مجبور اور بے بس لڑکی پر ذرا سا بھی رحم نہیں آتا؟" — رِشی نے روتے ہوئے کہا۔

"سن چھیالیس اور سنتالیس میں ہم پر کسی نے رحم نہیں کیا تھا" — ہاشمی نے کہا — "ہماری تم جیسی بیٹیاں ہندو اور سکھ اُٹھا لے گئے تھے۔ قوم کی وہ بیٹیاں تم جیسی ہی تھیں جن کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کیا گیا اور اُن کی برہنہ لاشیں کھیتوں اور گلیوں میں پھینک دی گئی تھیں.... کیا تم جانتی ہو کہ اس ملک کے کفار نے ہم سے پاکستان کی کیا قیمت وصول کی تھی؟"

ہاشمی نے اُسے تفصیل سے بتانا شروع کر دیا کہ مسلمانوں نے پاکستان کس طرح بنایا تھا اور ہندوؤں اور سکھوں نے کس طرح مسلمانوں کا خون بہایا اور اُن کے گھروں کو لوٹا اور جلایا تھا۔ ہاشمی تحریکِ پاکستان کو دُور پیچھے سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ مجاہدین تک لے گیا اور اس تحریک کے مجاہدین کی داستانِ جہاد سنائی پھر سنایا کہ مسلمان ۱۸۵۷ء میں اُٹھے مگر غداروں نے اور مسلمانوں کی بے مائیگی نے انہیں شکست سے دوچار کیا۔ اُس نے بتایا کہ ہندو اور سکھ

Pakistanipoint.com

بھی انگریزوں کے ساتھ مل گئے تھے۔

ہاشمی بڑے جذباتی انداز میں یہ سارے واقعات سُنا رہا تھا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں پر کیسے کیسے ستم ڈھاتے اور اس ملک سے اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لئے کیا کیا ڈھنگ کھیلے۔

رِشی پر سکتہ سا طاری ہُوا جا رہا تھا۔ جب ہاشمی نے اُسے یہ سنایا کہ تحریکِ پاکستان میں مسلمانوں کی اُس جیسی بیٹیوں نے میدان میں اُتر کر کیا رول ادا کیا تھا تو رِشی کے جسم نے جھرجھری لی۔ اُس نے دیکھا کہ کتنی بار ہاشمی کی آنکھوں میں جذبات کی شدّت سے آنسو آ گئے۔ وہ اپنے آپ میں تبدیلی سی محسوس کرنے لگی۔ اُس کی ذات میں کشمکش سی بپا ہو گئی۔

"انکل!" — رِشی نے دبی دبی سی آواز میں کہا — "آپ تو انڈین مسلم ہیں۔ مَیں حیران ہوں کہ آپ پاکستان کے متعلق اتنے زیادہ حسّاس اور جذباتی ہیں۔ آپ پاکستان کیوں نہیں چلے گئے یا اب کیوں نہیں چلے جاتے۔"

"ہم نہیں جائیں گے" — ہاشمی نے کہا — "پاکستان یہاں آئے گا۔ ہندو لیڈر اپنی قوم کو یہ بتا رہے ہیں کہ پاکستان ہندوستان کا حصّہ ہے اور اسے ہندوستان میں شامل کرنا ہے، لیکن ہم اپنے بچّوں کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ ہندوستان پاکستان کا حصّہ ہے اور یہ ایک اسلامی ملک ہے اور اس پورے ملک کو پاکستان بنانا ہے۔ ہم سب سے پہلے تم، تمہارے خاوند اور عزیز احمد جیسے غدّاروں کو خاک میں ملائیں گے.... سوچو اور مجھے سوچ کر جواب دو۔"

ہاشمی کمرے سے نکل گیا اور باہر سے اُس نے کواڑوں کی زنجیر چڑھا دی۔

❦

انہی دنوں کے دوران جب انڈین انٹیلی جنس اور پولیس رِشی کی گمشدگی کی تفتیش اور سراغرسانی کر رہی تھی، ایک روز عزیز کا باپ ادریس احمد، ہاشمی کے گھر آیا۔ ہاشمی اُسے گھر ہی مل گیا۔

"ہاشمی صاحب!" — ادریس احمد نے کہا — "آج ہی کسی نے بتایا ہے

کہ عزیز دِلّی آیا ہُوا ہے۔ مَیں اُسے ملنا چاہتا ہوں۔ عرصہ گزر گیا ہے آپ نے بتایا تھا کہ عزیز ہندوستان کی انٹیلی جنس کا ایجنٹ بن چکا ہے۔ اب اطلاع ملی ہے کہ وہ آیا ہے۔ مَیں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ گھر نہیں آتا اور اُس نے کہیں اپنی کوٹھی بنا لی ہے۔ وہ اب بھی گھر نہیں آئے گا لیکن میں اُسے ملنا ضرور چاہتا ہوں۔ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کس سے معلوم کروں کہ وہ کہاں رہتا ہے۔"

"کیا آپ اُسے راہِ راست پر لے آئیں گے؟" — ہاشمی نے پوچھا۔

"مجھے امید تو نہیں" — ادریس احمد نے کہا — "لیکن میں اُس کا باپ ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ ہم نے پاکستان کس طرح بنایا تھا۔ مَیں اُسے اپنے خون کا واسطہ دوں گا۔ ہو سکتا ہے میری بات یا میری آہ و زاری اُس کے دل میں اُتر جائے.... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اُس کے خلاف یہ الزام غلط ہی نکلے۔ ثبوت تو آپ کے پاس بھی کوئی نہیں۔"

"ادریس صاحب!" — ہاشمی نے کہا — "مجھے آپ پر اعتماد ہے پھر بھی وعدہ کریں کہ عزیز احمد سے آپ کی ملاقات ہو جائے تو میرے حوالے سے اُس کے ساتھ کوئی بات نہ کریں۔ مَیں آپ کو اُس کی کوٹھی دکھا دوں گا۔ آپ نے ٹھیک سُنا ہے کہ عزیز دِلّی میں آیا ہُوا ہے۔ مَیں نے اُسے دیکھا ہے۔"

"ہاشمی بھائی!" — ادریس احمد نے ہاشمی کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بیتابی سے کہا — "مَیں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہ ظاہر نہیں ہونے دوں گا کہ آپ نے مجھے عزیز کا ایڈریس یا سراغ دیا تھا۔ خدا کے لئے مجھے بتائیں آپ نے اُسے کہاں دیکھا تھا؟"

"مَیں نے اُسے اشوکا ہوٹل سے نکلتے دیکھا تھا" — ہاشمی نے کہا — "مَیں آپ کو اُس کی کوٹھی دکھا دوں گا۔ اگر وہ وہاں نہ ملا تو آپ اُسے اشوکا ہوٹل میں جا کر دیکھیں۔ وہ وہاں ٹھہرا ہو گا۔"

"کیا وہ اتنے بڑے اور اتنے مہنگے ہوٹل میں ٹھہر سکتا ہے؟" — ادریس احمد نے حیران سا ہو کے پوچھا۔

Pdfstuff.blogspot.com

"وہ اس سے بھی بڑے ہوٹل میں ٹھہر سکتا ہے" — ہاشمی نے کہا — "انڈین انٹیلی جنس اپنے مسلمان ایجنٹوں کو بہت ہی زیادہ پیسے دیتی ہے۔ آپ کا بیٹا تو پاکستان سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو پھانس کر لاتا ہے اور یہاں ان کی برین واشنگ کر کے انہیں پاکستان میں تخریب کاری کے لئے اور پاکستان میں نوجوان ذہن کو پاکستان کے خلاف گمراہ کرنے کے لئے ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اپنے اس قسم کے مسلمان ایجنٹوں کو تو یہاں کی انٹیلی جنس شہزادہ بنا کر رکھتی ہے۔"

"ہاشمی صاحب!" — ادریس نے کہا — "کیا آپ اُس کی کوٹھی دکھانے کے لئے مجھے ابھی لے چلیں گے؟"

"اس وقت نہیں" — ہاشمی نے کہا — "احتیاط کا تقاضا ہے کہ شام کے بعد چلیں اور میں آپ کو کوٹھی دکھا کر واپس آجاؤں۔"

"یہ بہتر ہے" — ادریس احمد نے کہا — "میں آپ کو پس پردہ رکھوں گا۔"

اُسی رات ساڑھے دس بجے کے لگ بھگ ہاشمی اور ادریس احمد عزیز احمد کی کوٹھی سے ذرا دور ٹیکسی سے اُترے۔ ہاشمی ادریس احمد کو عزیز کی کوٹھی کے قریب لے گیا اور اُسے کوٹھی دکھا کر واپس آگیا۔

کوٹھی کے گیٹ پر دو گلوب جل رہے تھے۔ برآمدے میں بھی روشنی تھی اور ایک دو کمروں میں بھی بلب روشن تھے۔ کوٹھی کے سامنے دو کاریں اور پانچ چھ موٹر سائیکل اور سکوٹر کھڑے تھے۔ کوٹھی تو چھوٹی سی تھی لیکن اتنی خوبصورت کہ جدید طرزِ تعمیر کا نمونہ تھی۔

ادریس احمد کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ اُس کے بیٹے کی کوٹھی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا کوٹھی کے گیٹ تک پہنچا اور وہاں رُک گیا۔ اُسے کوٹھی میں سے اُٹھتی ہوئی انگریزی موسیقی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ تیز موسیقی تھی۔ ڈرم کی دھب دھب بڑی صاف سنائی دے رہی تھی۔ ادریس احمد کے قدم جب کوٹھی کے گیٹ میں رُک گئے تو اس کوٹھی سے اور

کوٹھی کے سامنے کھڑی کاروں نے اُس پر مرعوبیت طاری کر دی۔ اُس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ آگے جائے یا واپس چلا جائے۔ اُس نے اپنے آپ کو یہ دھوکہ بھی دیا کہ یہ اُس کے بیٹے کی کوٹھی نہیں اور ہاشمی نے جھوٹ بولا ہے لیکن وہ ہاشمی کے پُرعظمت ماضی اور کردار سے واقف تھا۔ اُس کے ذہن میں ہاشمی کے یہ الفاظ گونجنے لگے کہ ایسے ایجنٹوں کو انڈین انٹیلی جنس شہزادہ بنا کر رکھتی ہے۔

ادریس احمد پر کچھ اور ہی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ کوٹھی کے اندر سے انگلش میوزک کے ساتھ ڈرم کی جو دھمک سنائی دے رہی تھی وہ ادریس احمد کے دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہو گئی۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ ڈرم نہیں بلکہ اس کے اپنے دل کی دھڑکن ہے۔

اُس کے قدم نہ آگے کو اُٹھ رہے تھے نہ پیچھے کو۔ اُس نے سر جھکا لیا اور وہ اپنے آپ میں ایسا گم ہو گیا کہ اُس نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کی آہٹ سُنی ہی نہیں۔ اگر سُنی تھی تو اُسے بھی وہ آرکسٹرا کے ڈرم کی دھمک یا دل کی دھڑکن سمجھا تھا۔

"فرمائیے صاحب!"

اس آواز نے ادریس احمد کو چونکا دیا۔ اُس نے جھکے ہوئے سر کو اُٹھایا اور دیکھا۔ اُس کے سامنے جو کھڑا تھا وہ اس کوٹھی کا ملازم معلوم ہوتا تھا۔

"یہاں کیسے کھڑے ہیں آپ؟" — ملازم نے پوچھا — "کس سے ملنا ہے؟"

"یہ عزیز احمد صاحب کی کوٹھی ہے نا؟"

"جی ہاں!" — ملازم نے جواب دیا — "فرمائیے۔"

"عزیز صاحب ہیں؟"

"جی ہاں" — ملازم نے جواب دیا — "موجود ہیں آپ کو اُن سے کوئی کام ہے؟"

PdfStuff.blogspot.com

"انہیں اطلاع دو کہ آپ کے والد صاحب آتے ہیں" ——
ادریس احمد نے کہا۔

ملازم کچھ کہے بغیر بڑی جلدی چلا گیا۔ دو منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ عزیز احمد بڑی تیز تیز چلتا ادریس احمد کی طرف آیا۔ باپ بیٹا ایک مدت بعد ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ عزیز کے چہرے پر مسرت کا ایسا تاثر تھا جیسے باپ کو دیکھ کر وہ بہت ہی خوش ہوا ہو لیکن ادریس احمد کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے جیسے وہ اپنے بیٹے کو پہچاننے کی یا نہ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُس کے چہرے پر اُس باپ کے تاثرات بھی تھے جیسے بڑی مدت بعد بچھڑا ہوا بیٹا نظر آیا ہو اور یہ جنگِ آزادی کے اُس مجاہد کے تاثرات بھی تھے جس کا بیٹا اپنے دشمن کا جاسوس بن گیا ہو۔

"ہیلو ابا جان!" —— عزیز احمد اپنے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے ادریس احمد کی طرف بیتابی سے بڑھتا آیا —— "آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیوں کی؟ میں کل صبح خود ہی گھر آ رہا تھا" —— اور دوسرے لمحے وہ باپ کو اپنے بازوؤں میں لے کر اُس کے سینے سے لگا ہوا تھا۔

باپ نے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے بیٹے کے گرد اپنے بازو لپیٹ دیئے اور اس کے آنسو بہہ نکلے پھر اُس کی سسکیاں نکلنے لگیں۔

"اندر چلتے ابا جان!" —— عزیز احمد نے کہا اور باپ کے پہلو کے ساتھ ہو گیا۔ اس نے اپنا بازو باپ کی کمر کے گرد لپیٹے رکھا اور اُسے دوسری طرف سے کوٹھی کے ایک اور کمرے میں لے گیا۔ اُس نے دروازہ تو بند کر لیا لیکن انگلش آرکسٹرا کی ہنگامہ خیز آواز آتی رہی اور اس کے ساتھ دوسری آوازیں بتا رہی تھیں کہ کوٹھی کے کسی کمرے میں کچھ لوگ جمع ہیں اور وہ ناچ گانے میں لگے ہوتے ہیں۔

یہ آوازیں ادریس احمد کو پریشان کر رہی تھیں۔ وہ کبھی اپنے بیٹے

کو اور کبھی اس کمرے کو یوں دیکھتا جیسے وہ کسی اجنبی جگہ میں آ گیا ہو اور ایک اجنبی کے پاس اُسے بٹھا دیا گیا ہو۔

"امی جان ٹھیک ہیں نا!" —— عزیز احمد نے بڑے شگفتہ اور جذباتی سے لہجے میں پوچھا۔ پھر اُس نے اپنی ہر ایک بہن کا نام لے لے کر خیریت پوچھی۔ پھر ادریس احمد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بڑے پیار سے مسلنے لگا اور پوچھا —— "ابا جان، آپ کی صحت کیسی رہتی ہے .... میں کل گھر آؤں گا۔"

"سب خیریت سے ہیں" —— ادریس احمد نے کہا —— "صرف تمہارے لئے ہم سب پریشان رہتے ہیں۔ کیا تمہیں ہم لوگ کبھی بھی یاد نہیں آتے؟ حساب کرو، کتنے سال گزر گئے ہیں" —— اُس پر رقت طاری ہو گئی اور وہ کچھ اور کہہ نہ سکا۔

"اب آ گیا ہوں ابا جان!" —— عزیز احمد باپ کی طرف لپکا اور بازو بچوں کی طرح اُس کی گردن میں ڈال کر بولا —— "اب باقی عمر آپ کے اور امی جان کے قدموں میں گزرے گی .... ملازمت ایسی ملی ہے کہ زیادہ عرصہ دلی سے باہر اور ملک سے بھی باہر گزارنا پڑا۔"

"ایسی کون سی ملازمت ہے؟" —— ادریس احمد نے پوچھا —— "کسی سفیر کے ساتھ ملک سے باہر چلے گئے تھے؟"

"ہے تو ٹورازم ڈیپارٹمنٹ" —— عزیز احمد نے جواب دیا —— "لیکن اس ڈیپارٹمنٹ کا سیکرٹری مجھ پر اتنا مہربان ہے کہ باہر بھی مجھے بھیج دیتا ہے بلکہ مجھے ہی باہر بھیجتا ہے .... اس کے علاوہ ابا جان، میں نے اپنا ایک بزنس بھی چلا رکھا ہے۔ یہ امپورٹ ایکسپورٹ جیسا بزنس ہے۔ اس کی مصروفیت الگ ہے۔"

باپ بیٹے کی ان باتوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ٹورازم ڈیپارٹمنٹ میں اتنا زیادہ باہر جانے کا امکان نہیں ہوتا جتنا عزیز بتا رہا تھا لیکن عزیز باپ کی محبت میں اس قدر جذباتی ہوا جا رہا تھا کہ ادریس احمد

Pdfstuff.blogspot.com

ہپناٹائز سا ہو گیا۔ ادریس احمد کی کمزوری یہ تھی کہ وہ باپ تھا۔ اُس کا دل کہتا تھا کہ اُس کے بیٹے کے خلاف جاسوسی کا الزام غلط ہے۔ اُسے ذرا سا بھی شک نہ ہُوا کہ اُس کا بیٹا چرب زبانی کی مہارت رکھتا ہے اور انڈین انٹیلی جنس کا تربیت یافتہ اور تجربہ کار ایجنٹ ہے۔ اپنے باپ پر جو اُس کی محبت میں دیوانہ ہُوا جا رہا تھا، اپنا جادو چلانا کوئی مشکل نہیں تھا۔

کوٹھی کے کسی کمرے میں آرکسٹرا اور کچھ آدمیوں کا اُودھم ادریس احمد کو پریشان کر رہا تھا لیکن اُس نے اپنی توجہ اپنے بیٹے پر مرکوز کر رکھی تھی۔

"عزیز بیٹا!" — ادریس احمد نے اپنے دل کو مضبوط کر کے کہا — "اپنے ماں باپ کی محبت کے صدقے میرا ایک وہم دُور کر دو۔ باپ خوش ہو جائے گا کہ بیٹے نے ساری عمر کے گلے شکوے دھو ڈالے ہیں .... اُڑتی اُڑتی سُنی ہے کہ تم انڈین جاسوس ہو۔"

عزیز احمد اُس گیند کی طرح کرسی سے اُچھلا جیسے فرش پر پٹخا گیا ہو۔

"وہ کون ہے جس نے آپ کے دل میں یہ وہم ڈالا ہے کہ مَیں ہندو جیسے مکار دشمن کا جاسوس ہوں؟" — عزیز احمد نے سخت غصیلے لہجے میں پوچھا — "کیا ادریس احمد کا بیٹا غدار اور ایمان فروش ہو سکتا ہے؟ .... مجھے اُس شخص کا نام بتائیں۔"

"مَیں نے سُنا ہے کہ تم اشوکا ہوٹل میں بھی قیام کرتے ہو" — ادریس احمد نے کہا — "اللہ کرے میرے بیٹے کے خلاف یہ الزام غلط ثابت ہوں، لیکن تمہیں ان دنوں اشوکا ہوٹل سے نکلتے دیکھا گیا ہے۔"

"اشوکا ہوٹل میں آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے" — عزیز احمد نے کہا — "غیر ملکی ٹورسٹ اسی ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں اور اُن کے ساتھ میرا تعلق ہوتا ہے .... لیکن ابا جان! مجھے یہ ضرور بتائیے کہ وہ کون ہے جو آپ کو میرے خلاف بھڑکا رہا ہے۔"

ادریس احمد ہاشمی کا حوالہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ یہ مان سکتا تھا کہ اُس کے بیٹے پر ہاشمی کا جو شک ہے وہ غلط ہے لیکن وہ یہ نہیں مان سکتا

تھا کہ ہاشمی نے کسی عداوت یا بدنیتی کی بنا پر اُس کے بیٹے پر الزام عائد کیا ہے کیونکہ اُسے یقین تھا کہ ہاشمی دل میں عداوت اور بدنیتی رکھنے والا آدمی نہیں۔

"ابا جان!" — عزیز نے پوچھا — "آپ کو میری کوٹھی کا ایڈریس کس نے بتایا تھا اور مجھے اشوکا ہوٹل سے نکلتے کس نے دیکھا تھا؟ .... یہ کوئی میرا دشمن معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ شک تو میرے دل میں بھی پیدا ہو سکتا ہے" — ادریس احمد نے کہا — "اس کا ثبوت تمہاری ضد اور تمہارا کردار ہے۔ تم نے جس طرح زندگی گزاری ہے اور جس طرح تم نے روپے پیسے کو اپنا دین اور دھرم بنا لیا تھا، اس سے میں اب بھی اس شک میں مبتلا ہوں کہ تمہاری یہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی ہوتی نہیں۔ یہ حلال کی آمدنی نہیں۔"

"ابا جان!" — عزیز احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا — "مَیں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں شریفانہ زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

ادریس احمد اُٹھ کھڑا ہُوا اور کسی اور کمرے میں کھُلنے والے دروازے تک گیا۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ یہ چھوٹا سا کاریڈور تھا جہاں کسی کمرے میں ہنسنے اور اُودھم مچانے کی بلند آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ عزیز اُس کے پیچھے گیا۔ ادریس احمد کاریڈور میں چلتا ایک اور دروازے تک پہنچا اور یہ دروازہ کھولا۔ سگریٹوں کے دُھوئیں اور شراب کی بدبُو کے ایک زوردار تھپیڑے نے اُسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

کمرے میں دس بارہ نوجوان اور جواں سال لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس کا کون سا مذہب ہے یا ان کا کوئی مذہب ہے بھی یا نہیں۔ یہ ڈسکو سوسائٹی کی نسل تھی۔ لڑکے لڑکیوں کے ساتھ بیہودہ اور حیا سوز حرکتیں اور باتیں کر رہے تھے۔ باہر کی شراب کی بوتلیں ایک طرف تپائی پر رکھی تھیں۔ کچھ کھانے کی چیزیں بھی رکھی تھیں۔ وہ کچھ دیر پہلے ناچ کر صوفوں وغیرہ پر گرے تھے۔ سب نشے کی حالت میں تھے۔ کیسٹ پلیئر ڈسکو

Eqfstuff.blogspot.com

میوزک کا ایک انگریزی گانا بڑی بلند آواز سے الاپ رہا تھا۔

عزیز احمد اپنے باپ کے پہلو میں آن کھڑا ہوا۔

"یہ سب ٹورسٹ ہیں ابا جان!" — عزیز نے کہا — "میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں .... یہ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"ہاں، ان کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں" — ادریس احمد نے کہا — "لیکن شراب کے ساتھ تمہارا گہرا تعلق ہے۔ تمہارے مُنہ سے شراب کی بُو آ رہی ہے .... یہ ہے تمہاری شریفانہ زندگی!"

ادریس احمد وہیں سے پلٹا، کاریڈور میں سے بڑا تیز تیز چلتا کوٹھی سے باہر نکل گیا۔

ادریس احمد اپنے گھر پہنچا۔ اُس کی بیوی بے تابی سے اُس کی منتظر تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کا خاوند بیٹے سے ملنے گیا ہے۔ باپ پریشانی کے عالم میں گھر میں داخل ہُوا۔ بیوی بڑے اشتیاق سے اُس کے پاس آ بیٹھی اور اُس سے پوچھا کہ بیٹا ملا یا نہیں!

ادریس نے بیٹے سے ملاقات کی ساری رُوداد سُنا دی۔

"تو اُسے بتا دینا تھا کہ یہ شک ہاشمی نے ڈالا ہے کہ ہمارا بیٹا پاکستان کے خلاف جاسُوسی کر رہا ہے" — ادریس احمد کی بیوی نے کہا۔

"چلو مان لیتے ہیں کہ وہ جاسوس نہیں" — ادریس احمد نے کہا — "لیکن جو منظر مَیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اس سے تو میں انکار نہیں کر سکتا۔ وہاں شراب پارٹی ہو رہی تھی اور میں نے وہاں جو بیہودگی دیکھی ہے وہ میں بیان کر چکا ہوں۔ یہ سب ناجائز ذرائع کی آمدنی ہے۔"

عزیز احمد کی ماں چونکہ ماں تھی اس لئے اپنے بیٹے کے خلاف اتنی زیادہ باتیں گوارا نہیں کرتی تھی۔ وہ اپنے خاوند کی منتیں کرنے لگی کہ وہ اُسے بیٹے سے ملوا دے۔ باپ غصّے میں بھی تھا اور پریشان بھی۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ وہ آئندہ اپنے بیٹے کی صورت بھی نہیں دیکھے گا۔

ان دونوں نے اسی ذہنی کیفیت میں رات گزار دی۔ اگلی صبح دس

بجے کے قریب ادریس احمد کہیں باہر چلا گیا اور اُس کے جانے کے کچھ دیر بعد عزیز احمد گھر آ گیا۔ گھر میں ماں تھی اور اس کی ایک شادی شدہ بہن آئی ہوئی تھی۔ ماں جس دیوانگی سے اپنے بیٹے کو ملی وہ ایسے ہی تھا جیسے کسی ماں کو اپنا دُودھ پیتا بچہ کچھ دنوں کی گمشدگی کے بعد مل گیا ہو۔ عزیز کو ماں نے اپنے بازوؤں سے نکالا تو وہ بہن کے بازوؤں کی گرفت میں آ گیا۔ ماں اور بہن نے اُس کا مُنہ اس طرح چُوما جیسے اُسے چاٹ رہی ہوں۔

"اتنا عرصہ کہاں رہے عزیز؟"

"شادی کر لی ہو گی۔"

"بیوی کہاں ہے؟ .... کیسی ہے؟ ایک دو بچے بھی ہوں گے۔"

"لاؤ نا اُنہیں بھی!"

"ہمیں وہاں لے چلو۔"

"تمہارے ابا جان نے بتایا تھا کہ تمہاری کوٹھی بہت خوبصورت ہے۔"

ماں اور بہن اُس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر رہی تھیں اور کسی سوال کے جواب کا انتظار نہیں کرتی تھیں۔ یہ اُن کی بے تابی کا عالم تھا۔

"تم نہ آتے تو ہم ابا جان کی طرح تمہاری کوٹھی میں پہنچ جاتیں" — عزیز کی بہن نے کہا۔

"ابا جان کو دیکھ کر مجھے جو خوشی ہوتی وہ مَیں بیان نہیں کر سکتا" — عزیز نے کہا — "لیکن کسی کے کہنے میں آ کر مجھ پر جو الزام لگایا ہے اس کی پریشانی کو بھی مَیں بیان نہیں کر سکتا .... کچھ سرکاری مہمان گورنمنٹ نے میرے حوالے کر دیئے تھے۔ وہ مسلمان نہیں تھے۔ ہندو اور اینگلو انڈین تھے۔ انہوں نے شراب پارٹی رچا دی۔ ابا جان اُس کمرے میں جا دھمکے اور مجھ پر ایک الزام یہ لگایا کہ میں انڈیا کا جاسوس ہوں اور دوسرا یہ کہ مَیں بھی شراب پیتا ہوں اور انہی لوگوں جیسی زندگی میری بھی ہے۔ میں تو گھر آ ہی رہا تھا۔ میں نے ارادہ یہ کیا تھا کہ آپ سب کو اپنی کوٹھی میں لے جاؤں گا۔ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ مَیں نے پکا فیصلہ کر رکھا ہے کہ میری شادی آپ اپنی پسند اور مرضی کے مطابق کرائیں گی .... گھر آ کر ابا جان نے کیا

Pakistanipoint.com

بتایا تھا؟"

عزیز کی ماں کا دل اُس کی اتنی سی باتوں سے ہی شیشے کی طرح صاف ہو گیا۔ الفاظ نے اتنا اثر نہ کیا جتنا اثر عزیز کے بولنے کے انداز نے دکھایا۔

"امی جان!" — عزیز نے ماں سے کہا — "میں اس لئے پریشان نہیں کہ ابا جان نے میرے خلاف ایک الزام کو صحیح مان لیا ہے۔ اصل پریشانی یہ ہے کہ ابا جان نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہے جس نے میرے باپ کے دل میں میرے خلاف نفرت پیدا کر دی ہے۔ اگر میں نے آج اُس آدمی کو نہ پکڑا تو کل وہ میری کسی نہ کسی بہن پر کوئی غلط الزام تھوپ دے گا۔ وہ شخص آپ کے دامادوں کو آپ کے خلاف کر سکتا ہے۔ خدا کے لئے امی جان ابا جان سے پوچھ کر مجھے بتائیں وہ کون ہے۔"

"میں بتاتی ہوں بیٹا!" — اُس کی ماں نے کہا — "اُس کا نام فرید الدین ہاشمی ہے۔ تمہارے ابا جان مجھے بتا چکے ہیں۔"

"یہ برابر کے محلّے والا ہاشمی؟" — عزیز احمد نے پوچھا — "وہ جن کی بہت بڑی حویلی ہے اور اس میں صرف میاں بیوی رہتے ہیں؟.... اُس شخص کو میرے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"دشمنی نہیں بیٹے!" — ماں نے کہا — "وہ اچھے لوگ ہیں۔ تمہارے ابا جان کے دوست بھی ہیں۔ اُن کی بیوی کے ساتھ میرے اچھے خاصے مراسم ہیں۔ یہ لوگ دراصل اُن جذباتی مسلمانوں میں سے ہیں جو امام مہدی کے آنے سے پہلے پہلے ساری دنیا میں اسلام پھیلا دینا چاہتے ہیں۔ جو مسلمان ان کی مخالفت کرتا ہے اُسے یہ ہندوستان کا جاسوس کہہ دیتے ہیں۔"

"کیا یہ ہاشمی یہاں کے مسلمانوں کا لیڈر تو نہیں بن بیٹھا؟" — عزیز نے پوچھا — "اس عمر میں اکثر بعض آدمی محلے کی مسجد کمیٹی کے ممبر بن جاتے ہیں اور اپنے آپ کو لیڈر سمجھنے لگتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے وہ اس قسم کے لیڈر تو نہیں ہیں" — ماں نے کہا — "مَیں یہ بتا سکتی ہوں کہ ہاشمی صاحب اُن ہندوستانی مسلمانوں میں سے ہیں جو پاکستان سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ پورے ہندوستان کو پاکستان بنانے

کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔"

"میں آؤں گا امی جان!" — عزیز نے اُٹھتے ہوئے کہا — "ابا جان نے آپ کو بتایا ہو گا کہ میں ایک سرکاری محکمے میں بڑے اچھے عہدے کا افسر ہوں۔ میں رات کے سرکاری مہمانوں کو بھگتا کر آؤں گا۔"

عزیز احمد کے رات کے مہمانوں میں رابی بھی تھا۔ رِشی کی گمشدگی کی سراغرسانی کے دوران عزیز کو کہا گیا تھا کہ وہ رابی کو اپنے گھر میں ٹھہرائے۔ اس کا عزیز کو اچھا خاصا الاؤنس ملتا تھا۔ وہ رابی کو اپنی کوٹھی میں لے گیا تھا۔ گزشتہ رات اس کوٹھی میں انگریزی ناچ گانے کی اور شراب نوشی کی جو محفل منعقد کی گئی تھی وہ رابی کی مزید برین واشنگ کا ایک ذریعہ تھا اور اُس کے دل سے رِشی کو اُتارنے کا ایک ذریعہ بھی۔

عزیز اپنے ساتھی ورما سے ملا اور اُسے ہاشمی کی اس الزام تراشی کے متعلق بتایا۔ رات ورما بھی جس کا رابی سے تعارف عبدالرحمٰن کے نام سے کرایا گیا تھا، عزیز کی کوٹھی میں موجود تھا۔ اُس نے عزیز کے باپ کے چلے جانے کے بعد پوچھا تھا کہ یہ کون تھا اور عزیز نے اُسے بتایا تھا کہ یہ اُس کا باپ تھا۔

"ورما بھائی!" — عزیز نے ماں سے ملنے کے بعد ورما سے کہا — "یہ پتہ چل گیا ہے کہ میرے ماں باپ کو کس نے بتایا ہے کہ میں انٹیلی جنس میں ہوں۔ اس کا نام فرید الدین ہاشمی ہے اور وہ ہمارے ساتھ والے محلّے میں رہتا ہے۔ محلّے میں کسی کو میری کوٹھی کا ایڈریس معلوم نہیں۔ یہ بھی ہاشمی نے میرے باپ کو بتایا ہے بلکہ وہ خود میرے باپ کے ساتھ میری کوٹھی تک آیا تھا۔ اس شخص نے مجھے اشوکا ہوٹل سے نکلتے بھی دیکھا تھا اور میرے باپ کو بتایا تھا.... مَیں سوچ یہ رہا ہوں کہ اس شخص پر رِشی کے اغوا کا شبہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔"

"کیا یہ ہاشمی بدمعاش لوگوں میں سے ہے؟" — ورما نے پوچھا — "کس ٹائپ کا آدمی ہے؟"

PdfStuff.blogspot.com

"جذباتی سا مسلمان ہے" — عزیز نے جواب دیا — "بدمعاش نہیں، نیک اور پارسا آدمی ہے۔ اتنی بڑی واردات کا اُس پر شبہ تو نہیں کیا جاسکتا، لیکن ان جذباتی مسلمانوں کا کچھ پتہ بھی نہیں۔ مجھے اپنی ماں نے اُس کے متعلق کچھ باتیں بتائی ہیں۔"

"ایسی بات ہے تو اس کا نام مشتبہوں میں لکھوا دیتے ہیں" — ورما نے کہا — "سی آئی اے یا اپنا انویسٹی گیشن سیل کھرا کھوٹا الگ الگ کر لے گا۔"

"نہیں" — عزیز نے کہا — "چونکہ وہ ہماری جان پہچان کے لوگ ہیں اس لئے مجھے ذرا اپنی مخبری کرنے دیں۔ مَیں مان نہیں سکتا کہ اس معزز آدمی نے اتنی جرأت کی یا کرواتی ہوگی۔ رِشی کا اغوا باقاعدہ پلان کا نتیجہ ہے.... مَیں تم سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ میں انہیں نظر انداز بھی نہیں کر سکتا۔ اگر میرا شک پکا ہوگیا تو چیف کو اس شخص کا اتا پتہ بتا دیں گے۔"

"عزیز بھائی!" — ورما نے کہا — "مَیں حیران ہوں کہ کس صفائی سے اس لڑکی کو اُڑایا گیا ہے۔ کبھی تو مجھے شک ہوتا ہے کہ لڑکی کو یہاں کا کوئی لڑکا پسند آیا ہے اور وہ اُس کے ساتھ چلی گئی ہے۔"

"یہ باتیں پہلے ہو چکی ہیں" — عزیز نے کہا — "ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ لڑکی کو کسی پاکستانی ایجنٹ نے نہ اُڑا لیا ہو۔ اگر وہ خود گئی ہے یا اُسے کسی نے عصمت فروشی کی خاطر اغوا کیا ہے تو ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

شام کھانے کے بعد ہاشمی اور اُس کی بیوی رِشی کے پاس اُس کمرے میں بیٹھے ہوتے تھے جو اُس کے لئے حوالات کا کمرہ بنا ہوا تھا۔ رِشی ابھی تک اپنی اس بات پر قائم تھی کہ اُسے بالکل معلوم نہیں کہ رابی اور عزیز انڈیا کے جاسوس ہیں۔ اُس کے دل پر اب ایسا کوئی بوجھ نہیں تھا کہ اُسے کسی غلط مقصد کے لئے اغوا کیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اُس کا یہ شک رفع ہوگیا تھا بلکہ وہ ہاشمی اور اُس کی بیوی سے ایسی متاثر ہوتی

تھی کہ اُس نے اپنی ذات میں اور اپنے خیالات میں تبدیلی محسوس کرنی شروع کر دی تھی۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ہاشمی کے سوا کوئی اور مرد اس کمرے میں نہیں آتا تھا اور ہاشمی آتا تھا تو اُس کا انداز بزرگوں جیسا ہوتا تھا۔

"کیا آپ آج مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں گے؟" — رِشی نے ہاشمی اور اُس کی بیوی سے کہا۔

"کیوں نہیں!" — ہاشمی نے کہا — "ہم تو چاہتے ہیں کہ تم کچھ کہو۔ تم نے ہمارا مقصد جان لیا ہے.... کہو کیا کہنا ہے۔"

"مَیں سمجھتی تھی کہ جس انداز سے میں زندگی گزار رہی ہوں یہی جینے کا انداز ہے اور باقی سب لوگ جاہل اور گمراہ ہیں" — رِشی نے اُداس سے لہجے میں کہا — "مَیں آپ کو تفصیل سے بتاتی ہوں کہ میری اور مجھ جیسی نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کی زندگی کیسے گزر رہی ہے۔"

"تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں راشدہ!" — ہاشمی نے کہا — "مَیں تمہیں رِشی نہیں کہوں گا۔ تم مسلمان ماں باپ کی بیٹی ہو۔ میں تمہیں اُسی نام سے پکاروں گا جو نام تمہیں ماں باپ نے دیا تھا.... تم جو مجھے بتانے لگی ہو وہ میں جانتا ہوں۔ تم ڈسکو سوسائٹی کی لڑکی ہو۔ یہ سوسائٹی ہندوستان میں بھی موجود ہے۔ اگر اس میں ہندو سکھ اور عیسائی شامل ہوتے تو ہمیں کوئی افسوس نہ ہوتا۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے بھی اس سوسائٹی میں شامل ہو گئے ہیں اور وہ اپنے مذہب سے بھی دستبردار ہو چکے ہیں۔ انگریزی گانے گانا، پاگلوں کی طرح انگریزی گانوں کے ساتھ ناچنا، بے حیائی کو جائز سمجھنا اور جنسی کھیل کھیلنا اس سوسائٹی میں جائز ہے۔ تم بچی ہو راشدہ! تم نہیں جانتیں کہ یہ اخلاق سوز کلچر کون پھیلا رہا ہے۔ ہماری دلچسپی صرف پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان نوجوانوں کے ساتھ ہے۔ چونکہ یہ نوجوان اپنے مذہب اور اپنی وطنیت سے منحرف ہو جاتے ہیں اس لئے دشمن ملک انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اگر تم نہیں جانتیں کہ تمہارا خاوند ہندوستان کا

Pdfstuff.blogspot.com

جاسوس ہے یا نہیں تو مجھ سے سنو۔ تمہارے خاوند کو اسی جال میں پھانس کر یہاں لایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے تمہارے خاوند کو روپے پیسے اور تم جیسی نوجوان اور حسین لڑکیوں کے چکر میں بھی ڈالا گیا ہو۔"

"اب میرے دماغ میں ایک بات آتی ہے" — رِشی نے کہا — "وہ مَیں آپ کو بتاتی ہوں۔ پاکستان میں عزیز کے ساتھ ایک لڑکی تھی جسے وہ اپنی بیوی بتاتا تھا۔ پھر لاہور میں اُس نے نبیلہ نام کی ایک لڑکی کے ساتھ ملوایا تھا۔ عزیز کی بیوی مریم کہتی تھی کہ نبیلہ اُس کی کزن ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں ہم عمر ہیں اور خاصی خوبصورت ہیں۔ اب مجھے خیال آتا ہے کہ وہ بہت ہی تیز طرار ہنستی مسکراتی اور چالاک لڑکیاں ہیں۔ اب مجھے یاد آتا ہے کہ یہ دونوں رابی کو اپنے ساتھ لگائے رکھتی تھیں۔ رابی شام کے بعد گھر سے چلا جاتا اور رات دیر سے آیا کرتا تھا۔ وہ باہر جانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ بنا لیتا تھا۔ پھر میں نے اُس کے پاس اتنے زیادہ پیسے دیکھے تھے جو مجھے یقین ہے کہ اُس کے ماں باپ نے اُسے نہیں دیتے تھے۔"

"کیا عزیز کی بیوی اُس کے ساتھ آتی ہے؟" — ہاشمی نے پوچھا۔

"نہیں!" — رِشی نے جواب دیا — "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ نہیں لایا۔"

"اب کہو" — ہاشمی نے کہا — "تم کچھ کہنا چاہتی تھیں .... میرا خیال ہے کہ تم جان گئی ہو کہ عزیز اور تمہارے خاوند پر ہمارا الزام یا شک غلط نہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں" — رِشی نے کہا — "مَیں آپ سے درخواست کروں گی کہ میں جو بات کہنے لگی ہوں اس پر ہمدردی سے غور کریں .... مَیں نے اسی سو ساٹھ میں آنکھیں کھولی تھیں جس کا ابھی ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔ اپنا باپ مجھے اچھی طرح یاد نہیں، میرے بچپن میں ہی مر گیا تھا۔ مَیں اپنے باپ کا نام احترام سے نہیں لوں گی۔ دِلّی آنے سے کچھ دن پہلے تک میں اپنے باپ کو یاد کرتی رہی ہوں کہ میرا باپ نہیں ہے لیکن یہاں آنے سے پہلے مجھے کچھ ایسی باتوں کا پتہ چلا جن سے

میرے دل سے اپنے باپ کا اور اپنی ماں کا بھی احترام نکل گیا۔ مجھے پتہ چلا کہ میرا باپ پاکستان گورنمنٹ میں اونچے درجے کا افسر تھا۔ وہ سرکاری روپے پیسے میں غبن کا ماہر تھا۔ رشوت خور بھی تھا اور جعل ساز بھی۔ وہ کئی بار پکڑا گیا اور میری ماں جو عمر کے لحاظ سے میرے باپ سے خاصی چھوٹی تھی، خوبصورت اور چالاک بھی تھی، میرے باپ کو پکڑنے والے افسروں سے مل کر کیس دبوا لیتی تھی۔"

رِشی نے ہاشمی اور اُس کی بیوی کو تفصیل سے سنایا کہ اُس کی ساس نے کس طرح اُس کی ماں کی بے عزتی کی اور اُسے کہا تھا کہ میری ماں میرے سسرال میں نہ آیا کرے۔ رِشی نے یہ بھی سنایا کہ اُس نے اپنی ساس سے کہا کہ وہ اپنی ماں کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی تو ساس رِشی پر برس پڑی اور بولی کہ میں تمہیں بڑی مشکل سے اپنے گھر میں برداشت کر رہی ہوں۔

"میری ماں چلی گئی" — رِشی نے رابی اور اپنی ماں کی لڑائی کی تفصیل سنا کر ہاشمی اور اُس کی بیوی کو بتایا — "مَیں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جب میرا خاوند گھر آیا تو میں نے بڑے غصے سے اُسے بتایا کہ اُس کی ماں نے میری ماں کو کس قدر گھٹیا اور ناقابلِ برداشت باتیں کہی ہیں۔ میں نے اُسے وہ ساری باتیں سنائیں۔ میرے خاوند نے کہا کہ اُس کی ماں نے جتنی بھی باتیں کہی ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ مَیں نے خاوند سے کہا کہ وہ میرے باپ اور میری ماں کا ماضی مجھے کھل کر سناتے .... اُس نے مجھے وہ باتیں بھی سنا دیں جو اُس کی ماں نے میری ماں سے نہیں کہی تھیں۔ میرے خاوند نے مجھے یہ بھی کہا کہ اس سوال کا جواب تو تمہاری ماں بھی نہیں دے سکتی کہ تم کس کی بیٹی ہو ....

"خاوند نے مجھے جو کہانیاں سنائیں ان سے میں یہی سمجھی کہ میرے والدین بڑے اونچے درجے کی عصمت فروشی کرتے رہے ہیں۔ اُن کی جتنی بھی جائیداد ہے وہ سب رشوت، غبن اور بدعنوانی کے ذریعے بنائی گئی ہے۔ اپنے ماں باپ کے گناہوں کی یہ داستان سُن کر مجھے بہت

PdfSHUFF.blogspot.com

دُکھ ہُوا۔ آپ مجھے شریف لڑکی نہیں کہیں گے، لیکن میں جس سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہوں اس میں بھی شرافت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سوسائٹی میں شرافت کا معیار کچھ اور ہے۔ اسے وقار کہہ لیں، پریسٹیج کہہ لیں۔ میں اگر آپ کے اخلاقی پیمانوں کے مطابق شریف نہیں تو بھی یقین جانیں کہ مَیں نے اپنے آپ کو اتنی گھٹیا سطح تک نہیں گرایا تھا۔ مَیں نے اپنے خاوند کے مُنہ سے ماں باپ کی یہ باتیں سُن کر خاوند کا شکریہ ادا کیا کہ اُس کے دل میں میری محبت پیدا ہو گئی تھی اور اسی محبت کی خاطر اُس نے اپنی ماں کو ناراض کر کے میرے ساتھ شادی کر لی ہے ....

"میرے خاوند نے میرا شکریہ قبول نہ کیا۔ اس کی بجائے اُس نے بڑے صاف الفاظ میں مجھے کہا کہ مَیں نے تمہارے ساتھ اُس محبت کی خاطر شادی نہیں کی جو تم فلموں اور ناولوں کی کہانیوں میں پڑھتی رہی ہو۔ مجھے تو تمہارا جسم اتنا اچھا لگا تھا کہ میں نے اسے اپنی ملکیت میں رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔"

رِشی کے آنسو نکل آئے اور اُس کا سر جُھک گیا۔ ہاشمی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اُس کی بیوی نے اُٹھ کر رِشی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس اپنائیت اور ہمدردی نے رِشی کے جذبات کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

"مَیں کون ہوں خالہ جان؟" — رِشی نے ہاشمی کی بیوی سے لپٹ کر روتے ہوئے کہا — "مَیں کیا ہُوں؟ مَیں کہاں سے آئی تھی، کہاں جا رہی ہوں؟ مجھے کوئی نہیں بتاتا۔ مجھے اپنے راستے کا علم نہیں، اپنی منزل کا علم نہیں۔ مَیں جسے اپنا باپ سمجھتی تھی وہ کچھ اور نکلا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ میری رگوں میں کس کا خون ہے۔ اپنی ماں کو میں کیا سمجھتی تھی اور وہ کیا نکلی۔ میں خوش تھی کہ میرے ساتھ تعلقات پیدا کرنے والے سینکڑوں لڑکوں میں ایک رابی ہے جس کے دل میں میری محبت ہے، لیکن وہ بھی میرے جسم کا خریدار نکلا۔"

"تم ابھی بچی ہو" — ہاشمی کی بیوی نے کہا — "اس دنیا کو اور دنیا کے انسانوں کو اور ہر انسان کے دل میں چھُپے ہُوئے بھید کو جاننے کے لئے تم ابھی کمسن ہو۔ اپنے دل کو اتنا دکھی نہ کرو۔ ہم نے تمہیں سچ بولنے پر اُکسایا ہے۔ یہی وہ سیدھا راستہ ہے جو ہم تمہیں دکھا سکتے ہیں۔"

"اور ہم تمہیں تمہاری منزل بھی دکھا دیں گے" — ہاشمی نے کہا — "اور اُس منزل تک پہنچا بھی دیں گے۔"

رِشی اور زیادہ رونے لگی۔ اُس نے اپنا سر ہاشمی کی بیوی کی آغوش میں پھینک دیا۔ اس معزز خاتون نے اُسے بہلا لیا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں" — رِشی نے بڑی لمبی آہ بھر کر کہا — "مَیں کچھ نہیں سمجھتی، کچھ نہیں جانتی۔ مَیں آپ کو کچھ اور سمجھتی تھی اور آپ کچھ اور نکلے۔ مَیں نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ جو آدمی مجھے ہوٹل سے دھوکے میں لے گیا تھا وہ جوان آدمی تھا۔ راستے میں گاڑی میں جو دو آدمی بیٹھے تھے وہ بھی جوان تھے۔ وہ مجھے کہیں اور لے جا سکتے تھے۔ اُنہیں بھی میرا جسم اچھا لگا ہو گا، لیکن وہ مجھے ایک امانت کے طور پر آپ کے حوالے کر کے چلے گئے .... انکل! آپ اتنے بوڑھے تو نہیں۔ آپ کی نیت بھی مجھ پر خراب ہو سکتی تھی، لیکن آپ نے مجھے اپنی بیٹی کہا اور خالہ نے مجھے اسلام کی بیٹی کہا۔ مَیں تو انکل سے اور اس گھر میں لانے والوں سے یہ کہنا چاہتی تھی کہ مَیں کوئی شریف اور کنواری لڑکی نہیں۔ میرے جسم کو نوچ لو اور جب طبیعت بھر جائے تو جہاں بیچنا چاہتے ہو بیچ ڈالو۔ میرے پاس اپنا جسم تھا۔ میں اپنی رہائی کے لئے یہی پیش کر سکتی تھی، لیکن ہُوا وہی کہ میں سمجھی کچھ اور، اور نکلا کچھ اور۔ مَیں آپ کو سچ بتاتی ہوں کہ میرا فیصلہ کیا ہے۔ فیصلہ یہ ہے کہ آپ مجھے اس گھر سے نکالیں گے تو بھی مَیں یہاں سے نہیں نکلوں گی۔"

"نہیں بیٹی!" — ہاشمی نے کہا — "تمہیں یہاں سے ایک نہ ایک دن جانا ہی ہو گا۔ ہم تمہیں رکھ نہیں سکیں گے۔ ہم نے تمہیں اغوا کیا ہے اور یہ جُرم ہے۔ اگر تم یہاں کسی عدالت میں [illegible] دے دو کہ تم اپنی

PakistaniPoint.blogspot.com

مرضی سے یہاں آئی ہو تو یہ تمہارا جرم ہو گا کہ تم اپنے خاوند کو چھوڑ کر بغیر طلاق کے بھاگی ہو۔ دوسری مشکل ہمارے لئے یہ پیدا ہو گئی ہے کہ تم یہاں کی حکومت کا قیمتی مال ہو۔ تمہارا تعلق انٹیلی جنس کے ساتھ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تمہیں اپنی یا اپنے خاوند کی اس حیثیت کا علم نہیں۔ اگر تم ہمارے قبضے سے برآمد ہوئیں تو ہندوؤں کی حکومت مجھے اور میری بیوی کو بغیر مقدمے کے یا ہم پر پاکستانی جاسوس کا لیبل لگا کر ساری عمر کے لئے جیل میں ڈال دے گی۔ ہمیں اُس وقت تک تشدد کا تختۂ مشق بنا کے رکھا جاتے گا جب تک ہم اُن سب کی نشاندہی نہیں کر دیتے جو تمہیں یہاں لاتے تھے۔"

"نہیں" — رِشی نے کہا — "مَیں آپ کو ایسے جہنم میں نہیں ڈالوں گی ... لیکن یہ سوچ بھی آتی ہے کہ مَیں واپس جاؤں گی تو وہ مجھ سے پوچھیں گے کہ تم کہاں گئی تھیں" — وہ بولتے بولتے چُپ ہو گئی اور اُس نے یوں چونک کر ہاشمی کی طرف دیکھا جیسے اُسے اچانک کچھ یاد آ گیا ہو۔ کہنے لگی — "آپ مجھے یہاں آزاد کرنے کی بجائے کسی طرح پاکستان بھجوا دیں۔ اگر میرا خاوند جاسوس ہے تو ہو سکتا ہے اُس کا باپ بھی جاسوس ہو۔ میں انہیں پکڑوا دوں گی۔ مَیں آپ کی محبت کی خاطر اپنا مستقبل قربان کر دوں گی۔"

"ہماری محبت کی خاطر نہیں" — ہاشمی نے کہا — "پاکستان کی محبت کی خاطر اور ہندوستانی مسلمانوں کی محبت کی خاطر۔"

"مجھے کہنا تو یہی چاہیئے تھا" — رِشی نے کہا — "مَیں نے شاید یہ اس لئے نہیں کہا کہ میرے دل میں پاکستان کی اور ہندوستانی مسلمانوں کی محبت یہاں آ کر پیدا ہوتی ہے اور یہ آپ نے پیدا کی ہے۔"

"تم نے اپنے والدین کے متعلق تو بہت کچھ بتا دیا ہے" — ہاشمی نے کہا — "مجھے صرف اپنے سُسر کا ایڈریس بتا دو اور یہ بھی کہ وہ کون سے محکمے میں افسر ہیں۔"

رِشی نے رابی کی کوٹھی کا صحیح ایڈریس بتا دیا اور یہ بھی کہ رابی کا باپ ایسے نازک محکمے کا اعلیٰ افسر ہے جس کا تعلق پاکستان کے دفاع اور دفاعی پالیسیوں کے ساتھ ہے۔ رِشی نے پوچھے بغیر اپنی ماں کا ایڈریس بھی بتا دیا۔

اُس نے یہ سب کچھ بتا تو دیا، لیکن ہاشمی کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے یہ تصدیق کی جاتی کہ رِشی نے جو بتایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی رہائی کے لئے غلط ایڈریس دے رہی ہو۔

دروازے کی گھنٹی بجی۔ ہاشمی اور اُس کی بیوی کمرے سے نکل گئے اور اُنہوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ ہاشمی باہر چلا گیا۔ باہر عبدالقدیر کھڑا تھا۔ ہاشمی اُسے اندر لے آیا اور وہ بیٹھنے والے کمرے میں جا بیٹھے۔

ہاشمی اور اُس کی بیوی کی رِشی کے ساتھ جو باتیں ہوئی تھیں وہ ہاشمی نے عبدالقدیر کو سنائیں۔ عبدالقدیر چونکہ انٹیلی جنس کا پرانا آدمی تھا اس لئے اُس کی سوچ اور نظر ہاشمی کی نسبت زیادہ گہری تھی۔ اُس کا خیال یہی تھا کہ لڑکی رہائی کی خاطر غلط ایڈریس دے رہی ہے اور اُس کا رونا اُس طرح کا جذباتی نہیں جس طرح وہ ظاہر کرتی ہے بلکہ اُس کا رونا دھوکہ ہے۔ عبدالقدیر نے کہا کہ آج وہ خود رِشی سے تفتیش کرے گا۔

ہاشمی اُسے رِشی کے کمرے میں لے گیا اور عبدالقدیر نے اُس سے انٹیلی جنس کے انداز سے تفتیش شروع کر دی۔ یہ ایک خاص انداز ہوتا ہے جس میں مشتبہ یا ملزم کے جوابوں سے سوال نکالے جاتے ہیں اور ایک ہی سوال گھما پھرا کر بار بار پوچھا جاتا ہے۔ ملزم کی ذہنی حالت ایسی بگڑنے لگتی ہے کہ اُس پر تشدد کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اکثر سخت جان ملزم سوال و جواب کے اس انداز سے بھی راز اُگل دیتے ہیں، رِشی تو کمزور سی لڑکی تھی۔ وہ ایک گھنٹے کی تفتیش سے ہی تنگ آ کر رو پڑی۔

عبدالقدیر کو یقین ہو چلا تھا کہ اس لڑکی سے وہ جو راز لینا چاہتا ہے وہ اس کے سینے میں نہیں۔ اُس نے یہ سلسلہ کچھ دیر اور جاری رکھا اور اس کمرے سے نکل کر ہاشمی کے پاس بیٹھنے والے کمرے میں چلا گیا۔

دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ ہاشمی باہر نکلا۔ وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ باہر عزیز کھڑا تھا۔

Pakistanipoint.blogspot.com

"آؤ عزیز میاں!" — ہاشمی نے پُرتپاک طریقے سے عزیز کا استقبال کیا اور بولا — "اتنی مدت بعد تم کدھر آ نکلے؟"

ہاشمی نے اُس کا استقبال تو بڑی مسرت سے کیا لیکن اندر سے وہ ہل گیا کہ یہ یہاں آ نکلا ہے اور اس کا آنا بلا مقصد نہیں ہو سکتا۔ ہاشمی نے بڑی تیزی سے سوچ کر یہ فیصلہ کیا کہ اسے اندر بٹھایا جائے، شاید عبدالقدیر اس کے ارادے اور اس کی نیت کو بھانپ سکے۔

عزیز ہاشمی کے گلے لگ گیا جیسے وہ والہانہ انداز سے اپنے باپ سے ملا تھا۔

"ابا جان نے بتایا تھا کہ آپ مجھے بہت یاد کرتے ہیں" — عزیز احمد نے کہا — "آپ تو میرے بزرگ ہیں۔ مَیں خاص طور پر آپ کی دعائیں لینے آیا ہوں۔"

"تو اندر آؤ نا عزیز میاں!" — ہاشمی نے کہا اور اُسے اُس کمرے میں لے گیا جہاں عبدالقدیر بیٹھا ہُوا تھا۔

عزیز عبدالقدیر کو اچھی طرح جانتا تھا اور عبدالقدیر اُسے جانتا تھا۔ عزیز کو معلوم تھا کہ عبدالقدیر انڈین انٹیلی جنس میں رہ چکا ہے لیکن اُسے یہ بھی یقین تھا کہ عبدالقدیر کو معلوم نہیں کہ عزیز انٹیلی جنس کا ایجنٹ ہے۔ عبدالقدیر کے متعلق عزیز کو یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اندرونِ ملک انٹیلی جنس کی ڈیوٹی دیتا تھا اور وہ اس محکمے کا باقاعدہ ملازم تھا اور اُسے پاکستان کا کبھی کوئی جاسوسی مشن نہیں دیا گیا تھا۔

عبدالقدیر عزیز سے بڑے پیار سے ملا اور اُس کے باپ کے حوالے سے اُس کی ذات میں دلچسپی کا اظہار کیا۔

"کہو عزیز بیٹے!" — عبدالقدیر نے پوچھا — "کیا ہو رہا ہے آج کل؟ کہیں نوکری کر رہے ہو یا کاروبار کا کوئی سلسلہ ہے؟"

عزیز نے وہی جواب دیا جو اپنے باپ کو دے چکا تھا کہ وہ ٹورازم کے محکمے میں اچھے عہدے پر لگا ہُوا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنا

ایک کاروبار بھی چلا رہا ہے۔ عزیز نے عبدالقدیر اور ہاشمی سے اُن کی اور ان کے گھر والوں کی خیر خیریت اس طرح پوچھی جیسے وہ اتنی لمبی مدت سے ان سب کے لئے فکرمند رہا ہو۔

"میں ساڑھے تین سال سے کچھ زیادہ عرصہ ملک سے باہر رہا ہوں" — عزیز احمد نے کہا — "واپس آ کر دیکھا ہے کہ مسلمانوں کی حالت ان ہندوؤں نے پہلے سے کچھ زیادہ ہی خراب کر دی ہے۔ یہ دیکھ کر بہت دُکھ ہُوا۔"

"ہونا چاہیئے" — ہاشمی نے کہا۔

"کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لئے کچھ کرنا چاہیئے؟" — عزیز نے کہا — "اتحاد کی ضرورت ہے۔ یہاں کے مسلمان کمزور تو نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ ہی بسم اللہ کریں۔ مَیں جس قدر تعاون کر سکتا ہوں کروں گا۔ مَیں نے ابا جان سے بھی کہا ہے کہ وہ اس طرف توجہ دیں۔"

اس موضوع پر عزیز احمد نے پُرجوش باتیں کیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے عزیز پورے بھارت کو فتح کر لینے اور یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم کر دینے کے لئے بے تاب ہو اور وہ صرف ذرائع پیدا کرنے کے لئے گلی گلی گھوم پھر رہا ہو۔

عبدالقدیر نے ہاشمی کی طرف دیکھا اور آنکھ کا ہلکا سا اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ محتاط ہو کر بات کرنا۔

PdfStuff.blogspot.com

عزیز احمد بے شک انڈین انٹیلی جنس کا تربیت یافتہ جاسوس تھا۔ ہندوؤں کی طرح وہ طبعاً بھی فریب کار اور عیار تھا، لیکن اُس کا یہ سمجھنا کہ جن دو آدمیوں پر وہ اپنا جادو چلانے آیا ہے وہ اُس کی جادوگری کو قبول کر لیں گے، اُس کی خوش فہمی تھی۔ یہ جانتے ہوتے کہ عبدالقدیر بھی انٹیلی جنس میں رہ چکا ہے، عزیز خوش فہمی میں مبتلا رہا۔ اُس نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ دو بزرگ افراد یہ تو ضرور سوچیں گے کہ عزیز کے دل میں اچانک مسلمانوں کی ہمدردی اور ہندوؤں کے خلاف جذبہ کیسے پیدا ہو گیا ہے۔ عزیز نے یہ بھی نہ سوچا کہ لڑکپن سے اُس کی شہرت اچھی نہیں بلکہ وہ آوارہ اور بدنام نوجوان مشہور تھا اور دِلی کی اس آبادی کے مسلمان اُس سے اچھی طرح واقف تھے۔

ہاشمی اور عبدالقدیر نے اُس کے متعلق یہ باتیں سوچی تھیں یا نہیں، عزیز نے بہرحال ان کے پاس آکر جرأت کا مظاہرہ کیا تھا۔

ہاشمی کچھ کہنے لگا تھا لیکن عبدالقدیر نے اُسے ہلکا سا اشارہ کیا کہ وہ چُپ رہے۔ عبدالقدیر نے یہ بہتر سمجھا تھا کہ عزیز کو بولنے کا موقع دیا جائے۔

"ہاشمی صاحب!" — عزیز نے کہا — "مَیں آپ کا شکر گزار ہُوں۔ آپ نے میرے ابّا جان کو میری کوٹھی تک پہنچایا تھا.... آپ کو میرا ایڈریس کس طرح معلوم ہُوا تھا؟"

"یہ محض اتفاق کی بات ہے" — ہاشمی نے جواب دیا — "مَیں دو چار روز پہلے اُدھر سے گزر رہا تھا تو تمہیں وہاں دیکھا تھا۔"

"ابّا جان نے بتایا تھا کہ آپ نے مجھے اشوکا ہوٹل میں بھی دیکھا تھا"

— عزیز نے کہا۔

"یہ بھی اتفاق کی بات ہے" — ہاشمی نے کہا — "اُس روز مَیں وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس کے بعد ادریس صاحب سے ملاقات ہوئی تو مَیں نے اُن سے خوشی کا اظہار کیا کہ عزیز بیٹا آگیا ہے۔"

"اسے کہتے ہیں، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے" — عزیز نے ہنستے ہوتے کہا — "آپ کی محبت ہے جو مجھے یہاں کھینچ لاتی ہے .... لیکن ہاشمی صاحب! خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سُن لے .... آپ میرے بزرگ ہیں۔ بڑا بھائی کہوں تو بجا، باپ کہوں تو بھی بجا ہے۔"

"کہو عزیز میاں!" — ہاشمی نے کہا — "ایسی تمہید باندھنے کی کیا ضرورت ہے!"

"شکریہ ہاشمی صاحب!" — عزیز نے کہا اور بڑے خوشگوار سے لہجے میں پوچھا — "یہ کس دشمن نے اڑائی ہے کہ میں انڈیا کا جاسوس ہوں اور میں پاکستان میں جاسوسی کے لئے جاتا ہوں اور وہاں سے نوجوان پاکستانیوں کو ورغلا کر یہاں لاتا ہوں اور...."

"نہ عزیز بھائی!" — ہاشمی نے اُس کی بات کاٹ کر کہا — "میرے کانوں تک تمہارے خلاف اتنی لمبی چوڑی بات تو نہیں پہنچی۔"

"آپ کے کانوں تک شاید نہ پہنچی ہو" — عزیز نے کہا — "آپ کی زبان تک پہنچ کر باہر نکل چکی ہے۔"

"عزیز میاں!" — عبدالقدیر نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا — "یہ کیا فضیتہ چھیڑ بیٹھے ہو! ذرا صاف بات کرو۔"

"مجھے تو بات کرتے بھی شرم آتی ہے محترم!" — عزیز نے کہا — "ہاشمی صاحب نے میرے ابّا جان سے کہا ہے کہ مَیں انڈیا کا جاسوس ہوں اور مَیں پاکستان کو نقصان پہنچا رہا ہوں۔"

"کیا ادریس صاحب نے تمہیں یوں کہا ہے؟" — عبدالقدیر نے پوچھا۔

"انہوں نے ان کا حوالہ نہیں دیا" — عزیز نے کہا — "انہوں

PdfStuff.blogspot.com

نے مجھ پر شک کیا ہے۔ میری امّی جان نے مجھے بتایا ہے کہ جاسوسی کا الزام ہاشمی صاحب نے مجھ پر عائد کیا ہے۔ اس کی تصدیق اور تردید صرف ہاشمی صاحب ہی کر سکتے ہیں۔"

"اس کی تصدیق یا تردید مَیں بھی کر سکتا ہُوں" — عبدالقدیر نے کہا — "ہاشمی صاحب بھی اپنی پوزیشن واضح کر دیں گے۔ تمہارے خلاف یہ شک معلوم نہیں کہاں سے اُٹھا ہے۔ ہم نے بھی اُڑتے اُڑتے سُنی تھی۔ ہو سکتا ہے مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کے لئے یہ بات کسی ہندو نے اُڑائی ہو۔"

"تمہارے ابّا جان سے مَیں نے اتنا ضرور پوچھا تھا کہ عزیز کہاں ہے" — ہاشمی نے کہا — "وہ بیچارے تمہارے متعلق بہت پریشان تھے۔ ہو سکتا ہے مَیں نے انہیں یہ کہہ دیا ہو کہ تمہارے متعلق یہ افواہ سُنی ہے۔"

"وہ کوئی ہمارا دشمن ہوگا" — عزیز نے کہا — "آپ نے جس سے یہ افواہ سُنی ہے اُس کا نام بتا دیں۔"

"کیا کرو گے نام پوچھ کر عزیز بیٹے!" — عبدالقدیر نے کہا — "کیا ہمارے لئے یہ خوشی کا باعث نہیں کہ تمہارے خلاف یہ شک غلط ہے؟"

"یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے قبلہ!" — عزیز نے کہا — "اگر ہم نے آج اُس کی زبان بند نہ کی تو کل وہ آپ پر ایسا ہی کوئی گھٹیا الزام لگا دے گا یا ہماری ماؤں بہنوں کو رُسوا کر دے گا۔ آپ مجھے اُس کا نام بتا دیں۔"

"میری بات کان کھول کر سُن لو عزیز میاں!" — ہاشمی نے ایسے سنجیدہ لہجے میں کہا جس میں طیش کی جھلک بھی تھی — "تم نے مجھے اپنا بڑا بھائی بھی کہا ہے، باپ بھی کہا ہے، لیکن تمہارے دل میں ہم دونوں بزرگوں کی ذرا سی بھی عزت نہیں۔ ہماری عزت تمہارے دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔"

"وہ کیوں ہاشمی صاحب!" — عزیز احمد نے شگفتہ سے لہجے

میں پوچھا۔

"وہ اس لئے" — ہاشمی نے جواب دیا — "کہ جس کے دل سے اپنے اتنے معزز باپ کا احترام نکل گیا ہو اُس کی نظروں میں ہم کون ہیں ... مَیں تمہیں ایسی کھری کھری باتیں نہیں کہنا چاہتا تھا، لیکن تم تو ہمارے پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔ مَیں کون ہوتا ہوں تمہیں انڈیا کا جاسوس کہنے والا، یہاں کے لوگ کہتے ہیں۔"

"آخر وہ لوگ کون ہیں؟"

"وہ ہندو ہیں" — ہاشمی نے کہا۔

"وہی ہندو جو تمہارے جگری یار تھے" — عبدالقدیر بول پڑا — "تمہیں نہیں بھولنا چاہیئے کہ ان ہندوؤں کے ساتھ تم نے کیسی زندگی گزاری ہے۔ تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ہندو مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں ہمارے متعلق انہوں نے کیا کچھ مشہور کر رکھا ہوگا۔ تمہاری عیش و عشرت کی اُس زندگی کو دیکھتے ہوئے جو تم نے اپنے والدین سے باغی ہو کر ہندوؤں کے ساتھ گزاری تھی تمہارے متعلق یہ افواہ کہ تم انڈیا کے جاسوس ہو اکثر لوگوں کی زبان سے سُنی گئی ہے۔"

"مجھے کوئی دو تین نام بتا دیں" — عزیز نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے تم نے ہندوؤں کا اچھا خاصا اثر قبول کیا ہے" — ہاشمی نے کہا — "تم تو ہم پر ہندوؤں کی طرح دھونس جمانے آ گئے ہو۔"

عزیز ہنس پڑا۔ عبدالقدیر اور ہاشمی نے اُسے کچھ اور سخت باتیں کہہ دیں، لیکن اس شخص کا ردِ عمل ایسا تھا جیسے اُس پر کچھ اثر ہُوا ہی نہ ہو۔

عزیز احمد کو ٹالنا خاصا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ یہی اصرار کئے جا رہا تھا کہ اُسے اُن اشخاص کے نام بتائے جائیں جن سے ہاشمی نے یہ افواہ سُنی ہے کہ عزیز انڈیا کا جاسوس ہے .... عبدالقدیر انٹیلی جنس کا آدمی تھا۔ اُس نے بڑی استادی سے عزیز کو ٹالا۔

عزیز بھی پورا اُستاد تھا۔ وہ جب وہاں سے جانے لگا تو اُس نے

Pdfstuff.blogspot.com

ناراضگی یا خفگی کا اظہار نہ کیا، بلکہ ہاشمی اور عبدالقدیر کے ساتھ بڑے ہی احترام اور پیار و محبت کا اظہار کیا اور چلا گیا۔

"ہاشمی صاحب!" — عبدالقدیر نے عزیز احمد کے جانے کے بعد کہا — "اب تو ہمیں اور زیادہ محتاط ہونا پڑے گا۔ مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ شخص اس قدر ہوشیار اور ڈھیٹ ہو گیا ہے۔ آپ نے اس کی باتیں ایک عام انسان کی حیثیت سے سُنی ہوں گی لیکن مَیں نے اس کے بولنے کے انداز کو انٹیلی جنس کی نظروں سے دیکھا اور اس کے ایک ایک لفظ کو انٹیلی جنس کے دماغ سے پرکھا ہے۔"

"مجھ سے غلطی ہوتی ہے کہ مَیں نے اس کے باپ سے کہہ دیا تھا کہ عزیز کے متعلق میں نے یہ بات سُنی ہے" — ہاشمی نے کہا۔

"آپ نے غلطی کی ہے یا نہیں" — عبدالقدیر نے کہا — "اس شخص نے یہاں آنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ وہ صحیح جگہ آیا تھا۔ آپ نے نوٹ نہیں کیا کہ جب ہم اُسے خدا حافظ کہنے کے لئے ڈیوڑھی میں گئے تو اندر والا دروازہ ذرا سا کھلا ہُوا تھا۔ عزیز نے ڈیوڑھی میں رُک کر ایک بات شروع کر دی بھی جو اُس نے صرف اس لئے شروع کی تھی کہ وہ تھوڑی دیر اور رُکا رہنا چاہتا تھا۔ مَیں نے نوٹ کیا کہ وہ بار بار ٹیڑھی آنکھوں سے دروازے کے کھُلے ہوتے کواڑ کی طرف بار بار دیکھتا تھا۔ وہ یقیناً حویلی کا جائزہ لے رہا تھا۔"

"کیا آپ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ عزیز کو یہ شک ہے کہ لڑکی اس گھر میں ہے؟" — ہاشمی نے پوچھا۔

"جی ہاں" — عبدالقدیر نے کہا — "اسے یہی شک ہے.... ہاشمی صاحب یہ ذہن میں رکھیں کہ ضروری نہیں ہوتا کہ شک سو فیصد پختہ ہو۔ شک اگر بال برابر ہو تو بھی محتاط ہو جانا چاہیئے۔ خیال رکھیں کہ یہ پولیس کا نہیں انٹیلی جنس کا معاملہ ہے۔ تھانیدار کو آپ سو دو سو روپیہ دے کر

دو چار دنوں کے لئے ٹال سکتے ہیں اور اس دوران اپنے بچاؤ کا کچھ بندوبست بھی کر سکتے ہیں لیکن انٹیلی جنس والے پوائنٹ زیرو زیرو ایک جتنے شک پر بھی پکڑ لیتے اور ایذا رسانی کی چکی میں پیس ڈالتے ہیں۔ یہ شخص یہاں سے کچھ زیادہ ہی شک لے کر گیا ہے۔ میری یہاں موجودگی نے شک میں اور اضافہ کر دیا ہوگا۔"

"وہ کیسے؟"

"عزیز کو یقیناً معلوم ہوگا کہ مَیں اسی انٹیلی جنس سے ریٹائر ہُوا ہُوں جس کے ساتھ اس کا تعلق ہے" — عبدالقدیر نے کہا — "اگر اسے پہلے معلوم نہیں تو اب یہ اپنے افسروں کو آپ کا اور میرا نام بتاتے گا اور ایڈریس بھی بتاتے گا تو یہ راز اس کے سامنے آجاتے گا کہ مَیں انٹیلی جنس میں سروس کر چکا ہُوں۔ میرے ملنے جُلنے والوں کو بھی معلوم نہیں کہ مَیں نے گورنمنٹ کے کون سے محکمے میں سروس کی ہے.... کیا آپ نے اس کا ڈھیٹ پن نہیں دیکھا؟ ہم نے اسے کتنی سخت باتیں کہی ہیں، لیکن اس کے ماتھے پر بل نہیں پڑا، یہاں سے ہنستا کھیلتا گیا ہے۔"

"تو کیا ہمیں یقین کر لینا چاہیئے کہ عزیز ہندوستان کا جاسُوس ہے؟" — ہاشمی نے پوچھا۔

"سو فیصد یقین!" — عبدالقدیر نے کہا — "مَیں نے لڑکی کے سینے سے جو باتیں اگلوائی ہیں ان سے کوئی شک نہیں رہ گیا۔ اب صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ لڑکی کو یہاں سے کہیں اور منتقل کرنا ہوگا۔"

"لیکن لڑکی کو ہم کریں گے کیا؟" — ہاشمی نے پوچھا — "وہ یہی کہے جا رہی ہے کہ اُسے عزیز اور اپنے خاوند کی خفیہ سرگرمیوں کا کچھ علم نہیں۔"

"مَیں اس پر بھی غور کر چکا ہوں" — عبدالقدیر نے کہا — "میرا خیال ہے کہ لڑکی کو رات کے وقت آنکھوں پر پٹی باندھ کر اشو کا ہوٹل سے کچھ دُور چھوڑ آئیں گے لیکن اس میں ایک خطرہ ہے۔ لڑکی سے پوچھا جاتے

PakistaniPoint.blogspot.com

گا کہ وہ کہاں رہی ہے۔ ظاہر ہے وہ آپ کے مکان کی نشاندہی نہیں کر سکے گی۔"

"وہ صرف یہ بتائے گی کہ اُسے کس طرح اغوا کیا گیا تھا" — ہاشمی نے کہا — "اور اُس کے ساتھ ہم نے جو باتیں کی ہیں وہ انٹیلی جنس کے افسروں کو سُنا دے گی۔"

"خطرہ یہ ہے کہ عزیز کو ہم پر شک ہو گیا ہے" — عبدالقدیر نے کہا — "تفتیش شکوک پر ہی کی جاتی ہے۔ عزیز خود تو آگے نہیں آئے گا، وہ اپنے افسروں کو ہم دونوں کے نام دے دے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ پولیس خصوصاً سی آئی اے اور انٹیلی جنس خصوصاً 'را' کو کتنے اختیارات حاصل ہیں۔ ہم دونوں کو بُلا لیا جائے تو ہم انہیں کوئی بات نہیں بتائیں گے لیکن انہوں نے لڑکی کو ہمارے سامنے کھڑا کر دیا تو وہ کہہ دے گی کہ ان دو آدمیوں نے مجھے قید میں رکھا تھا۔ اسے ہم دونوں کے مکان دکھائے جائیں گے اور وہ آپ کے مکان کے اُس کمرے کی شناخت کرے گی جس میں اسے رکھا ہُوا ہے .... اگر ایسا ہو گیا تو اپنا انجام سوچ لیں۔"

"مَیں نے آپ کو بتایا نہیں" — ہاشمی نے کہا — "میری بیوی نے لڑکی کو اس کمرے سے نکال کر اندر کے تین چار کمرے دکھاتے تھے اور اسے اُس کمرے میں لے گئی تھی جس میں بچّوں اور بچیّوں کو قرآن پاک پڑھایا کرتی ہے۔ وہاں میری بیوی نے اسے بتایا تھا کہ وہ بچیوں اور بچّوں کو کیا تعلیم دے رہی ہے۔"

"اس لڑکی کو مکان کے اندر اتنی آزادی دینے کی کیا ضرورت تھی؟" — عبدالقدیر نے حیران سا ہو کے پوچھا۔

ہاشمی نے عبدالقدیر کو پوری تفصیل سے بتایا کہ لڑکی کس طرح اُس کی بیوی سے متاثر ہو گئی تھی۔ ہاشمی نے یہ بھی بتایا کہ اُس کی بیوی نے لڑکی کے ساتھ کیا باتیں کی تھیں اور لڑکی کا ردِ عمل کیا تھا۔ ہاشمی نے عبدالقدیر

کو وہ باتیں بھی سنائیں جو اُس نے رِشی کے ساتھ کی تھیں اور رِشی نے جس ردِ عمل کا اظہار کیا تھا اور جو کچھ کہا تھا وہ بھی عبدالقدیر کو سنایا۔

"لڑکی کا یہ ردِ عمل دھوکہ بھی ہو سکتا ہے" — ہاشمی نے کہا — "لیکن وہ اس قدر روئی کہ اسے بہلانا مشکل ہو گیا۔ وہ کہتی ہے کہ وہ یہاں سے جانا ہی نہیں چاہتی۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر ہم اسے یہاں نہیں رکھنا چاہتے تو اسے عزیز احمد اور اس کے خاوند کے حوالے نہ کریں، اس کی بجائے اسے پاکستان پہنچا دیں جہاں وہ رابی کے باپ کو جاسوسی کے جُرم میں پکڑوا دے گی۔"

"کسی بھی حال میں ہمیں اس لڑکی پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے" — عبدالقدیر نے کہا۔

"میرا خیال کچھ اور ہے" — ہاشمی نے کہا — "آپ بھی لڑکی کے دوسرے پہلو کو دیکھ لیں۔ اگر یہ قابلِ اعتبار ہے تو اسے ہم ہوٹل میں واپس بھیجنے کی بجائے پاکستان کی انٹیلی جنس کے حوالے کر سکتے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں کہ ایسا کرنا چاہیئے تو یہ کام آپ ہی کر سکتے ہیں۔"

"ہاں!" — عبدالقدیر نے کہا — "یہ کام مَیں ہی کر سکتا ہُوں۔ مَیں نے آپ کو ایک بار بتایا تھا کہ پاکستان کی انٹیلی جنس کے ایک آدمی کو جو یہاں ہندوستانی مسلمان کی حیثیت سے موجود ہے، مَیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ مَیں نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ مَیں نے آپ کو یہ بات بتائی تھی۔ آج بھی یہی کہوں گا۔ یہ ہے تو بہت بڑا خطرہ لیکن یہ ضروری ہے کہ مَیں لڑکی کو ایک بار پھر دیکھ لوں۔ ہونا تو یہی چاہیئے کہ یہ لڑکی ہمارے کسی کام آئے، لیکن ہمیں اپنی اور اپنے محاذ کی حفاظت بھی کرنی ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ ابتدا میں ہی ہم پکڑے جائیں اور سارا مشن دھرا دھرایا رہ جائے۔"

عبدالقدیر اس مسئلے پر اپنے خیال کا اظہار تو کر رہا تھا لیکن اُس کا لہجہ اور بولنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کچھ پریشان ہے اور گہری سوچ

PakistaniPoint.blogspot.com

میں پڑا ہوا ہے۔

"مجھے انہی لوگوں پر شک ہے" — عزیز ایک دو روز بعد اپنے ساتھی ورما سے کہہ رہا تھا — "ہاشمی تو شریف آدمی لگتا ہے۔ میں یقین نہیں کر سکتا کہ اُس نے لڑکی کو اغوا کیا ہو گا لیکن اُس کے گھر میں جس آدمی کو دیکھا ہے وہ مجھے مشکوک اور مشتبہ لگتا ہے۔ وہ انڈین انٹیلی جنس میں سروس کر کے ریٹائر ہو چکا ہے۔ ذہنی طور پر وہ خاصا تیز اور ہوشیار لگتا ہے۔ میں کوئی بات ہاشمی سے پوچھتا تھا تو اس کا جواب وہ شخص دیتا تھا۔"

"کون ہے وہ؟" — ورما نے پوچھا — "کیا میں اُسے جانتا ہوں؟"

"ہو سکتا ہے" — عزیز احمد نے کہا — "اُس کا نام عبدالقدیر ہے۔"

"ہاں!" — ورما نے کہا — "میں نے یہ نام پہلے بھی سُنا ہے۔"

"شہر کے اس علاقے میں جہاں یہ دونوں آدمی رہتے ہیں اور جہاں میرا گھر بھی ہے میرے پرانے دوست اور بچپن کے ساتھی موجود ہیں" — عزیز نے کہا — "میں نے ان ایک دو دنوں میں ہاشمی اور عبدالقدیر کے متعلق کچھ معلومات حاصل کی ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ چند ایک مسلمان ہاشمی کے گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ہندوستانی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی اور کچھ اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ میں دو آدمیوں کو اس کام پر لگا چکا ہوں کہ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ معلومات دیں۔ ضروری نہیں کہ رِشی کو انہوں نے ہی اغوا کیا یا کروایا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں یہاں سے کوئی اور شکار مل جائے۔"

"میرا خیال ہے عزیز!" — ورما نے کہا — "تم نے اتنی لمبی چوڑی جو باتیں بتائی ہیں یہ سُن کر میں یہی مشورہ دوں گا کہ ہمیں ان لوگوں کے نام چیف کو دے دینے چاہئیں۔"

"لیکن ورما سیٹھ!" — عزیز احمد نے کہا — "میں پوری طرح یقین کر لینا چاہتا ہوں۔ آخر چیف کو ہی ان کے نام دینے ہوں گے۔ مجھے تم جانتے ہو کہ میں کمان سے تیر اُس وقت چھوڑا کرتا ہوں جب میرا نشانہ بالکل صحیح ہوتا ہے۔ میں ہوا میں تیر نہیں چلایا کرتا۔"

"پھر کیا کرو گے؟"

"ایک تو میں نے تمہیں بتایا ہے کہ دو آدمی اِن کے پیچھے ڈال دیتے ہیں" — عزیز نے جواب دیا — "ایک طریقہ لڑکی کا سراغ لینے کا اور ذہن میں آتا ہے۔ میں اپنی ایک بڑی بہن کو ایک بڑی حویلی کے اندر دیکھنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اُس شخص کی حویلی ہے جس کا نام میں نے تمہیں فریدالدین ہاشمی بتایا تھا۔"

"تم مجھ سے یقیناً زیادہ عقلمند اور تجربہ کار ہو" — ورما نے کہا — "لیکن میں صرف ایک بات سوچ رہا ہوں کہ تمہارے پاس کوئی حقیقی یا واقعاتی شہادت موجود نہیں جس سے اس شک کو تقویت ملے کہ رِشی کو اِن لوگوں نے اغوا کیا ہے اور اُسے ہاشمی کے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ تم نے شاید یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر تمہارا تیر خطا گیا تو اصلی ملزم زمین کے نیچے چلے جائیں گے اور اگر یہ کوئی گروہ ہے تو وہ چوکنا ہو جائے گا۔"

"میں اس بات پر غور کر چکا ہوں" — عزیز نے کہا — "تم نے چھٹی حس تو سُنی ہو گی۔ وہ مجھ میں ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ میں کیوں محسوس کر رہا ہوں کہ لڑکی مسلمانوں کی اسی آبادی میں ہے۔ ہاشمی اور قدیر کے ساتھ میری بہت باتیں ہوتی ہیں۔ اُن کی باتوں سے کم اور بولنے کے انداز سے زیادہ میرا شک کچھ پختہ ہوا۔ تمہیں یاد ہو گا کہ ٹریننگ کے دوران ہمیں انڈیا اور پاکستان کی مختلف قوموں کی اجتماعی نفسیات پر لیکچر دیئے گئے تھے۔ تم خود ہندو ہو۔ ہندوؤں کا یہ وصف اچھا ہے یا بُرا، یہ الگ بات ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہندو امیر ہو یا غریب، مشتعل نہیں ہوتا۔ گالی گلوچ اور ہر طرح کی بے عزتی برداشت کر لیتا ہے اور جوابی کارروائی سوچ

Pakistanipoint.com

سمجھ کر کرتا ہے۔ مسلمانوں کے متعلق یہ بتایا گیا تھا اور یہ ہے بھی بالکل صحیح کہ مسلمان کو مشتعل کرنا کوئی مشکل نہیں۔ مذہب کے معاملے میں تو تم مسلمان کو کوئی جھوٹی خبر سُنا کر بھی ایسا بھڑکا سکتے ہو کہ وہ بم کی طرح پھٹتا ہے۔ کسی مسلمان کو ویسے ہی کہہ دیں کہ فلاں جگہ ہندوؤں نے ایک مسجد کی بے حُرمتی کی ہے تو مسلمان وہی حرکت کریں گے کہ اپنا کان دیکھے بغیر کُتّے کے پیچھے دوڑ پڑیں گے۔"

"یہ تو مَیں مانتا ہوں" — ورما نے کہا۔

"یہ دونوں مسلمان ہاشمی اور قدیر اسی ذہن کے مسلمان ہیں" — عزیز نے کہا — "مجھے ان پر شک اس وجہ سے بھی ہُوا ہے کہ مَیں نے ان کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے بڑی اشتعال انگیز باتیں کیں، لیکن وہ جذباتی طور پر بالکل ٹھنڈے رہے۔ مجھے یہ بھی شک ہے کہ انہیں میری نیت پر شُبہ ہو گیا ہے۔ مجھے ان پر اس لئے زیادہ شُبہ ہوتا ہے کہ اُنہیں کس نے بتایا ہے کہ مَیں انڈین انٹیلی جنس میں ہُوں۔"

"یہ باتیں تو پہلے بھی ہو چکی ہیں میرے بھائی!" — ورما نے کہا — "اب یہ بتاؤ کہ تم اپنی بہن کو کس طرح استعمال کرو گے؟"

"میری سب سے بڑی بہن جس کی عمر اس وقت چالیس سال سے کچھ زیادہ ہے، مجھے ماں سے زیادہ چاہتی ہے" — عزیز نے کہا — "دوسری بہنوں کے دلوں میں بھی میرا اتنا ہی پیار ہے جتنا بہنوں کو اکلوتے بھائی کے ساتھ ہونا چاہیئے، لیکن یہ بہن تو مجھے دیوانگی کی حد تک چاہتی ہے۔ پاکستان سے اگر مَیں دو بار اُس کے ہاں جا چکا ہُوں۔ وہ اصرار کرتی ہے کہ مَیں اُس کے پاس رہوں۔ یہ تو مَیں تمہیں پہلے کبھی بتا چکا ہوں کہ میرے ماں باپ بہنوئی اور دوسری بہنیں مجھ سے نالاں ہیں۔ مجھے یہ سب لوگ آوارہ اور بدمعاش سمجھتے ہیں۔ دوسری بہنیں مجھ سے محبت تو کرتی ہیں، لیکن نہیں چاہتیں کہ مَیں اُن کے ہاں رہوں کیونکہ اُن کے خاوند مجھے اچھا آدمی نہیں سمجھتے۔ بڑی بہن کا معاملہ مختلف ہے۔ اُس کا خاوند

اُس کی خوشی کی خاطر مجھے قبول کر لیتا ہے....

"اب میری بات ذرا غور سے سُنو اور مجھے مشورہ دو۔ میری یہ بہن بھی مجھے کہہ چکی ہے کہ یہاں کے مسلمانوں نے جن کے لیڈر ہاشمی اور عبدالقدیر بنے ہوتے ہیں، میرے متعلق یہی مشہور کر رکھا ہے کہ مَیں بہت ہی بُرا آدمی ہوں اور میں انڈیا کا جاسوس بھی ہوں۔ مَیں نے بہن کو بتایا کہ یہ لوگ صرف اس لئے مجھ پر جاسوسی کا الزام عائد کر رہے ہیں کہ میرے دوستوں میں زیادہ تر ہندو ہیں اور میری گزشتہ زندگی آوارگی اور عیش و عشرت میں گزری ہے۔ مَیں نے کچھ ایسی ہی باتیں کہہ سُن کر بہن کو قائل کر لیا ہے کہ میرے خلاف یہ الزام بالکل غلط ہے .... اب مَیں اپنی بہن سے کہوں گا کہ مَیں اپنی نوکری کی ایک ڈیوٹی کے سلسلے میں پاکستان گیا تھا اور وہاں رابی اور رِشی میرے دوست بن گئے تھے اور دوستی کی وجہ یہ تھی کہ مَیں ہندوستانی مسلمان ہوں۔ وہ میرے ساتھ یہاں آ گئے۔ یہاں آ کر میرے دوست کی نوجوان بیوی دھوکے میں آ کر کسی کے ساتھ چل پڑی اور لاپتہ ہو گئی ہے۔ مَیں بہن کو یہ بھی بتاؤں گا کہ مجھے ہاشمی پر شک ہے۔ بہن سے کہوں گا کہ ہاشمی کی بیوی کے ساتھ اُس کا میل جول تو ہے ہی، کسی روز وہ ہاشمی کے گھر اس کی بیوی سے ملنے کے بہانے جائے اور دیکھے کہ لڑکی وہاں ہے یا نہیں۔"

"نہیں عزیز!" — ورما نے کہا — "بات بنی نہیں۔ اگر لڑکی اُسی گھر میں ہوتی تو کیا اُنہوں نے اُسے گھر کے اندر کھُلا چھوڑ رکھا ہو گا؟"

"مَیں اپنی بہن کے ساتھ اتنی سی ہی بات تو نہیں کروں گا جتنی تمہیں بتائی ہے" — عزیز نے کہا — "اُسے قائل کر لے اور اپنی سکیم پر لانے کے لئے بہت سی باتیں کرنی پڑیں گی۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری باتوں میں آ جائے گی۔ مَیں اُسے مکمل طور پر سمجھا کر بھیجوں گا۔"

"یہ بھی کر کے دیکھ لو" — ورما نے کہا۔

Pakistanipoint.blogspot.com

اگلے ہی روز عزیز کی بڑی بہن ہاشمی کے گھر میں داخل ہوئی۔ ہاشمی کی بیوی نے اُسے دیکھا تو اُٹھ کر اور کچھ آگے جا کر اُس کا استقبال کیا، لیکن وہ حیران بھی ہوئی کہ یہ کیسے آئی ہے۔

"آؤ زبیدہ!" — ہاشمی کی بیوی نے اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا — "عید کا چاند تو ہر سال نظر آجاتا ہے، لیکن تم نہ جانے کتنے سالوں بعد نظر آئی ہو.... آج ہماری یاد کیسے آگئی؟"

"یاد تو دل سے کبھی بھی نہیں اُتری" — زبیدہ نے بڑے پیارے انداز میں کہا — "لیکن گھر گرہستی میں اور بچوں میں ایسی پھنسی رہتی ہوں کہ گھر سے چند منٹ کے لئے بھی نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ آج اِدھر سے گزرنے کا اتفاق ہُوا تو اندر چلی آئی۔"

"بسم اللہ بسم اللہ" — ہاشمی کی بیوی نے وضعداری سے کہا — "سر آنکھوں پر۔ کہو بچے کیسے ہیں؟ میاں تو ٹھیک ہیں؟"

دونوں عورتیں ایک دوسری کے گھر کی خیر خیریت پوچھنے لگیں پھر اپنی اپنی سنانے لگیں۔ ہاشمی کی بیوی نے محسوس کیا کہ زبیدہ باتیں تو اُس کے ساتھ کرتی تھی، لیکن اُس کی نظریں حویلی میں گھوم رہی تھیں۔

"ماشاء اللہ" — زبیدہ نے کہا — "حویلی پہلے سے زیادہ خوبصورت لگتی ہے۔ کمرے اور برآمدے وغیرہ کچھ بدلے بدلے سے لگتے ہیں۔"

"دو تین مہینے ہوئے کچھ ردّ و بدل کیا ہے" — بیگم ہاشمی نے کہا — "مرمت بھی کرائی ہے۔ پلستر اور سفیدی بھی ہوئی ہے۔"

"اگر مجھے اچھی طرح یاد ہے" — اُس نے کہا — "تو یہاں آتے مجھے کم و بیش پانچ سال گزر گئے ہیں۔ جی چاہتا ہے کمرے اندر سے جا کر دیکھوں۔"

بیگم ہاشمی ابھی سوچ بھی نہ پاتی تھی کہ اس عورت کو کمرے دکھاؤں یا کسی بہانے ٹال دوں کہ اُس کمرے کا دروازہ کھلا جس میں رِشی کو رکھا گیا تھا۔ عزیز کو توقع نہیں تھی کہ اُس کی بہن رِشی کا سراغ پا سکے گی۔ اُس کے پیشِ نظر دو وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ اُسے صرف شک تھا کہ رِشی

یہاں ہے اور دوسری وجہ یہ کہ رِشی یہاں ہوتی بھی تو اُسے ان لوگوں نے کسی کمرے میں بند کر کے رکھا ہوگا۔ اپنی بہن کو عزیز نے گزشتہ رات بہت ہی ہدایات دی تھیں اور اُسے بریفنگ بھی دی تھی۔ اُس نے زبیدہ سے یہ بھی کہا تھا کہ لڑکی یہاں سے یا کہیں سے بھی برآمد ہو جاتے تو عزیز کے چہرے سے یہ الزام دُھل سکتا ہے کہ وہ انڈیا کا جاسوس ہے۔

ہاشمی کے ہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ رِشی کی ذات میں، اُس کی شخصیت اور کردار میں جو انقلاب آیا تھا وہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ رِشی نے جب اپنے کردار کے اس انقلاب کا اظہار ہاشمی سے کیا تھا تو ہاشمی نے اسے مکاری اور فریب کاری سمجھا تھا حالانکہ رِشی بچوں کی طرح بلک بلک کر روتی تھی۔ عبدالقدیر نے ہاشمی سے اُس کا یہ ردِعمل سُن کر اس سے تحقیقات کی تھی تو عبدالقدیر کو بھی یہی شک ہُوا تھا کہ لڑکی مکاری کر رہی ہے، لیکن وہ مان گیا تھا کہ لڑکی کا ردِعمل قدرتی ہے اور لڑکی واقعی یہاں سے نہیں نکلنا چاہتی۔

ہاشمی اور اس کی بیوی کا یہ فیصلہ صحیح تھا یا غلط کہ رِشی کے کمرے کا دروازہ آئندہ باہر سے بند نہ کیا جائے، ایک الگ بات ہے، اُس روز ہُوا یہ کہ رِشی نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو بیگم ہاشمی کے پاس ایک عورت کو بیٹھا دیکھ کر دروازہ بند کر لیا۔ اسی سے اُس کی نیک نیتی کا پتہ چلتا تھا۔ یہ تو اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ جس اجنبی عورت کو اُس نے دیکھا ہے وہ عزیز کی بہن ہے اور وہ اُسی کا سراغ لگانے آئی ہے۔ رِشی کو ہاشمی اور اُس کی بیوی نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُن کے نوکر اور نوکرانی کے سامنے بھی نہ آئے۔

رِشی نے دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے زبیدہ کو دیکھ کر کواڑ تو بند کر لیا لیکن وہ محسوس نہ کر سکی کہ اُس کا اس عورت کے سامنے ہونا کس قدر خطرناک ہے۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" — زبیدہ نے بیگم ہاشمی سے پوچھا۔

Pdfstuff.blogspot.com

"ہاشمی صاحب کے ایک عزیز کی بیٹی ہے"۔۔۔ بیگم ہاشمی نے جواب دیا ۔۔۔ "آگرہ سے آتی ہے"۔

"یہ باہر کیوں نہ آتی؟"۔۔۔ زبیدہ نے پوچھا اور مسکرا کر کہنے لگی ۔۔۔ "ایسی بچی تو نہیں لگتی کہ مجھ سے شرما گئی ہو۔ اس نے تو مجھے دیکھتے ہی دروازہ بند کر لیا ہے"۔

بیگم ہاشمی چکرا سی گئی۔ یہ صورتِ حال اُس کے بس سے باہر ہو گئی تھی لیکن نیک نیت عورت تھی، عزم اس کا نیک تھا اس لئے اللہ نے اُس کی مدد کی اور اُس کے ذہن میں ایک جواز ڈال دیا۔

"بے چاری ذہنی مریض ہے"۔۔۔ بیگم ہاشمی نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا ۔۔۔ "اس کے والد صاحب اسے علاج کے لئے لائے ہیں"۔

"ذہنی امراض کا علاج آگرہ میں زیادہ بہتر نہیں ہوتا؟"۔۔۔ زبیدہ نے کہا ۔۔۔ "وہاں تو سُنا ہے ایک سے ایک بڑھ کر قابل ڈاکٹر اور ذہنی امراض کا ماہر موجود ہے"۔

"نہیں زبیدہ!"۔۔۔ بیگم ہاشمی نے کہا ۔۔۔ "آگرہ ذہنی امراض کے علاج کے لئے اس لئے مشہور ہے کہ وہاں ملک کا ایک بہت بڑا پاگل خانہ ہے۔ لڑکی کو اگر پاگل خانے میں داخل کرانا ہوتا تو وہیں کرا دیتے"۔

"کرتی کیا ہے؟"

"کسی غیر مرد یا عورت کو دیکھ کر ڈر جاتی ہے"۔۔۔ بیگم ہاشمی نے جواب دیا ۔۔۔ "بلاوجہ رونے اور چیخنے لگتی ہے۔ اس کی اسی تکلیف کی وجہ سے اس کا کوئی رشتہ مانگنے بھی نہیں آتا"۔

زبیدہ اپنے بھائی جیسی چالاک عورت تھی۔ وہ کچھ اور ہی ہدایات لے کر آئی تھی۔ وہ اُٹھی اور یہ کہتی ہوئی رِشی والے کمرے کی طرف چل پڑی کہ مَیں اسے ذرا اچھی طرح دیکھتی ہوں۔

"نہیں زبیدہ!"۔۔۔ بیگم ہاشمی اُٹھ کر اُس کی طرف لپکی اور بولی ۔۔۔

"نہ میری بہن! اُس کے کمرے میں نہ جانا ورنہ وہ چیخ چیخ کر محلہ اکٹھا کر لے گی"۔

"مجھے شک ہے آپا!"۔۔۔ زبیدہ نے ذرا رُک کر کہا ۔۔۔ "یہ کوئی ذہنی مرض نہیں۔ مَیں نے بالکل ایسی ہی تکلیف والی ایک لڑکی دیکھی ہے۔ اُس پر کسی نے تعویذ کروا دیئے تھے۔ میں ایک عامل کو جانتی ہوں۔ اُس نے اُس بیچاری کو اس روگ سے نجات دلائی تھی"۔

رِشی والا کمرہ اتنا دُور تو نہیں تھا کہ وہاں تک پہنچتے کچھ وقت لگتا۔ زبیدہ نے جا دروازہ کھولا۔ رِشی پلنگ پر بیٹھی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑے زبیدہ کو دیکھنے لگی۔ ہاشمی کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی۔ زبیدہ کی اُس کی طرف پیٹھ تھی۔ ہاشمی کی بیوی نے رِشی کو سر کا ہلکا سا اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس عورت کی طرف وہ کوئی توجہ نہ دے۔

"لیٹ جا بیٹی!"۔۔۔ بیگم ہاشمی نے رِشی سے کہا ۔۔۔ "لیٹ جا۔ یہ کوئی غیر نہیں۔ تم انہیں نہیں جانتیں۔ یہ تمہاری دُور پار کی خالہ ہے"۔

"کیوں بیٹی!"۔۔۔ زبیدہ نے رِشی سے پوچھا ۔۔۔ "کیا ہوتا ہے تمہیں؟"

ہاشمی کی بیوی ابھی تک زبیدہ کی پیٹھ پیچھے کھڑی تھی۔ اُس کے اشارے پر رِشی لیٹ گئی۔

"ہاں بیٹی!"۔۔۔ زبیدہ نے اُس پر جُھک کر اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر ایک بار پھر پوچھا ۔۔۔ "کیا محسوس کرتی ہو؟"

"کچھ نہیں"۔۔۔ رِشی نے بے رُخی سے جواب دیا ۔۔۔ "میں کچھ بھی محسوس نہیں کرتی۔ آپ کو میرے متعلق کیا بتا دیا گیا ہے؟"

ہاشمی کی بیوی نے زبیدہ کا بازو پکڑا اور اُسے باہر گھسیٹ لائی۔

"ادھر آجاؤ زبیدہ!"۔۔۔ ہاشمی کی بیوی نے زبیدہ کو باہر لا کر دروازہ بند کر کے سرگوشی میں کہا ۔۔۔ "کیوں میرے لئے مصیبت کھڑی کر رہی ہو؟ مَیں تو ہاشمی صاحب سے بھی کہہ چکی ہوں کہ اس پاگل کو یہاں کیوں بلوا لیا ہے"۔

PdfStuff.blogspot.com

"صاف پتہ چل رہا ہے کہ اس لڑکی پر تعویذوں کا اثر ہے"— زبیدہ نے کہا — "مَیں آؤں گی۔ اس کے والد صاحب سے مجھے ملوا دینا۔ انہیں کہنا کہ دوائیاں دے دے کر اس کا دماغ اور خراب نہ کرو۔ مَیں انہیں اس عامل کے پاس لے جاؤں گی.... اچھا آپا! اب مجھے اجازت دو۔"

"ہائے خالہ زبیدہ!"— بیگم ہاشمی نے کہا — "پانی کا گھونٹ بھی نہیں پیا اور چل پڑیں .... ذرا دیر اور بیٹھو۔ چائے کی پیالی بنا لیتی ہوں۔"

زبیدہ شکریہ ادا کر کے معذرت خواہی کے انداز سے چل پڑی۔ جاتے جاتے کہہ گئی کہ وہ دوبارہ آئے گی۔

ہاشمی کی بیوی دروازے تک زبیدہ کے ساتھ گئی۔ اُسے رخصت کر کے دروازہ اندر سے بند کیا اور تقریباً دوڑتی ہوئی رِشی کے پاس گئی۔

"مجھ سے غلطی ہوئی خالہ جان!" — رِشی نے بیگم ہاشمی سے کہا — "مَیں نے اس خیال سے دروازہ کھولا تھا کہ نوکر اور نوکرانی پچھلے کمرے میں چلے گئے ہوں گے۔"

"جانتی ہو یہ عورت کون ہے؟" — بیگم ہاشمی نے کہا — "یہ عزیز کی بڑی بہن تھی۔"

"سچی خالہ؟" — رِشی نے حیرت اور گھبراہٹ کے ملے جُلے لہجے میں پوچھا — "یہ کدھر آ دھمکی تھی۔ کہیں یہ میری ٹوہ لگانے نہ آئی ہو۔"

"نہیں" — بیگم ہاشمی نے کہا — "یہ سی آئی ڈی میں تھوڑا ہی ہے۔ مجھے یہ خطرہ اس لئے بھی محسوس نہیں ہوتا کہ ان لوگوں کے ساتھ عزیز کا میل جول ہے ہی نہیں۔ اگر ہے بھی تو عزیز نے اسے یہ تو نہیں بتایا ہو گا کہ وہ ہندوستان کا جاسوس ہے اور ایک پاکستانی لڑکی کو یہاں لایا تھا اور اُسے اغوا کر لیا گیا ہے۔ بہرحال تم نے اچھا کیا کہ میرا اشارہ سمجھ گئیں اور زیادہ نہ بولیں۔"

"آپ نے اُسے میرے متعلق کیا بتایا تھا؟"

بیگم ہاشمی نے اُسے سُنا دیا کہ اُس کے متعلق زبیدہ کو اُس نے کیا بتایا تھا۔

"خالہ جان!"— رِشی نے سنجیدگی سے پوچھا — "میرا کیا بنے گا؟"

"پریشان نہ ہو بیٹی!" — بیگم ہاشمی نے جواب دیا — "اگر تم نے اسی طرح وفا کی جس طرح آج کی ہے تو ہاشمی صاحب اور قدیر صاحب تمہارے لئے کوئی بہتر فیصلہ کریں گے۔"

اتنے میں ہاشمی گھر آ گیا۔ اُس کی بیوی اُسے الگ لے گئی اور بتایا کہ عزیز کی بڑی بہن آئی تھی اور جو ڈرامہ ہُوا وہ ہاشمی کو سُنا دیا۔

"کون سی بہن؟" — ہاشمی نے پوچھا — "زبیدہ تو نہیں تھی؟"

"وہی تھی"— بیگم ہاشمی نے جواب دیا۔

"اللہ محفوظ رکھے"— ہاشمی نے کہا — "تم شاید نہیں جانتیں کہ وہ کس قدر چالاک اور مکار عورت ہے۔"

"کچھ کچھ تو جانتی ہوں۔"

"نہیں"— ہاشمی نے کہا — "جو ہم باہر گھومنے پھرنے والے مرد جانتے ہیں وہ گھروں میں بیٹھی عورتیں نہیں جان سکتیں۔ زبیدہ اگر عزیز سے بڑھ کر شیطان نہیں تو اس سے کم بھی نہیں۔ اس کا خاوند شریف، وضعدار اور ہم جیسا جذبہ رکھنے والا آدمی ہے۔ کوئی اور ہوتا تو کبھی کا اسے طلاق دے چکا ہوتا۔ ویسے وہ بڑا دلیر اور جرأت مند آدمی ہے۔ اب تو بیچارہ بچوں کو دیکھ کر بیوی کی سرکشی کو برداشت کر رہا ہے۔"

"اس کا یہاں آنا خطرناک تو نہیں؟"

"مَیں کچھ کہہ نہیں سکتا" — ہاشمی نے جواب دیا — "دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ویسے ہی آ ٹپکی ہو۔ یہ خیال بھی آتا ہے کہ اُسے عزیز نے بھیجا ہو گا، لیکن عزیز کا ان کے ہاں آنا جانا ہے ہی نہیں۔ بہرحال مَیں قدیر صاحب سے بھی بات کر لوں گا۔ ڈرو نہیں۔ ہم نے کون سا جُرم کیا ہے۔"

PdfStuff.blogspot.com

اگلے دن کا پچھلا پہر تھا۔ عزیز کی بہن زبیدہ ایک بار پھر ہاشمی کے گھر میں داخل ہوئی۔ اُس کے ساتھ ایک اور عورت تھی جس نے کالا بُرقعہ لے رکھا تھا۔ وہ پردے کی اتنی زیادہ پابند معلوم ہوتی تھی کہ اندر آکر اُس نے ایک نقاب تو اُوپر کر لیا لیکن دوسرا نقاب مُنہ اور ناک پر لپیٹے رکھا۔ اس سے اُس کی سادگی اور شرافت کا اظہار ہوتا تھا۔ اُس نے تو پیشانی کو بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ ہاشمی کی بیوی نے اُن کا استقبال بڑے پیار سے کیا اور کمرے میں بٹھایا۔

"یہ ہمارے محلے میں رہتی ہیں" --- زبیدہ نے اس عورت کا تعارف بیگم ہاشمی سے کراتے ہوتے کہا "مَیں نے کل جس لڑکی کا ذِکر کیا تھا، وہ اس کی چھوٹی بہن ہے۔ تعویذ بھی کسی نے ایسا کیا کہ دونوں بہنوں پر اثر ہو گیا۔ چھوٹی کے تو دماغ پر اثر ہُوا اور اُس کے جسم پر۔ اس کا تو بولنا ہی بند ہو گیا تھا۔ اب یہ کچھ کچھ بول تو سکتی ہے لیکن ڈاکٹر نے اسے بولنے سے منع کر رکھا ہے۔ اس کی زبان سُوج گئی تھی۔ مُنہ کے اندر پھنسیاں نکل آئی تھیں۔ اُس عامل نے کوئی ایسا عمل کیا کہ دونوں بہنیں ٹھیک ہو گئیں۔ اس کا اب ڈاکٹری علاج ہو رہا ہے اور یہ پہلے سے بہت بہتر ہے۔ اس کی جگہ مَیں ہی باتیں کروں گی۔ مَیں نے اسے آپ کی اس رشتہ دار لڑکی کا حال سنایا تو یہ کہنے لگی کہ مَیں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ یہ لڑکی کو دیکھنا چاہتی تھی۔ پھر یہی لڑکی کو عامل کے پاس لے جائے گی۔ اگر آپ چاہیں تو عامل یہاں بھی آسکتا ہے .... کیوں فردوس؟"

"آسکتا ہے" --- اُس عورت نے سَر ہلا کر اس طرح کہا جیسے اس کا گلا بیٹھا ہُوا ہو اور اُس نے بڑی ہی مشکل سے یہ الفاظ زبان سے نکالے ہوں۔

"بولو نہیں، بولو نہیں" --- زبیدہ نے اس عورت سے کہا --- "پھر مُنہ سے خون جاری ہو جائے گا" --- اُس نے بیگم ہاشمی سے کہا --- "اس لڑکی کو یہیں بلا لیں یا وہ جس کمرے میں ہے وہاں لے چلیں۔ منٹ کے منٹ تو اُسے دیکھیں گے۔"

زبیدہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کے ساتھ آئی ہوئی عورت بھی اٹھی۔ بیگم ہاشمی کا دم خشک ہو گیا۔ وہ انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ دونوں کمرے سے نکلیں۔ زبیدہ کا رُخ اُسی کمرے کی طرف تھا جس کمرے میں ایک روز پہلے اُس نے رِشی کو دیکھا تھا۔ ہاشمی کی بیوی حیران و پریشان اُن کے پیچھے جا رہی تھی۔

"ذرا ٹھہرو زبیدہ!" --- یہ ہاشمی کی آواز تھی جو ساتھ والے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

زبیدہ برقعے کے بغیر تھی۔ وہ ہاشمی کی آواز پر رُک گئی۔ اُس نے بڑے پُر تکلف انداز سے ہاشمی کو آداب کیا۔ بھائی جان کہہ کر خیر خیریت پوچھی، لیکن ہاشمی کے تیور کچھ اور تھے۔ اُس نے زبیدہ کے ساتھ آئی ہوئی عورت کے اس نقاب پر ہاتھ رکھا جو اُس نے مُنہ اور ناک پر لپیٹ رکھا تھا۔ ہلکا سا جھٹکا دے کر ہاشمی نے نقاب اُس کے چہرے سے ہٹا دیا۔ اس نقاب سے جو چہرہ سامنے آیا وہ کسی عورت کا نہیں بلکہ ایک آدمی کا چہرہ تھا جس کی چھوٹی چھوٹی مونچھیں بھی تھیں۔ اس آدمی کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔

"باہر والا دروازہ اندر سے بند کر دو" --- ہاشمی نے اس آدمی کے سر پر ہاتھ رکھ کر برقعہ بڑی زور سے کھینچتے ہوتے اپنی بیوی سے کہا۔

ہاشمی کی بیوی دوڑی اور ڈیوڑھی کے اندر والا دروازہ بند کر کے زنجیر چڑھا دی۔ گھبراہٹ سے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ زبیدہ گم صم صحن میں کھڑی تھی۔ ہاشمی نے اُس آدمی کا برقعہ اتنی زور سے کھینچا تھا کہ سر سے برقعہ اُتر گیا اور وہ آدمی پیچھے برآمدے کے ستون کے ساتھ جا لگا۔

یہ آدمی عزیز کا ہندو ساتھی ورما تھا جس کا عزیز نے رابی کے ساتھ عبدالرحمٰن کے نام سے تعارف کرایا تھا۔ ورما نے بڑی تیزی سے برقعے کے سامنے والے دو بٹن کھولے اور ہاتھ بُرقعہ کے اندر لے گیا۔ اُس کا ہاتھ باہر آیا تو ہاشمی نے دیکھ لیا کہ اُس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ یہ اعشاریہ ۳۲ بور کا پستول تھا جس میں میگزین لگتی ہے۔ یہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ہاتھ میں چھپایا

Pdfstuff.blogspot.com

بھی جاسکتا ہے۔ ورما کا ہاتھ برقعے سے باہر آ ہی رہا تھا کہ ہاشمی نے پستول دیکھ لیا۔ اس نے اُچھل کر ورما کے پستول والے ہاتھ پر کک ماری۔ کک پستول والے ہاتھ کو لگنے کی بجائے ورما کی ناف کے نیچے لگی۔ پیٹ کے اس مقام پر لگا ہُوا ٹھڈا کوئی پہلوان بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ورما تو دُبلا پتلا آدمی تھا۔ اُس کی عمر تیس بتیس سال ہو گی۔ وہ درد سے دُہرا ہو گیا۔ ہاشمی نے نیچے سے اُس کے مُنہ پر مُکّہ مارا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے ورما کی کلائی پکڑ لی۔ پستول اسی ہاتھ میں تھا۔ کک اور مُکّے کی دُرد کی شدّت نے ورما کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کر دی۔ ہاشمی نے بڑے آرام سے پستول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"اب بتاؤ" — ہاشمی نے پستول کی نالی ورما کے سینے پر رکھ کر پوچھا — "کیا لینے آتے تھے یہاں؟" — اُس نے زبیدہ کی طرف دیکھا اور بولا — "اِدھر آ تو بھی بدمعاش عورت! اب تم دونوں یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے اور تمہیں جننے والوں کو تمہاری لاشیں بھی نہیں ملیں گی.... سچ سچ بتاؤ یہ ڈھونگ اس گھر میں کیوں آ رچایا ہے؟" — ہاشمی نے ورما کا جواب سُنے بغیر زبیدہ سے پوچھا — "تو بتا بدکار عورت! اس خصم کو یہاں کیوں لاتی ہے؟"

زبیدہ کا تو خون ہی خشک ہو گیا تھا۔ ورما ڈرا ہُوا تو تھا لیکن اُس کے انداز سے پتہ چلتا تھا جیسے وہ ذرا سا بھی خوفزدہ نہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں بولتا تھا۔ اُس نے نظریں گھما کر حویلی کا جائزہ لے لیا تھا اور اُسے احساس ہو گیا تھا کہ اس حویلی میں اُسے یا اس کی لاش کو غائب کیا جا سکتا ہے۔ ہاشمی کے کہنے پر اُس کی بیوی نوکر کو بلا لائی۔ ہاشمی نے نوکر سے کہا کہ وہ عبدالقدیر کو بلا لائے۔ اُس نے نوکر کو تین چار نام بتا کر کہا کہ وہ عبدالقدیر سے کہے کہ ان سب کو ساتھ لیتا آئے۔

بوڑھے نوکر نے جو منظر دیکھا وہ اُس کے لئے بڑا ہی عجیب تھا۔ ہاشمی کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کے سامنے ایک آدمی کھڑا تھا جو کندھوں

سے ٹخنوں تک کالے بُرقعے میں لپٹا ہُوا تھا اور اُس کے ساتھ ایک عورت بھی کھڑی تھی۔ نوکر باہر کو دوڑ پڑا۔ عبدالقدیر کا گھر زیادہ دُور نہیں تھا۔ اتفاق سے عبدالقدیر اُسے گھر پر ہی مل گیا۔ نوکر نے اُسے وہ منظر سنایا جو وہ دیکھ آیا تھا۔

نصف گھنٹے کے اندر اندر عبدالقدیر چار آدمیوں کے ساتھ آن پہنچا۔ ان میں ایک تو ادھیڑ عمر تھا اور تین جوان سال آدمی تھے۔ اس آدھے گھنٹے کے دوران ہاشمی نے ورما اور زبیدہ کے ساتھ کوئی بات نہیں کی سوائے اس کے کہ اس نے دونوں سے کہا تھا کہ وہ دیوار کی طرف مُنہ کر کے فرش پر بیٹھ جائیں۔ وہ دونوں اُس کے کہنے کے مطابق بیٹھ گئے تھے۔

"سر ہاشمی!" — ورما نے ہاشمی سے کہا تھا — "جو کچھ کرنا ہے سوچ سمجھ کر کرنا۔ میں ویسے ہی یہاں بھیس بدل کر نہیں آ گیا تھا۔ میرے پیچھے طاقت ہے جسے معلوم ہے کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔ تم مجھے زندہ یا مُردہ غائب کر سکتے ہو لیکن تمہیں اور تمہاری بیوی کو ایسی چکی میں ڈال دیا جائے گا کہ باقی عمر پستے رہو گے، مرو گے نہیں۔"

ہاشمی نے اُس کی پیٹھ پر اتنی زور سے لات ماری کہ اُس کا مُنہ دیوار سے جا لگا۔

"زبان بند رکھو" — ہاشمی نے کہا۔

اس کے بعد ان کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی اور عبدالقدیر چار آدمیوں کے ساتھ پہنچ گیا۔ عبدالقدیر نے ہاشمی کو اپنی طرف بلایا اور اسے اور اپنے ساتھ لاتے ہوئے آدمیوں سے سرگوشی میں کہا کہ ان کے سامنے باتیں کرتے وقت ایک دوسرے کا نام نہ لینا۔ میرا نام تو بالکل ہی نہ لینا بلکہ مجھے قریشی صاحب کہنا.... اُس نے ہاشمی سے پوچھا کہ کیا اور کیسے ہُوا ہے۔

"یہ تو میں کل شام آپ کو بتا چکا ہوں" — ہاشمی نے کہا — "کہ عزیز کی بہن کس طرح میری غیر حاضری میں میری بیوی کے پاس آتی تھی اور اس نے کیا باتیں کی تھیں۔"

FunStuff.blogspot.com

"رات کی بات چھوڑیں ہاشمی صاحب!" — عبدالقدیر نے کہا —
"وہ تو آپ نے سب کچھ بتا دیا تھا اور ہم نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر دیا تھا۔ ان چاروں ساتھیوں کو بھی علم ہے۔ آج بتائیں کہ یہ دونوں کس طرح آتے تھے۔"

"بڑا اچھا اتفاق ہے کہ میں گھر میں موجود تھا" — ہاشمی نے کہا —
"دو عورتیں آئیں تو میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے انہیں دیکھا۔ زبیدہ کو تو میں جانتا ہوں۔ اسے کون نہیں جانتا۔ اس کے ساتھ برقعے میں جو عورت تھی اسے غور سے دیکھا۔ میری بیوی ابھی کسی کمرے میں تھی۔ ان دونوں عورتوں کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں کوئی دیکھ رہا ہے۔ زبیدہ نے اس برقعہ پوش عورت کے کان میں کچھ کہا۔ اس عورت نے زبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر دبایا پھر زبیدہ نے اس عورت کا نقاب جو اس کی ناک تک لپٹا ہوا تھا، ذرا اوپر کر دیا .... میں بتا نہیں سکتا قدیر صاحب کہ مجھے کیوں محسوس ہوا کہ برقعے میں لپٹا ہوا یہ جسم عورت کا نہیں، کسی آدمی کا ہے۔"

"ذرا آہستہ بولیں" — عبدالقدیر نے سرگوشی میں ہاشمی سے کہا۔

"وہ دور ہیں" — ہاشمی نے ورما اور زبیدہ کی طرف دیکھ کر کہا —
"ان تک آواز نہیں پہنچے گی .... میری بیوی باہر آئی۔ ان دونوں سے ملی اور انہیں ساتھ والے کمرے میں لے جا کر بٹھایا۔ دونوں کمروں کے درمیان والا دروازہ بڑا پرانا ہے۔ اس میں ایک درز ذرا کھلی ہوئی ہے۔ میں نے اس میں سے ادھر جھانکا۔ زبیدہ کی باتیں بھی میرے کانوں تک پہنچتی رہیں۔ یہ تو میرے ذہن میں کل سے ہی کانٹا اٹکا ہوا تھا کہ اتنی مدت بعد زبیدہ میری بیوی کے پاس کیوں آئی تھی اور جس طرح وہ راشدہ کے کمرے میں چلی گئی تھی اس سے بھی ایک شک میرے دل پر بیٹھ گیا تھا۔"

ہاشمی نے عبدالقدیر اور چاروں ساتھیوں کو وہ باتیں سنائیں جو زبیدہ نے اس کی بیوی کے ساتھ کی تھیں۔ ہاشمی نے انہیں بتایا کہ دروازے میں سے وہ برقعہ پوش عورت کو دیکھتا رہا۔ اسے شک اس لئے ہوا کہ زبیدہ نے کہا تھا کہ یہ عورت بول نہیں سکتی کیونکہ اس کی زبان اور منہ

پر ورم یا سوزش ہے۔ اس عورت نے دو تین لفظ ہی بولے۔ پتہ تو یہ چلتا تھا کہ اس کا گلا خراب ہے لیکن عورت کا گلا کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو اور وہ اپنی آواز کتنا ہی کیوں نہ بدل لے اس کی آواز مردوں جیسی نہیں ہو سکتی۔ اس عورت کی آواز مردوں جیسی لگ رہی تھی۔

"میں سی آئی ڈی اور انٹیلی جنس میں کبھی بھی نہیں رہا" — ہاشمی نے کہا — "یہ اللہ کی قدرت ہے یا اسے ایمان کا کرشمہ کہئے کہ دماغ میں ایک چمک سی پیدا ہوئی جس نے مجھے اس برقعہ پوش کا اصل روپ دکھا دیا۔ زبیدہ میری بیوی کی اجازت کے بغیر راشدہ کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ آدمی جو برقعہ پوش ہے زبیدہ کے ساتھ لگ کر بیٹھا ہوا تھا اور اس نے کئی بار زبیدہ کو ٹھوکا دیا۔ اس سے میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ زبیدہ اس کی ہدایت کاری پر بول رہی تھی۔"

اس کے بعد ہاشمی نے بتایا کہ کس طرح اس نے اس شخص کو بے نقاب کیا، اس نے پستول نکالا اور ہاشمی نے کس طرح پستول چھینا۔

"اب بتائیں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے" — ہاشمی نے کہا۔

"عزیز کی اس بہن کے خاوند کو یہاں بلواتے ہیں" — عبدالقدیر نے کہا — "لیکن اسے ابھی یہ نہیں بتانا کہ یہاں کیا دیکھنے آئی تھی۔ یہ آدمی جو زبیدہ کے ساتھ آیا بیٹھا ہے، یقیناً عزیز کا ساتھی ہے اور یہ انٹیلی جنس کا یا سی آئی اے کا آدمی ہے۔ اس کی ہم مار پٹائی کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر ہم نے اسے قتل کر کے غائب کر دیا تو سی آئی اے یا انٹیلی جنس آپ کو اور آپ کی بیوی کو بخشے گی نہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ان کا یہ آدمی اس وقت کہاں ہے اور کس مشن پر ہے۔ ہمارے لئے دوسرا خطرہ یہ ہے کہ یہ کم بخت اگر ہندو ہوا تو یہ جس محکمے کا بھی ہے وہ ہندوؤں کو یہ کہہ کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دے گا کہ مسلمانوں نے ایک بے گناہ ہندو کو اغوا کر کے غائب کر دیا ہے ....

Pakistanipoint.blogspot.com

پہلے تو ہم اس سے یہ اگلوائیں گے کہ اس کا تعلق کون سے محکمے کے ساتھ ہے۔ اس کا مشن تو ہمیں معلوم ہے۔ زبیدہ نے کل عزیز کو بتایا ہوگا کہ اُس نے اس گھر میں ایک لڑکی دیکھی ہے جو ان کی کچھ نہیں لگتی۔ عزیز نے یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ رِشی ہی تو نہیں، اپنے اس ساتھی کو بھیجا ہوگا۔"

ہُوا بھی ایسے ہی تھا کہ زبیدہ نے پہلی بار اس گھر میں رِشی کو دیکھ کر اور واپس جاکر عزیز کو بذریعہ ٹیلی فون بلایا اور بتایا تھا کہ اُس نے اس حلیے اور اس شکل کی ایک لڑکی کو جس نے فلاں رنگ اور فلاں قسم کے کپڑے پہن رکھے ہیں، ہاشمی صاحب کے گھر دیکھا ہے۔ عزیز نے پہلے یہ سوچا تھا کہ وہ مصنوعی داڑھی لگا کر عامل کے بھیس میں وہاں خود جائے گا، لیکن ورما نے اُسے روک دیا تھا پھر دونوں نے یہ بہروپ دھارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ عزیز نے ورما سے یہ بھی کہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہو جائے تو بلاخوف وخطر گولی چلا دینا۔

"اس کا مجھے کوئی ڈر نہیں" ـــــ ورما نے کہا تھا ـــــ "اگر کوئی ایسی ویسی ہوگئی تو ہم شہر کے ہندوؤں کو اس محلے کے مسلمانوں پر چڑھا دیں گے۔ ہندوؤں کو تو بہانہ چاہیئے۔"

اب ایسی ویسی ہوگئی تھی اور ورما ان چھ مسلمانوں کے ہاتھوں میں بے بس تھا۔

عبدالقدیر ورما کے پاس پہنچا۔ اُس کے سر کے بال مٹھی میں لئے اور جھٹکا دے کر اُوپر کو کھینچے۔ ورما اُٹھ کھڑا ہُوا۔ عبدالقدیر نے ہاشمی سے اتنا ہی پوچھا کہ کون سا کمرہ بہتر رہے گا۔ ہاشمی آگے آگے چل پڑا۔ عبدالقدیر ورما کے بالوں کو پکڑے ہوئے اور جھٹکے دیتا ہُوا ہاشمی کے پیچھے پیچھے ایک کمرے میں چلا گیا جس میں پرانی چارپائیاں اور کچھ اور پرانی چیزیں پڑی ہوتی تھیں۔ زیادہ تر کمرہ خالی تھا۔ اس کے چاروں ساتھی بھی کمرے میں چلے گئے اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"سچ سچ بتا جوان!" ـــــ عبدالقدیر نے ورما سے پوچھا ـــــ "کون ہو اور یہاں کیا لینے آتے تھے؟"

"احمق نہ بنو" ـــــ ورما نے بڑی دلیری سے کہا ـــــ "مجھے جانے دو.... پچھتاؤ گے۔"

"ہندو ہو یا مسلمان؟"

"ہندو ہوں" ـــــ ورما نے جواب دیا ـــــ "اور تم جانتے ہو کہ میرے ساتھ تم نے کوئی زیادتی کی تو یہاں کے ہندو صرف تم سے نہیں بلکہ اس آبادی کے تمام مسلمانوں سے...."

عبدالقدیر کے ایک زوردار تھپڑ نے اُسے اس سے آگے کچھ کہنے نہ دیا۔ اس کے ساتھ ہی ورما پر عبدالقدیر، ہاشمی اور ان کے چار ساتھیوں کے تھپڑوں اور گھونسوں کا مینہ برس پڑا۔

ہاشمی نے اپنے ساتھیوں کو روک دیا۔ ورما کی حالت خاصی بُری ہوگئی تھی۔

"ہندو کے بچے!" ـــــ عبدالقدیر نے ورما سے کہا ـــــ "سچ بول!"

ورما میں ابھی کچھ دم باقی تھا۔ اُس نے ایک بار پھر انہیں دھمکی دی۔ عبدالقدیر جانتا تھا کہ انٹیلی جنس کے انویسٹی گیشن سنٹر میں کیسے کیسے طریقوں سے ملزموں کے سینوں سے راز نکالے جاتے ہیں۔ اُس نے ایسا ہی ایک طریقہ آزمایا۔ ورما نے خود بھی ملزموں کو اس قسم کی اذیتیں دی تھیں لیکن خود پہلی بار اس ایذا رسانی میں ڈالا گیا تھا۔ اس کی چیخیں اس کمرے سے باہر تو سُنی جا رہی تھیں لیکن اس حویلی سے باہر نہیں جا سکتی تھیں۔ اتنے میں کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ہاشمی نے دروازہ کھولا۔ باہر اس کی بیوی کھڑی تھی۔

"ذرا اُسے آکر دیکھیں" ـــــ ہاشمی کی بیوی نے زبیدہ کے متعلق ہاشمی کو بتایا ـــــ "وہ میرے پاؤں پر بار بار سر رکھتی اور کہتی ہے کہ مجھے جانے دو، اگر بات باہر نکل گئی تو میری بڑی بے عزتی ہوگی.... وہ رو رو کر بُرا حال کر رہی ہے۔"

ہاشمی نے عبدالقدیر کو بتایا۔ عبدالقدیر نے اسے کچھ کہا اور ہاشمی

PdfSuff.blogspot.com

کمرے سے نکل گیا۔ اُس نے زبیدہ کو ساتھ لیا اور ایک کمرے میں لے جا کر اس سے پوچھا کہ وہ اس آدمی کو اپنے ساتھ کیوں لاتی تھی۔

"اگر سچ نہیں بولو گی تو تمہاری بے عزتی اُس سے کہیں زیادہ ہو گی جتنی تم سمجھ رہی ہو" — ہاشمی نے کہا — "تم ایک غیر مرد کو بہروپیا بنا کر بُری نیت سے یہاں آتی تھیں۔ ابھی تمہارے خاوند کو اطلاع دیں گے۔ وہ آتے چاہے نہ آتے، ہم تمہیں تھانے لے جائیں گے ...."

زبیدہ ہاشمی کے پاؤں میں بیٹھ گئی اور اس کے قدموں میں سر رکھنے کے لئے جھکی، لیکن ہاشمی نے اُس کا سر اُوپر کر دیا۔

"اب تھانیدار اور اپنے خاوند کے قدموں میں ماتھا رگڑنا" — ہاشمی نے کہا۔

زبیدہ مکّار اور عیّار ہو سکتی تھی، وہ جرائم پیشہ نہیں تھی کہ ذہنی یا جسمانی ایذا رسانی کو کچھ دیر کے لئے برداشت کر سکتی۔ وہ بہرحال ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اس لئے اپنی عزت کو بچانے کے لئے وہ ہر قیمت دینے کو تیار تھی۔ ہاشمی نے اُس کے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا کہ وہ اس پر پردہ ڈال لے گا بشرطیکہ وہ صحیح بات بتا دے۔

زبیدہ نے صحیح بات بتا دی۔

"ہاشمی بھائی جان!" — زبیدہ نے پوچھا — "یہ قصّہ کیا ہے؟ مَیں نے تو اپنے بھائی کی بات مانی تھی۔ اُس کے ساتھ مجھے پیار ہے۔ اُس نے میرے ساتھ اِس آدمی کو بھیجا تھا۔"

"کیا اِس آدمی کو تم پہلے سے جانتی تھیں؟" — ہاشمی نے پوچھا — "یہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟"

"نہیں!" — زبیدہ نے جواب دیا — "عزیز نے مجھے اتنا ہی بتایا تھا کہ یہ اُس کا دوست ہے۔"

"یہ ہندو ہے" — ہاشمی نے کہا — "خود کہتا ہے کہ مَیں ہندو ہوں۔"

"عزیز نے مجھے اس کا نام عبدالرحمٰن بتایا ہے" — زبیدہ نے کہا

اور بھکاریوں کی طرح بولی — "یہ میرے بھائی اور اس کے دوست کا دین ایمان ہے کہ انہوں نے مجھے کیا بتایا اور حقیقت کیا ہے۔ میں جو کچھ جانتی تھی وہ آپ کو بتا دیا ہے۔ اب آپ اپنا وعدہ پورا کریں اور مجھے جانے دیں۔ میرے خاوند کو پتہ چل گیا تو ...."

"خاموشی سے یہاں بیٹھی رہو" — ہاشمی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

ہاشمی اُس کمرے میں گیا جہاں اُس کے محاذ کے آدمیوں نے ورما کو گھیر رکھا تھا۔ اُس وقت تک عبدالقدیر فیصلہ کر چکا تھا کہ ورما کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔

"اُس نے ساری بات بتا دی ہے" — ہاشمی نے زبیدہ کے متعلق اپنے ساتھیوں کو بتایا — "یہ ڈرامہ عزیز کھیل رہا ہے۔"

"اب تم بھی بول پڑو میرے دوست!" — عبدالقدیر نے ورما سے کہا۔

اُس وقت تک یہ لوگ ورما کی حالت خاصی بُری کر چکے تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ وہ مزید تشدد برداشت نہیں کر سکتا تھا اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ اُسے معلوم تھا کہ عزیز کو پتہ ہے کہ وہ کہاں ہے۔ عزیز اُسے اور اپنی بہن کو کسی خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اُس نے اپنے ایک دو آدمیوں کو ہاشمی کے گھر پر نظر رکھنے کے لئے بھیج رکھا تھا۔ یہ انتظام بھی عزیز کا ذاتی تھا۔ اُس نے اور ورما نے ابھی اپنے محکمے کو نہیں بتایا تھا۔ عزیز اپنے چیف کو بتانے سے پہلے یقین کر لینا چاہتا تھا کہ رشی ہاشمی کے گھر میں ہی ہے یا ہاشمی کو معلوم ہے کہ لڑکی کہاں ہے۔

عزیز اور ورما کے ان دو آدمیوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ہاشمی کے گھر کے اندر کیا ہو رہا ہے۔

"مَیں تمہیں یہ بتانے سے نہیں ڈرتا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں" — ورما نے کہا — "میں انٹیلی جنس کا آدمی ہوں۔"

Pdfstuff.blogspot.com

"تم جو کوئی بھی ہو" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "یہ بتاؤ کہ یہاں کیا لینے آئے ہو.... ہم کس طرح مان لیں کہ تم انٹیلی جنس کے یا سی آئی ڈی کے آدمی ہو؟ کیا یہ عورت بھی انٹیلی جنس میں ہے اور کیا اس عورت کا بھائی عزیز احمد بھی انٹیلی جنس کا آدمی ہے؟"

"نہ یہ عورت انٹیلی جنس میں ہے نہ اس کا بھائی" ـــ ورما نے جواب دیا ـــ "میں ایک لڑکی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ عزیز احمد میرا دوست ہے۔"

"کون ہے وہ لڑکی؟" ـــ عبدالقدیر نے پوچھا ـــ "اُس کا اس گھر والوں کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ کیا تمہیں کسی نے یہ بتایا ہے کہ یہ بدمعاشوں اور بردہ فروشوں کا گھر ہے؟"

"میں آپ کے ساتھ زیادہ باتیں نہیں کر سکتا" ـــ ورما نے کہا ـــ "ہمارے محکمے کو اطلاع ملی ہے کہ وہ لڑکی اس گھر میں ہے۔"

"اور تمہیں یہ اطلاع عزیز کی بہن نے دی ہے" ـــ عبدالقدیر نے کہا۔

ورما ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ عبدالقدیر نے اُس کا بازو پکڑا اور اُسے کمرے سے باہر لے گیا۔

"یہ سارا مکان تمہارے سامنے ہے" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "تم اگر انٹیلی جنس میں ہو تو تم جانتے ہو گے کہ کسی مشتبہ کے گھر کی تلاشی کس طرح لی جاتی ہے۔ تم آگے آگے چلو، ہم تمہارے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ ہر کمرے میں جاؤ۔ پلنگوں کے نیچے اور الماریوں کے اندر بھی دیکھو۔ کسی کمرے میں فرشی دری بچھی ہو تو وہ اُٹھا کر دیکھو کہ اس کے نیچے کہیں کسی تہہ خانے کا دروازہ نہ ہو۔ پھر ہم تمہیں اُوپر لے چلیں گے اور تمہیں اُس وقت یہاں سے نکلنے دیں گے جب تمہاری تسلی ہو جائے گی۔ اب ہم میں سے کوئی بھی تم پر ہاتھ نہیں اُٹھائے گا۔ تمہیں خانہ تلاشی کی کھلی اجازت ہے۔"

ورما ساتھ والے کمرے میں گیا اور اس کمرے کو اُسی طرح دیکھا

جس طرح پولیس کسی گھر کی تلاشی لیتے وقت دیکھا کرتی ہے۔ اس حویلی کے بہت سے کمرے تھے۔ ورما کمروں کے اندر جا کر دیکھتا جا رہا تھا اور وہ اُس کمرے میں داخل ہُوا جس میں رِشی کو رکھا گیا تھا۔ وہاں بھی رِشی نہیں تھی۔

اُس نے تمام کمرے دیکھ لئے۔ پھر اُسے اُوپر والی منزل میں لے گئے۔ وہاں بھی کسی کمرے میں اُسے رِشی نظر نہ آئی۔ اُسے نوکر اور نوکرانی کا کمرہ بھی دکھایا گیا پھر اُسے نیچے لے آئے۔ زبیدہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کا گہرا تاثر تھا۔ عبدالقدیر نے اُسے اپنی طرف بلایا۔

"اپنے اس دوست کو بتاؤ کہ تم نے کسی لڑکی کو کون سے کمرے میں دیکھا تھا" ـــ عبدالقدیر نے زبیدہ سے کہا۔

زبیدہ نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ کمرہ ایک بار پھر دیکھ آؤ" ـــ عبدالقدیر نے ورما سے کہا۔

ورما نے آہستہ سے سر ہلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اُس کمرے میں دوبارہ جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

"میری بات غور سے سن میرے دوست!" ـــ عبدالقدیر نے زبیدہ کی طرف اشارہ کر کے ورما سے کہا ـــ "اس عورت کو اور اس کے بھائی کو ہم بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ ہاشمی صاحب کو بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بہن بھائی بڑے شریف باپ کی اولاد ہیں لیکن یہ اتنے ہی شیطان ہیں جتنا ان کا باپ شریف اور وضعدار آدمی ہے۔ اس اتنے بڑے گھر میں یہ ہاشمی صاحب اور ان کی بیگم اکیلے رہتے ہیں۔ جناب عزیز صاحب اس مکان پر یا کم از کم آدھے مکان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ انہیں ایسے چکر میں پھنسا دو کہ یہ ہتھیار ڈال دیں۔"

"کیا آپ ان کے وکیل ہیں؟" ـــ ورما نے قدرے مسکراتے ہوئے

Pakistanipoint.com

کہا ـــ "گھر ان کا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ باتیں صرف آپ کر رہے ہیں۔"

"اس ملک میں مسلمانوں کا وکیل صرف خدا ہے" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "میں اس لئے ان کی جگہ بول رہا ہوں کہ یہ انتہائی شریف انسان ہیں اور ان کے لئے ایسی شرمناک اور پیچیدہ صورتِ حال پیدا کر دی گئی ہے کہ یہ بات کرنے کے بھی قابل نہیں رہے۔ انہوں نے مجھ کر ہم سب کو بلا لیا۔ ہم سب ایک ہی محلے کے رہنے والے ہیں۔ یہ اس قا سیدھے آدمی ہیں کہ ہم اگر انہیں اس صورتِ حال میں اکیلا چھوڑ دیں تو بلیک میلنگ کے چکر میں آکر اتنا بڑا مکان چھوڑ کر بھاگ جائیں اور عز کا مقصد پورا ہو جائے۔"

"کیا اب مجھے جانے کی اجازت ہے؟" ـــ ورما نے پوچھا ـــ "میں نے اپنی تسلی کر لی ہے" ـــ اُس نے ہاشمی کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا ـــ "ہاشمی صاحب! میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ کو کوئی بلیک میل نہیں کرے گا۔ میں آپ کی شرافت کا قائل ہو گیا ہوں۔ کسی سے ڈرنے کی یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

ورما انٹیلی جنس کا تربیت یافتہ آدمی تھا۔ اتنی زیادہ پٹائی کروا کے بھی وہ بڑے شگفتہ انداز میں ہاشمی سے معافی مانگ رہا تھا جیسے اس پر کوئی زیادتی نہ ہوئی ہو بلکہ اس نے ہاشمی کے ساتھ زیادتی کی ہو۔

"نہیں مہاراج!" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "آپ کی تسلی تو ہو گئی ہے، ہماری نہیں ہوئی .... تمہارا یہ کہنا کہ تم انٹیلی جنس کے آدمی ہو، ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ تمہارے پاس انٹیلی جنس کے محکمے کا کوئی شناختی کارڈ نہیں۔ ہم تمہیں اور اس خاتون کو تھانے لے چلیں گے تاکہ تمہاری شناخت بھی ہو جائے اور یہ جو ڈرامہ کھیلا گیا ہے، یہ پولیس کے نوٹس میں آجائے۔"

زبیدہ پاس ہی کھڑی تھی۔ اُس نے جب تھانے کا نام سُنا تو وہ بالکل اُسی طرح تڑپنے لگی جس طرح پانی سے باہر پھینکی ہوئی مچھلی تڑپا

کرتی ہے۔ کبھی وہ ہاشمی کے آگے ہاتھ جوڑتی تھی، کبھی ہاشمی کی بیوی کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگاتی، کبھی عبدالقدیر کی منت سماجت کرتی تھی۔

عبدالقدیر نے اپنے ایک جواں سال ساتھی کو پرے لے جا کر کہا کہ وہ زبیدہ کے خاوند کو ساتھ لے کر تھانے پہنچ جائے۔

ورما نے تھانے کا نام سُنا تو اُس کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اُس کی خیریت اسی میں تھی کہ اسے تھانے پہنچا دیا جائے لیکن زبیدہ پر تو جیسے غشی طاری ہونے لگی تھی۔ جب یہ سب آدمی گھر سے نکلنے لگے تو زبیدہ نے جانے سے انکار کر دیا۔

"زبیدہ!" ـــ عبدالقدیر نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور آہستہ سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا ـــ "تمہیں تھانے جانا پڑے گا۔ نہیں جاؤ گی تو پولیس تمہیں لینے یہاں آجائے گی اور تم نہیں جانتیں کہ پولیس کس بدتمیزی سے تمہیں تھانے لے جائے گی۔"

زبیدہ نے رونا شروع کر دیا۔ آخر ورما کے کہنے پر وہ ساتھ چل پڑی۔

اس علاقے کا تھانہ انچارج ایک سکھ پولیس انسپکٹر تھا۔ یہ لوگ اُس کے پاس گئے۔ عبدالقدیر نے بیان کیا کہ ہاشمی کے گھر میں کیا ہُوا ہے۔ ہاشمی نے اس سکھ تھانیدار کو بتایا کہ یہ شخص کالا برقعہ اوڑھ کر آیا تھا۔ زبیدہ کے متعلق تھانیدار کو بتایا کہ یہ ایک روز پہلے ہاشمی کے گھر میں گئی تھی۔ تھانیدار کو پوری واردات سنائی گئی۔

تھانیدار نے سب کو باہر نکال دیا۔ صرف زبیدہ کو اپنے پاس رہنے دیا۔ اُس سے بیان لینا تھا۔ ورما کو اُس نے الگ بٹھا دیا تھا۔ ورما کا پستول اور برقعہ بھی تھانیدار کو دیا گیا تھا۔ ورما کی حیثیت ملزم کی تھی۔ زبیدہ بھی ملزم تھی لیکن تھانیدار نے ورما سے پہلے زبیدہ کا بیان لینا بہتر سمجھا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ عورت جرم کا اقبال نہ کرے تو اُسے جلدی توڑا جا سکتا تھا کیونکہ عورت مرد جتنا تشدد برداشت نہیں کر سکتی۔

Pdfstuff.blogspot.com

تھانیدار زبیدہ کا بیان لے رہا تھا کہ اُس کا خاوند آگیا۔ ہاشمی اور عبدالقدیر اُسے جانتے تھے۔ اتنا زیادہ میل ملاپ نہیں تھا اس لئے آپس میں بے تکلفی نہیں تھی۔ اُس کا رنگ اُڑا ہُوا تھا۔ وہ ہاشمی اور عبدالقدیر سے پوچھنے سے گھبرا رہا تھا کہ اُس کی بیوی کو تھانے کیوں لایا گیا ہے۔

ہاشمی اور عبدالقدیر اُسے الگ لے گئے اور اُسے پوری بات سنا دی لیکن یہ نہ بتایا گیا کہ گمشدہ لڑکی واقعی ہاشمی کے گھر تھی اور اُنہوں نے اُسے اغوا کیا تھا۔ عزیز کے متعلق انہوں نے بتایا کہ وہ انٹیلی جنس کا جاسوس ہے۔

"میرے بھائی!" — ہاشمی نے زبیدہ کے خاوند سے کہا — "یہ شخص جسے آپ کی بیگم برقعے میں لپیٹ کر میرے گھر لائی تھی، ہندو ہے مجھے افسوس ہے کہ یہ عورت آپ کی بیوی ہے۔ مَیں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ صاحبِ کردار ہیں لیکن اس وقت ہم اس عورت کو عزیز احمد کی بہن کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عورت کا اور عزیز کا باپ بھی آپ کی طرح صاحبِ کردار اور باوقار آدمی ہے لیکن اس عورت کی واردات دیکھیں۔"

زبیدہ کے خاوند کے آنسو نکل آتے۔

"ہمیں بہت افسوس ہے جمیل صاحب!" — عبدالقدیر نے کہا — "آپ کے ساتھ ہماری کوئی عداوت نہیں۔ اگر بات معمولی سی ہوتی تو ہم تھانے تک نوبت نہ پہنچنے دیتے۔ شاید آپ سے گلہ بھی نہ کرتے لیکن آپ خود سوچیں کہ یہ معاملہ کس قدر سنگین ہے۔"

"میں تو کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا" — زبیدہ کے خاوند نے کہا — "اس عورت کو صرف اس لئے برداشت کرتا رہا ہوں کہ یہ ادریس احمد کی بیٹی ہے۔ ادریس صاحب کو شاید آپ بھی جانتے ہوں گے۔"

"ہاں ہاں!" — ہاشمی نے کہا — "اُن جیسا نیک سیرت اور نیک فطرت کون ہوگا۔"

"اگر عزیز اس عورت تک ہی محدود ہوتا تو میں کبھی کا اس عورت

کو طلاق دے چکا ہوتا" — زبیدہ کے خاوند نے کہا — "اِس عورت کے اخلاق اور کردار سے میں بڑی اچھی طرح واقف ہوں۔ اب میں دیکھوں گا کہ یہ معاملہ کیا ہے پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کارروائی کرتا ہوں۔"

ایک گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت تھانیدار نے زبیدہ کو تفتیش کے لئے اپنے کمرے میں بٹھاتے رکھا۔ اُسے باہر لا کر ایک طرف بٹھا دیا اور ورما کو اندر بلایا۔

زبیدہ نے اپنے خاوند کی طرف دیکھا۔ خاوند نے منہ پھیر لیا۔

ورما تقریباً ایک گھنٹے بعد تھانیدار کے کمرے سے نکلا۔ اس کے بعد تھانیدار باہر آیا اور اُس نے ہاشمی، عبدالقدیر اور اُس کے ساتھیوں کو بلایا۔ زبیدہ کا خاوند بھی اُن کے ساتھ چلا گیا۔ تھانیدار نے ان سب کو عزت و احترام سے بٹھایا۔ جمیل کو دیکھ کر تھانیدار نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ یہ اس عورت کا خاوند ہے۔

"آپ سب معزز لوگ ہیں" — اس سکھ تھانیدار نے کہا — "مَیں آپ سے امید رکھوں گا کہ جو بات مَیں آپ کو بتانے لگا ہوں اسے آپ سچ مانیں گے .... مَیں خود حیران تھا کہ یہ واردات ایک شریف آدمی کے گھر میں کیوں ہوتی اور کس طرح ہوتی لیکن یہ کچھ اور ہی معاملہ نکلا ہے .... یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مَیں سکھ ہوں اور آپ مسلمان ہیں۔ ہندوؤں سے جتنے نالاں آپ ہیں اُتنے ہی ہم ہیں۔ مَیں جو بھی بات کروں گا وہ آپ کی حمایت میں ہوگی اور اس میں آپ کا ہی فائدہ ہوگا۔ یہ شخص جو آپ کے گھر میں اس عورت کے ساتھ برقعے میں گیا تھا، انٹیلی جنس کا آدمی ہے اور یہ ہندو ہے۔"

"کیا آپ نے اس کی باقاعدہ شناخت کی ہے؟" — عبدالقدیر نے پوچھا — "اس کی تصدیق کرائی ہے؟"

"اپنی تسلی کر کے ہی آپ کے ساتھ بات کر رہا ہوں" — تھانیدار نے جواب دیا — "مَیں آپ کو اس کا نام نہیں بتا سکتا۔ میں یہ بھی نہیں بتا

Pustak.blogspot.com

سکتا کہ میں نے کہاں سے تصدیق کرائی ہے۔ صرف یہ بتاتا ہوں کہ میں نے ڈی ایس پی کو فون کیا تھا اور اُس نے انٹیلی جنس کے متعلقہ شعبے کو فون کر کے مجھے بتایا ہے کہ اس شخص کا تعلق انٹیلی جنس کے ساتھ ہے۔"

"لیکن سردار جی!" — ہاشمی نے پوچھا — "اس نے یہ چکر میرے گھر میں کیوں چلایا ہے؟ اس نے ہمیں بتایا تھا کہ ان کی کوئی لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے اور انہیں شک ہے کہ وہ میرے گھر میں ہے۔ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ ہم نے اسے مکان کے تمام کمرے دکھائے اور اسے اجازت دی کہ پولیس کی طرح خانہ تلاشی لے لے۔ اس نے ہمیں بھی یہ بتایا تھا کہ یہ انٹیلی جنس کا آدمی ہے لیکن ہم یہ معاملہ آپ کے نوٹس میں لانا چاہتے تھے۔"

"جو ہو گیا ہے اُسے برداشت کریں اور بھول جائیں" — سکھ تھانیدار نے کہا — "اس شخص نے کوئی قابل گرفت واردات نہیں کی۔ میں نے اُوپر بات کر لی ہے۔ اوپر سے مجھے جو بتایا گیا ہے وہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ میں اس تھانے کا انچارج ہوں اور میں سکھ ہوں۔ میری جگہ کوئی ہندو انسپکٹر ہوتا تو وہ آپ کی شکایت سُننے کی بجائے آپ کو ملزم بنا دیتا اور انٹیلی جنس والوں سے کہہ سُن کر آپ کو وہاں کے انویسٹی گیشن سنٹر میں پہنچا دیتا۔ آپ نے انٹیلی جنس کے ایک آدمی کو مارا پیٹا ہے۔ ہندوؤں کی ذہنیت کو آپ جانتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے بھی اتنے ہی دشمن ہیں جتنے سکھوں کے ہیں۔ ہمارے دربار صاحب امرتسر پر حملہ کرنے اور آپ کے کعبہ جیسے ہمارے دربار صاحب کو تباہ کرنے والوں نے آپ کی مسجدیں اُجاڑ دی ہیں۔ پہلے یہ مسلمانوں کا خون بہاتے رہتے تھے پھر انہوں نے سکھوں کے خون کی ندیاں بہا دیں۔ ۱۹۴۷ء میں ہندو لیڈروں نے سکھ لیڈروں کو سبز باغ دکھا کر اور روپیہ دے کر سکھ قوم کو مسلمانوں کا دشمن بنایا۔ جب ہندوؤں کا مطلب پورا ہو گیا تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ سکھوں کو بھی اپنا دشمن سمجھنا شروع کر دیا۔"

سکھ تھانیدار آہستہ آہستہ بول رہا تھا کہ اس کی آواز دروازے سے باہر نہ جائے۔ اُس کی باتوں کی گہرائی کو عبدالقدیر زیادہ اچھی طرح سمجھتا تھا کیونکہ وہ انٹیلی جنس میں رہ چکا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ہندو حکومت ہاتھ دھو کر سکھوں کے پیچھے پڑی ہوتی ہے۔

"ہم آپ کے بہت ہی مشکور ہیں سردار جی!" — عبدالقدیر نے کہا — "ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ واردات یا یہ واقعہ تھانے کے ریکارڈ پر آ جائے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم نے اس شخص کو زدوکوب نہیں کیا۔ ہم تو اس کی پٹائی کرتے کرتے تھانے لانا چاہتے تھے۔"

"ریکارڈ پر آ گیا ہے" — تھانیدار نے کہا — "اور آپ نے اچھا کیا ہے کہ اس کی پٹائی کرتے کرتے تھانے نہیں لاتے۔ ہندو لومڑی اور بھیڑیئے کی نسل ہے۔ یہ اس معاملے کو فرقہ وارانہ فساد بنا سکتا ہے۔ میں نے اس شخص کو بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا ہے۔ یہ ہندوؤں کو مسلمانوں کی آبادی پر چڑھا سکتا ہے۔"

"حکومت اِن کی ہے صاحب!" — ہاشمی نے کہا — "شیطان کی یہ اولاد جو چاہے کر سکتی ہے۔"

"میں آپ سے ایک ضروری بات کہنا چاہوں گا" — تھانیدار نے کہا — "کبھی کسی محفل اور مجلس میں، دفتر یا کینٹین میں یا کہیں بھی، پاکستان کی حمایت میں کوئی بات نہ کرنا۔ آپ کو میری یہ بات شاید اچھی نہ لگے کہ پاکستان کے لیڈروں نے پاکستان کو ایک کمزور ملک بنا دیا ہے۔ ہم تو کہتے تھے کہ جس طرح ہندوؤں نے ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں بنگالیوں کی مدد کی تھی اس طرح پاکستان مشرقی پنجاب میں سکھوں کی مدد کرے گا لیکن پاکستان تو بھارت کے مسلمانوں کی بھی مدد کرنے سے گھبراتا ہے۔"

"مدد تو دُور کی بات ہے سردار صاحب!" — ہاشمی نے کہا — "پاکستان کی حکومت سرکاری طور پر بھارت میں مُسلم کُشی پر احتجاج بھی نہیں کرتی۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ پاکستان کے لوگ ہمارے ہمدرد ہیں۔"

Pakistanipoint.com

"لوگوں کی کون سُنتا ہے" — تھانیدار نے کہا اور وہ اچانک بول پڑا جیسے اُسے کچھ یاد آگیا ہو۔ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا — "یہ ملکوں کی سیاست کی باتیں ہیں میرے بھائیو! اب جاؤ .... میری نوکری کا خیال رکھنا۔ میں نے کچھ فالتو باتیں کہہ دی ہیں" — وہ سب اُٹھ رہے تھے تو تھانیدار نے کہا — "ایک اور فالتو بات کہہ دیتا ہوں۔ انٹیلی جنس کے ساتھ ٹکر لینے کی حماقت کبھی نہ کرنا۔"

"میری بیوی کو انٹیلی جنس کے ساتھ کیوں وابستہ کیا گیا ہے؟" — زبیدہ کے خاوند جمیل نے پوچھا۔

"یہ آپ کے گھر کا معاملہ ہے" — تھانیدار نے کہا — "آپ کو خوش ہونا چاہیئے کہ آپ کی بیوی جیل سے بچ گئی ہے۔ کچھ اور پوچھنا ہے تو وہ اپنی بیوی سے پوچھیں .... اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔"

سب باہر نکل آئے۔ ورما جا چکا تھا۔ زبیدہ وہیں تھی۔ اُس کے خاوند پر یہ بڑا ہی تلخ، شرمناک اور ناقابلِ برداشت انکشاف ہو چکا تھا کہ اُس کی بیوی کا تعلق انڈین انٹیلی جنس کے ساتھ ہے۔ اُس نے باہر آکر اپنی بیوی کی طرف دیکھا ہی نہیں اور دوسروں کے ساتھ تھانے سے نکل آیا۔

ان میں سے کسی نے پیچھے دیکھا تو جمیل کو بتایا کہ اُس کی بیوی آرہی ہے۔ زبیدہ کو تھانیدار نے باہر نکل کر کہا تھا کہ وہ گھر چلی جائے۔

جمیل بیوی کے لئے رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ عبدالقدیر، ہاشمی اور دوسرے ساتھیوں نے اُسے کہا کہ بیوی کو ساتھ لے لے، گھر جا کر اس کے ساتھ جیسا سلوک چاہے کرے، یہاں غیروں کے سامنے تماشہ نہ بنائے۔

"آپ سب رُک جائیں" — جمیل نے کہا — "میں اپنا فیصلہ آپ سب کے سامنے سناؤں گا۔"

سب رُک گئے۔ زبیدہ ان کے پاس آئی اور سر جھکا کر رُک گئی۔

"تم یہاں سے سیدھی اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤ" — جمیل

نے اُسے کہا — "بچے میرے پاس رہیں گے، تم اپنے ماں باپ کے پاس رہو گی۔ تحریری طلاق نامہ تمہیں مل جائے گا۔"

زبیدہ نے چونک کر سر اُٹھایا اور نظریں اپنے خاوند کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اُس کی آنکھوں میں رُکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔

"اپنے گریبان میں مُنہ ڈالو" — جمیل نے کہا — "تمہیں اپنا اخلاق اور کردار نظر آئے گا اور تمہیں میری شرافت اور برداشت بھی نظر آئے گی" — جمیل نے ہاشمی اور عبدالقدیر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا — "اگر میرے بچے نہ ہوتے تو میں اسے کبھی کا طلاق دے چکا ہوتا۔ اس کے باپ کی شرافت کا بھی مجھے خیال رہا۔"

"میں عزیز کی باتوں میں آگئی تھی" — زبیدہ نے کہا — "اُس نے کہا تھا کہ میرے ایک پاکستانی دوست کی بیوی لاپتہ ہو گئی ہے اور شک ہے کہ وہ ہاشمی صاحب کے گھر میں ہے ...."

"یہ سب بکواس ہے" — جمیل نے بارُعب آواز میں کہا — "میں اب تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف یہ سُن لو کہ تمہارا پیارا بھائی عزیز احمد انڈیا کا جاسوس ہے اور وہ پاکستان کی جڑیں کاٹ رہا ہے اور وہ ہندوستان کے مسلمانوں کا اتنا ہی دشمن ہے جتنے ہندو ہیں .... اور یہ بھی سُن لو کہ تم جس آدمی کو برقعے میں لپیٹ کر ایک معزز اور پردہ دار گھر میں لے گئی تھیں وہ ہندو ہے۔ تم بھی انڈیا کی جاسوس ہو اور اس ہندو کے ساتھ تمہارا ناجائز یارانہ ہے۔"

"نہیں .... نہیں!" — زبیدہ نے تڑپ کر کہا — "مجھ پر اتنا ذلیل الزام نہ لگائیں .... میرا بھائی جاسوس نہیں ہو سکتا۔"

"تمہارے اس ایمان فروش بھائی کو تمہاری عزت اور عصمت کا ذرا سا بھی پاس نہیں" — جمیل نے کہا — "اُسے معلوم تھا کہ اُس کی یہ سکیم اُلٹ گئی تو تمہاری کتنی بے عزتی ہو گی۔"

"جمیل صاحب!" — ہاشمی نے کہا — "لوگ رُک رُک کر سُن رہے

PdfStuff.blogspot.com

ہیں۔ اس کے ساتھ اس کے والدین کے گھر چلے جائیں یا اسے اپنے گھر لے جائیں اور وہاں بات کریں۔"

"مجھے اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کرنی ہاشمی صاحب!" — جمیل نے کہا — "مَیں اپنا فیصلہ سُنا چکا ہوں۔ یہ اپنے ماں باپ کے گھر جاتے گی۔ آپ کو معلوم نہیں کہ مَیں نے اس عورت کے ساتھ اکیس سال کس طرح گزارے ہیں۔ مَیں نے تو اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ عزیز کہیں غائب ہو گیا ہے۔ اِس بہن بھائی نے مل کر میرا گھر خالی کر دیا تھا۔"

اتنے سارے آدمیوں میں زبیدہ کی حالت ایسی تھی جیسے اُس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑے تھے۔ لوگ اُن کے قریب سے گزرتے تو قدم ذرا روک کر دیکھتے اور سُنتے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"تم اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ" — جمیل نے زبیدہ سے کہا — "مَیں ان کے ساتھ جا رہا ہوں۔"

وہ سب چل پڑے اور زبیدہ وہیں کھڑی رہی۔ اُس نے جان لیا تھا کہ اُس کے خاوند کا فیصلہ اٹل ہے۔ اُس کا اپنا ضمیر بھی اُس پر لعنت بھیج رہا تھا۔ اس انکشاف نے تو اُس کا دم خم ہی توڑ دیا تھا کہ عزیز انڈیا کا جاسوس ہے۔ تھانے کی دہشت اور شرمساری بھی اُس کے اعصاب پر سوار تھی۔ وہ اُس سپاہی کی طرح جو زخمی اور شکست خوردہ ہو اور جس سے ہتھیار چھین لئے گئے ہوں، اپنے وجود کو گھسیٹنے لگی۔

وہ سب ہاشمی کے گھر جا بیٹھے۔ موضوعِ سخن عزیز، زبیدہ اور اُن کی یہ واردات تھی۔ جمیل غصّے سے بھرا ہُوا تھا۔ اُس نے یہاں تک کہا کہ اپنا بھائی، بیٹا یا باپ بھی بھارت کا جاسوس ہو تو اُسے قتل کر دو۔ اِس کے باوجود اُسے نہ بتایا گیا کہ ایسا ہی ایک محاذ بنایا جا چکا ہے۔ اُسے یہ راز بھی نہ دیا گیا کہ رِشی کو ہوٹل سے دھوکے میں لانے والوں میں سے دو اُس کے سامنے بیٹھے ہیں۔

عبدالقدیر کے تجربے اور دُور اندیشی نے ہاشمی کو بچا لیا تھا۔ اُس نے گزشتہ رات رِشی کو ہاشمی کے گھر سے نکلوا دیا تھا۔ ہاشمی نے جب عبدالقدیر کو بتایا تھا کہ زبیدہ اُس کے گھر آئی تھی اور اتفاق سے رِشی نے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا پھر جس طرح زبیدہ اُس کمرے میں گئی، وہ ہاشمی نے عبدالقدیر کو سنایا تو عبدالقدیر کو یقین ہو گیا کہ عزیز کی یہ بہن رِشی کو ہی دیکھنے یا رِشی کی ٹوہ لگانے کے لئے آئی تھی اور اس صورتِ حال میں ضروری ہو گیا ہے کہ رِشی کو وہاں سے نکال دیا جائے۔

اِن لوگوں کے لئے صورتِ حال بہت ہی پُرخطر ہو گئی تھی۔ صرف ہاشمی کا مکان ایسا تھا جس میں لڑکی کو چھپایا جا سکتا تھا۔ ایک تو اس مکان کے کمرے بے شمار تھے دوسرے یہ کہ اتنے بڑے مکان میں صرف میاں بیوی رہتے تھے، پھر بھی لڑکی کو وہاں دیکھ لیا گیا۔ عبدالقدیر کا اپنا مکان رِشی کو چھپانے کے قابل نہیں تھا کیونکہ اس گھر میں بہت سے افراد رہتے تھے۔ انہوں نے جو زمین دوز محاذ بنایا تھا اس کے کسی بھی ممبر کا گھر اغوا کی ہوئی ایک لڑکی کو چھپانے کے لئے موزوں نہیں تھا، لیکن لڑکی کو ہر قیمت پر کوئی خطرہ مول لے کر بھی ہاشمی کے گھر سے نکالنا تھا۔

ہاشمی اور عبدالقدیر کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے جذبے کے جوش میں آ کر ایک لڑکی کو اغوا تو کر لیا تھا لیکن اب اُن کے لئے یہ لڑکی ایک ٹیڑھا مسئلہ بن گئی تھی۔ رِشی کو صرف یہ معلوم کرنے کے لئے اغوا کیا گیا تھا کہ وہ عزیز کے ساتھ کیوں آئی ہے۔ یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ عزیز واقعی ہی "را" کا کارندہ ہے اور وہ پاکستان سے نوجوانوں کو ورغلا کر یہاں لے آتا ہے۔

لڑکی کو اس معاملے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ چاہیتے تو یہ تھا کہ جب اُنہیں یقین ہو گیا تھا کہ اس لڑکی کو واقعی کچھ بھی معلوم نہیں تو اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اشو کا ہوٹل کے قریب چھوڑ آتے لیکن لڑکی کو جب عزیز اور اپنے خاوند کے متعلق پتہ چلا کہ وہ بھارت کے جاسوس ہیں تو اُس کے جذبات بیدار

pdfstuff.blogspot.com

ہو گئے۔ ہاشمی اور اُس کی بیوی کے معاملے میں وہ جذباتی ہو گئی اور یہ میاں بیوی اُس کے جذباتی انقلاب سے متاثر ہو گئے۔ رِشی نے اپنے عاوند کے پاس جانے یا پاکستان کو واپس چلے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

عبدالقدیر اور ہاشمی نے اُس شام اپنے محاذ کے چیدہ چیدہ ممبروں کا اجلاس بلایا جس میں ان دونوں کے علاوہ تین اور آدمی شامل تھے۔ عبدالقدیر نے انہیں نئی صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ احتیاط کے طور پر یہ سب ایک اور آدمی کے گھر اکٹھے ہوتے تھے۔

"ہم بہت بڑی غلطی کر چکے ہیں" ـــ ایک ممبر نے کہا ـــ "لڑکی کے معاملے میں ہاشمی صاحب کو جذباتی نہیں ہونا چاہیئے تھا۔"

"غلطی تو ہو چکی ہے" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "ابھی ہم سے مزید غلطیاں سرزد ہوں گی۔ تجربہ غلطیوں سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ ہمیں خطرے مول لینے پڑیں گے۔ کبھی ہمیں اپنے جذبات دھوکا دیں گے، کبھی ہم دشمن کی کسی چال سے دھوکا کھائیں گے۔ جب دو ملکوں کی فوجیں آپس میں لڑتی ہیں تو دونوں فوجوں کے جرنیلوں کے پاس لڑائی کے باقاعدہ پلان موجود ہوتے ہیں لیکن اپنے ہی بناتے ہوتے پلان شکست کا باعث بھی بن جاتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں انسان اپنی لغزشوں اور دشمن کے رحم و کرم پر ہوتا ہے.... اِس لڑکی کا اغوا ہمارے محاذ کا پہلا مشن ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لڑکی کو اغوا کرنا ہی غلط تھا، کوئی اور طریقہ اختیار کیا جا سکتا تھا۔ نہیں میرے رفیقو! ہمیں آگ میں کُودنا ہی پڑے گا۔ اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ہمارے اُس وقت کے مجاہدین نے جانیں قربان کی تھیں۔ آج اسلام کے تحفظ اور فروغ کے لئے اور پاک و ہند کے مسلمانوں کے وقار کے لئے ہمیں جان و مال کی قربانیاں دینی ہوں گی.... اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ اس لڑکی کو ہاشمی کے گھر سے نکال کر کسی اور گھر میں رکھنا ہے لیکن کوئی اور گھر موزوں اور محفوظ نظر نہیں آتا۔"

"لڑکی کو کتنے دن اور رکھنا ہے؟" ـــ ایک ممبر نے پوچھا۔

"ایک یا دو دن!" ـــ عبدالقدیر نے جواب دیا۔

"پھر اُسے میرے گھر میں رکھ لیں" ـــ دوسرا ممبر بولا ـــ "خدا یقیناً ہماری مدد کر رہا ہے۔ آج صبح میری بیوی تین چار دنوں کے لئے اپنے والدین کے ہاں فیض آباد چلی گئی ہے۔ مَیں لڑکی کو بیوی کی واپسی تک اپنے گھر میں رکھ سکتا ہوں۔"

"آپ نے لڑکی کے متعلق سوچا کیا ہے؟" ـــ ایک ممبر نے پوچھا۔

"لڑکی میں ایسا جذباتی انقلاب آیا ہے کہ وہ پاکستان کو واپس جانا ہی نہیں چاہتی" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "لیکن ہمیں اُس کی ضرورت نہیں رہی۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ لڑکی کو اشوکا ہوٹل کے قریب چھوڑ آئیں گے۔"

"اس میں بھی ایک خطرہ ہے" ـــ ہاشمی نے کہا ـــ "لڑکی کو یہ تو معلوم ہی نہیں کہ وہ دِلّی کے کون سے علاقے یا محلے میں ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ نئی دِلّی میں ہے یا پرانی دِلّی میں لیکن وہ میری، میری بیوی کی، قدیر صاحب اور آپ کی شناخت آسانی سے کر سکتی ہے۔ آپ اُسے ہوٹل سے لاتے تھے۔ یہ تو آپ نے دیکھ لیا ہے کہ عزیز کے ذریعے ہمیں کتنا پختہ شک ہو گیا ہے کہ انٹیلی جنس کے آدمی کو میرے گھر میں بہروپ میں بھیجا گیا ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمیں تھانے میں یا انٹیلی جنس کے ہیڈ کوارٹر میں بلایا جاتے اور لڑکی سے ہماری شناخت کرائی جاتے۔ وہ واپس جا کر یہ تو ضرور بیان دے گی کہ اُسے ہوٹل سے دھوکے میں لے جایا گیا تھا۔"

"ہو گا ہی یہی" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "لڑکی کو ہاشمی صاحب کے گھر لایا جاتے گا۔ مَیں چونکہ لڑکی کے پاس بہت دیر تک رہا تھا اس لئے ہاشمی صاحب کے ساتھ مجھے بھی لڑکی کے سامنے کھڑا کیا جاتے گا۔ مجھے یہ بھی شک ہے کہ عزیز کی بہن کے ساتھ انٹیلی جنس کا جو ہندو برقعے میں آیا تھا وہ مجھے جانتا ہے۔ کچھ غلطی مجھ سے بھی ہوئی کہ اُس کے ساتھ زیادہ باتیں

Pdfstuff.blogspot.com

میں نے ہی کی تھیں۔"

"اب بتایئے کرنا کیا ہے"۔۔۔ اُس ممبر نے پوچھا جس نے کہا تھا کہ اُس کی بیوی فیض آباد چلی گئی ہے اور وہ لڑکی کو اپنے گھر رکھ لے گا۔

"تم نے خود ہی کہا ہے کہ خدا ہماری مدد کر رہا ہے"۔۔۔ عبدالقدیر نے کہا۔۔۔ "خدا کی ذات سے تو ہم کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ خدا نے تمہارا گھر خالی کر دیا ہے۔ یہی تو مسئلہ تھا جو حل ہو گیا ہے۔"

"اگر لڑکی کو ہوٹل میں ہی چھوڑنا ہے تو کیا آج رات ہی یہ کام نہیں کیا جا سکتا؟"۔۔۔ ایک ممبر نے پوچھا۔

"نہیں!"۔۔۔ عبدالقدیر نے جواب دیا۔۔۔ "ہر قدم پھونک کر اُٹھانا ہے۔ لڑکی کو جس گاڑی میں ہوٹل سے لایا گیا تھا وہ گاڑی آج رات نہیں مل سکتی۔ شاید کل بھی نہ ملے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ میرے ایک دوست کی گاڑی ہے۔"

سکیم کے باقی پہلوؤں پر غور کر کے فیصلہ کر لیا گیا کہ کیا کرنا ہے۔

ہاشمی اپنے گھر آیا اور اپنی بیوی کو اجلاس کی کارروائی سنائی پھر دونوں رِشی کے کمرے میں چلے گئے۔

"راشدہ بیٹی!"۔۔۔ ہاشمی نے کہا۔۔۔ "تم نے ہم پر اعتماد کیا ہے۔ ہمیں تم پر اعتبار ہے۔ ہمارے درمیان یہ اعتماد اور اعتبار قائم رہے گا۔ آج رات ہم تمہیں ایک اور جگہ منتقل کر رہے ہیں۔"

"کیوں؟"۔۔۔ رِشی نے قدرے گھبراہٹ کے لہجے میں پوچھا۔۔۔ "کہاں؟ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟"

"وہ ہمارے گھر جیسا ایک گھر ہے"۔۔۔ ہاشمی نے کہا۔۔۔ "تمہیں وہاں لے جانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ آج عزیز کی بہن یہاں آئی تھی اور اُس کا یہاں آنا بلاوجہ نہیں تھا، پھر جس طرح وہ تمہارے کمرے میں آئی اس سے ہمارا شک پکا ہو گیا ہے کہ وہ تمہیں ہی دیکھنے آئی تھی۔"

"وہ تو مجھے جانتی ہی نہیں"۔۔۔ رِشی نے کہا۔۔۔ "وہ ایسی لگتی بھی نہیں تھی۔ اُس نے مجھے کب دیکھا تھا کہ وہ عزیز کو بتائے گی کہ یہ وہی لڑکی ہے....."

"احتیاط لازمی ہے راشدہ بیٹی"۔۔۔ ہاشمی نے کہا۔۔۔ "ہو سکتا ہے کل یا کسی بھی وقت یہاں چھاپہ پڑ جائے۔ ہم تو خطرے میں ہیں ہی، تم بھی خطرے میں ہو۔ جیسا کہ تم بتاتی ہو کہ تم نہیں جانتیں کہ عزیز انڈین انٹیلی جنس کا آدمی ہے اور وہ تمہارے خاوند کو بھی اپنا ایجنٹ بنا چکا ہے۔ اگر تم یہاں پکڑی گئیں تو یہاں کی انٹیلی جنس تمہارے ساتھ بہت بُرا سلوک کرے گی۔ تمہارا مسلمانوں کے ساتھ رہنا تمہارے خلاف شبہ پیدا کرے گا۔ یہاں کا ہر مسلمان یہاں کی پولیس اور انٹیلی جنس کی نظروں میں مشتبہ ہے.....

میں تمہیں زیادہ کیا بتاؤں۔ اتنا ہی کہنا کافی سمجھو کہ تمہیں یہاں سے منتقل کر دینا ضروری ہو گیا ہے۔ ڈرنا بالکل نہیں۔ تم جہاں بھی رہو گی، ہماری نظر میں رہو گی۔ آج آدھی رات کے بعد میں خود تمہیں نئی جگہ لے جاؤں گا۔"

رات بارہ بجے کے لگ بھگ عبدالقدیر، ہاشمی کے گھر آیا۔ دروازے پر رُک کر اُس نے گلی میں نظریں دوڑائیں۔ دو بلبوں کی روشنی میں اُسے کوئی مشکوک آدمی نظر نہ آیا بلکہ گلی میں کوئی اور تھا ہی نہیں۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہاشمی کے گھر کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ عبدالقدیر نے کواڑ کھولا اور ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ اُس نے اندر والے دروازے پر دستک دی۔ ہاشمی اسی دستک کے انتظار میں تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور عبدالقدیر کو رِشی کے کمرے میں لے گیا۔

فوراً بعد وہ آدمی آ گیا جس کے گھر میں رِشی کو لے جانا تھا۔

تقریباً نصف گھنٹہ بعد اس گھر سے تین آدمی نکلے۔ ایک عبدالقدیر دوسرا اُس کا ساتھی اور تیسرا آدمی پاجامے اور سیاہ اچکن میں ملبوس تھا۔ اُس کے سر پر ٹوپی تھی اور ٹوپی کے اوپر بڑا رومال اس طرح ڈالا ہوا تھا کہ یہ کندھوں پر بھی پھیل گیا تھا۔ اس آدمی نے باہر نکل کر رومال ایک طرف

Pdfstuff.blogspot.com

سے اس طرح دوسرے کندھے پر ڈال لیا کہ اس کا مُنہ رومال میں چھپ گیا۔

تینوں آدمی چلے گئے۔ وہ پرانی دِلّی کی کئی گلیوں کے موڑ مُڑے اور ایک گھر میں داخل ہو گئے۔ عبدالقدیر نے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی۔

یہ پرانے زمانے کا ایک مکان تھا جس کے چار ہی کمرے تھے۔

وہ ایک کمرے میں داخل ہُوتے۔

"اب ٹوپی، اچکن اور پاجامہ اُتار دو" ـــــ عبدالقدیر نے کہا۔

جب ٹوپی، رومال، اچکن اور پاجامہ اُترے تو اُن میں سے ایک لڑکی برآمد ہوئی جس نے زنانہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ اُس کے بال کٹے ہوتے تھے اور وہ تھی ہی عورت ـــــ اور یہ عورت رِشی تھی۔

"لو راشدہ بیٹی!" ـــــ عبدالقدیر نے رِشی سے کہا ـــــ "اب تم ایک دو راتیں یہاں رہو گی۔ یہ ہیں ہمارے اپنے ہی عزیز، رفیقی صاحب۔ انہیں تم ہاشمی صاحب جیسا ہی پاؤ گی۔"

"ان کی بیگم تو ہوں گی؟" ـــــ رِشی نے پوچھا۔

"نہیں" ـــــ عبدالقدیر نے جواب دیا ـــــ "وہ تین چار دنوں کے لئے باہر گئی ہوتی ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا سوائے اس کے کہ تم تنہائی محسوس کرو گی۔"

رِشی نے رفیقی کی طرف دیکھا۔ وہ ایک جواں سال اور خُوبرو آدمی تھا۔ عمر تیس سال سے ڈیڑھ دو سال زیادہ ہو گی۔ رِشی کے ذہن میں کچھ وسوسے آتے۔ اُس کے چہرے کا تاثر عبدالقدیر نے پڑھ لیا۔

"ہمیں یہیں ہیں راشدہ!" ـــــ عبدالقدیر نے کہا ـــــ "چہرے پر اتنی گہری سنجیدگی طاری نہ کرو۔"

"آرام سے سو جاؤ" ـــــ رفیقی نے رِشی سے کہا ـــــ "اور دروازہ اندر سے بند کر لو۔ میں ساتھ والے کمرے میں ہوں گا۔"

عبدالقدیر اور رفیقی کمرے سے نکل آتے۔ رِشی پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اُس نے دروازے کے کواڑ بند ہوتے دیکھے۔ پھر اُس نے باہر سے کُنڈی

لگنے کی آواز سُنی۔ یہ اندرونی کمرہ تھا جس کی کوئی کھڑکی باہر کی طرف نہیں کھُلتی تھی۔

عبدالقدیر، رفیقی کو ایک دو ضروری باتیں سمجھا کر چلا گیا۔ وہ جلدی میں تھا کیونکہ اُسے ہاشمی کے ہاں پہنچنا اور یہ بتانا تھا کہ لڑکی ٹھکانے پر پہنچ گئی ہے۔ خطرہ تھا کہ لڑکی کو جب باہر نکالا جاتے گا تو وہ شور مچا دے گی کہ اُسے اغوا کر کے محبوس رکھا گیا ہے۔

عبدالقدیر نے ہاشمی کو یہ اطلاع دی تو ہاشمی نے سکون کا لمبا سانس لیا جیسے وہ بھی اس خطرے کو بُری طرح محسوس کر رہا تھا۔

یہ احتیاطی تدبیر بروقت اور نہایت کارآمد ثابت ہوتی۔ اگر رِشی کو وہاں سے منتقل نہ کیا جاتا تو بھانڈہ پھُوٹ گیا تھا۔ ہاشمی اور اُس کے ساتھیوں کا گرفتار ہونا لازمی تھا۔ انتہائی تکلیف دِہ صورت یہ پیدا ہوتی کہ ہاشمی کی بیوی بھی گرفتار ہو جاتی۔

زبیدہ نے اتفاق سے رِشی کو ہاشمی کے گھر میں دیکھ لیا تھا۔ یہ بڑا ہی خطرناک اتفاق تھا۔ زبیدہ یہی تو دیکھنے آتی تھی کہ اس گھر میں باہر کی کوئی لڑکی موجود ہے یا نہیں۔ عزیز نے اُسے رِشی کی کچھ نشانیاں بتائی تھیں۔ وہ زبیدہ نے دیکھیں اور عزیز کو جا کر بتائیں۔ عزیز نے ورما کو بتایا۔

ان دونوں نے مل کر یہ سوچنا شروع کیا کہ اس لڑکی کو کس طرح دیکھا جائے۔ پہلے انہوں نے یہ ترکیب سوچی کہ عزیز کسی درویش فقیر یا عامل کا بہروپ دھار کر جائے، لیکن پکڑے جانے کا ڈر تھا اس لئے یہ بہروپ زیادہ موزوں اور محفوظ لگا کہ ورما بُرقعہ اوڑھ کر جائے۔ اُس کا جسم دُبلا پتلا تھا اور قد بھی زیادہ اونچا نہیں تھا۔ اُس نے بُرقعہ اوڑھ کر دیکھا تو وہ لڑکیوں جیسا ہی لگتا تھا۔ زبیدہ نے ورما کو ساتھ لے جا کر اس کے متعلق جو باتیں ہاشمی کی بیوی کو سنائیں وہ عزیز اور ورما کے فن کا کمال تھا، لیکن خداوند تعالیٰ دوسری طرف تھا۔

ورما پکڑا گیا اور معاملہ پولیس سٹیشن تک جا پہنچا اور نوبت زبیدہ

Pdfstuff.blogspot.com

کی طلاق تک پہنچ گئی۔ ورما پولیس سٹیشن سے بھاگم بھاگ عزیز کے ہاں پہنچا اور اُسے یہ سارا واقعہ سنایا۔ ورما کو یہ معلوم نہیں تھا کہ عزیز کا بہنوئی بھی تھانے پہنچ گیا تھا۔ ورما کی جو پٹائی ہوئی تھی وہ بھی اُس نے سنائی۔

"اس کا انتقام ہم لے لیں گے" ——— عزیز نے ورما سے کہا ——— "افسوس یہ ہے کہ ہماری ساری سکیم غارت گئی۔"

"مجھے دو خیال پریشان کر رہے ہیں" ——— عزیز نے کہا ——— "ایک یہ کہ لڑکی کہاں گئی۔ تم کہتے ہو کہ تم نے اُس مکان کا کوئی کونہ کھدرا نہیں چھوڑا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ ان کی کوئی رشتہ دار ہی ہو۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے" ——— ورما نے کہا ——— "کہ تمہاری بہن نے جس طرح لڑکی کو دیکھا تھا اس سے اُن لوگوں کو شک ہو گیا۔ وہ کوئی احمق لوگ تو نہیں۔ گھاگھ معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے لڑکی کو اُسی روز کہیں اور غائب کر دیا ہو..... دوسرا کیا خیال تمہیں آتا ہے؟"

"دوسرا خیال یہ ہے" ——— عزیز نے کہا ——— "کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ نے ہمارے ہیڈ کوارٹر سے تمہارے اور میرے متعلق تصدیق کرائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہمارے باس میجر بھاٹیہ سے پوچھا گیا ہو گا۔ اب سمجھو کہ اُس کا بلاوا آنے والا ہے۔"

"تو اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے؟" ——— ورما نے کہا ——— "ہم اُسے صاف بتا دیں گے کہ ہمیں شک تھا کہ لڑکی اس گھر میں ہے۔ تم اُسے بتاؤ گے کہ تمہیں شک کیوں ہُوا۔ پھر ہم دونوں اُسے بتائیں گے کہ ہم اپنے انتظامات کے تحت شک رفع کرنا چاہتے تھے۔ اگر ہمارا شک صحیح نکلتا تو ہم میجر بھاٹیہ کو اطلاع دیتے..... یہ کوئی فکر والی بات نہیں۔ مجھے افسوس یہ ہو رہا ہے کہ تمہاری بہن ہمارے کام میں آ کر بدنام ہو گئی ہے۔ ہاشمی وغیرہ تو اُسے ذلیل کر کے رکھ دیں گے۔"

"کیا کریں بھائی!" ——— عزیز نے کہا ——— "بہن کی عزت کو دیکھیں یا اپنے کام کو؟"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ ورما نے ریسیور اُٹھایا۔ میجر بھاٹیہ بول رہا تھا۔

"ورما بول رہا ہوں سَر!"

"اچھا ہُوا تم بھی یہیں مل گئے" ——— بھاٹیہ نے کہا ——— "عزیز کو ساتھ لے کر فوراً میرے دفتر میں آ جاؤ۔"

"ابھی آتے سَر!" ——— ورما نے کہا اور ریسیور رکھ کر عزیز کو بتایا ——— "چل بھائی، باس کا بلاوا آ گیا ہے۔"

دونوں بھاگم بھاگ انٹیلی جنس کے اُس شعبے میں پہنچے جس کے ساتھ عزیز اور ورما کا تعلق تھا اور ایک گھاگھ فوجی افسر میجر بھاٹیہ اِس کا انچارج تھا۔ پاکستان میں "را" کے لئے پاکستانی ایجنٹ تیار کرنا اور پاکستان میں انہیں استعمال کرنا اِسی شعبے کا کام تھا۔ رابی کا انٹرویو بھاٹیہ نے ہی لیا اور اس کی برین واشنگ مکمل کر دی تھی۔

"یہ کیا ڈرامہ کھیلا گیا ہے؟" ——— بھاٹیہ نے پوچھا اور کہنے لگا ——— "چیف کا فون آیا اور اُس نے پوچھا کہ ورما پولیس سٹیشن کیوں پہنچا ہُوا ہے تو میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اُس نے پوچھا کہ عزیز اور ورما کس مشن پر کام کر رہے ہیں تو بھی مَیں کوئی جواب نہ دے سکا۔ جب چیف نے کہا کہ عزیز کی بہن بھی پولیس سٹیشن میں ہے اور چند ایک مسلمان بھی وہاں کوئی رپورٹ لے کر پہنچے ہوتے ہیں تو میں پریشان ہو گیا۔"

"معافی چاہتے ہیں سَر!" ——— عزیز نے کہا ——— "یہ رابی کی بیوی رِشی کے اغوا کے سلسلے میں تھا۔"

"یہ مَیں سُنوں گا" ——— بھاٹیہ نے کہا ——— "مَیں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پولیس ہیڈ کوارٹر نے چیف کو فون پر پوچھا تھا کہ ورما اور عزیز انٹیلی جنس کے آدمی ہیں یا نہیں۔ چیف نے مجھ سے پوچھ کر پولیس کو مطمئن

PdfStuff.blogspot.com

کر دیا لیکن اُس نے مجھے کہا ہے کہ مَیں اُسے پوری رپورٹ دُوں ....
اب بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے اور مجھے اِس سے کیوں بے خبر رکھا گیا ہے۔"

"ہم دونوں رِشی کو ڈھونڈ رہے ہیں" ـــ عزیز نے جواب دیا اور نہایت باریک تفصیلات سے بھاٹیہ کو سنایا کہ اُسے اپنی آبادی کے ایک شخص فرید الدین ہاشمی پر شک تھا کہ اِس لڑکی کے اغوا میں اُس کا ہاتھ ہے۔ اگر اُس کا ہاتھ نہیں تو اُسے یہ ضرور معلوم ہوگا کہ لڑکی کہاں ہے۔

عزیز نے یہ بھی بتایا کہ اُسے ہاشمی پر کیوں شک پیدا ہُوا۔ اُس نے اپنے باپ اور اپنی ماں کی باتوں کا حوالہ دیا۔ اُس نے بھاٹیہ کو یہ بھی بتایا کہ اُس نے اپنے دو قابلِ اعتماد دوستوں کو جو اُسی آبادی میں رہتے ہیں، مُخبری کے لئے ہاشمی، عبدالقدیر اور اُن سے مِلنے جُلنے والے مسلمانوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے پر لگا دیا تھا۔ اُن سے اُسے جو باتیں معلوم ہوتی تھیں وہ بھاٹیہ کو سُنا کر کہا کہ اِس سے اُس کا شک مزید پختہ ہو گیا تھا۔ وہ زیادہ زور اس پر دے رہا تھا کہ ہاشمی کو کیسے پتہ چلا کہ وہ انٹیلی جنس میں ہے اور اُس کی کوٹھی کہاں ہے اور ہاشمی کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ (عزیز) اشوکا ہوٹل میں ٹھہرا ہُوا تھا۔

عزیز نے بھاٹیہ کو اتنی زیادہ باتیں سنائیں جن سے بھاٹیہ بھی قائل ہو گیا کہ ہاشمی وغیرہ اُن کے ملزم ہیں یا نہیں، لیکن اُن کے خلاف شک پیدا کرنے کے لئے اچھی خاصی واقعاتی شہادت موجود ہے۔ بھاٹیہ نے عبدالقدیر کا نام سُنا تو وہ چونکا اور اُس نے پوچھا کہ یہ وہ عبدالقدیر تو نہیں جو کچھ عرصہ پہلے ہمارے محکمے سے ریٹائر ہُوا تھا؟ بھاٹیہ کو معلوم تھا کہ عبدالقدیر کہاں رہتا ہے۔

"یس سر!" ـــ عزیز نے کہا ـــ "یہ وہی عبدالقدیر ہے۔ ورما بھی اُسے جانتا ہے۔ غالباً قدیر کو معلوم نہیں کہ ہم اُسے جانتے ہیں .... سر! ہم نے اگر غلطی کی ہے تو ہم معافی چاہتے ہیں۔ مَیں نے جو باتیں آپ کو بتائی ہیں یہ ورما کی تھیں۔ ہم دونوں نے بہت غور کیا کہ آپ کو فوراً اطلاع دی جائے

یا پہلے کچھ دیکھ لیا جائے۔ ہم نے سوچا کہ اگر آپ کو بتایا تو آپ فوراً چیف کو اطلاع دیں گے اور چیف کے حکم پر کارروائی ہو گی اور شک غلط نکلا تو ہمارے ساتھ آپ بھی چیف کے سامنے شرمسار ہوں گے۔ ہم اس فیصلے پر پہنچے کہ پہلے اپنے طور پر کچھ دیکھ سُن لیا جائے۔"

"یہ تو تم نے اچھا ہی کیا ہے" ـــ میجر بھاٹیہ نے کہا ـــ "اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے کیا کیا تھا اور نوبت تھانے تک کس طرح پہنچی۔"

عزیز نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ اُس نے اپنی بڑی بہن کو کس طرح استعمال کیا تھا۔ یہ بھی سنایا کہ اُس کی بہن نے ہاشمی کے گھر کے ایک کمرے میں ایک لڑکی دیکھی جس نے دروازہ کھولا اور بند کر لیا۔ پھر یہ سنایا کہ اُس کی بہن نے اُستادی سے لڑکی کے کمرے میں گئی اور اُس نے لڑکی کے متعلق کیا باتیں کیں۔

"عزیز یار!" ـــ بھاٹیہ نے ہنستے ہوئے کہا ـــ "تم اپنی اس بہن کو بھی انٹیلی جنس میں کیوں نہیں لے آتے۔ مَیں اُس کے دماغ کی تعریف کرتا ہوں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں سر!" ـــ عزیز نے کہا ـــ "اگر وہ میری بیوی ہوتی تو میں اُسے انٹیلی جنس میں لے آتا، لیکن وہ بہن ہے۔ خاوند اور بچوں والی ہے اور اُس کا خاوند روایتی قسم کا مسلمان ہے۔ وہ اسے عام سی نوکری بھی نہ کرنے دے، انٹیلی جنس میں وہ کیسے آ سکتی ہے؟"

"اس کے بعد کیا ہُوا؟" ـــ بھاٹیہ نے پوچھا۔

عزیز نے اُسے بتایا کہ ورما کے ساتھ سوچ بچار کر کے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ورما برقعے میں وہاں جائے اور بات نہ کرے۔ عزیز کی بہن کو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ ہاشمی کی بیوی سے کہے کہ اس لڑکی (ورما) کے مُنہ کے اندر اتنے زخم ہیں کہ یہ بول نہیں سکتی۔ ورما کو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ دو چار لفظ اس طرح بولے جیسے اُس کے حلق سے آواز بڑی مشکل سے نکل رہی ہو۔

Pdfstuff.blogspot.com

عزیز نے ورما سے کہا کہ میجر بھاٹیہ کو وہ خود سناتے جو ہاشمی کے گھر کے اندر اُس پر بیتی تھی۔ ورما نے سب سُنا ڈالا۔ اُس کی جو پٹائی ہوتی تھی وہ بھی سنائی۔ یہ بھی سنایا کہ اس حویلی کی اُس نے خانہ تلاشی لی۔ بظاہر اُس نے کوئی کونا کھدرا دیکھے بغیر نہیں چھوڑا۔ پھر اُسے اور عزیز کی بہن کو تھانے لے گئے۔ ورما نے بھاٹیہ کو بتایا کہ اُس نے تھانیدار کو بتا دیا کہ وہ انٹیلی جنس سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بھی بتایا کہ جس عورت کو تھانے لایا گیا ہے یہ عزیز احمد نام کے ایک آدمی کی بہن ہے اور عزیز احمد بھی انٹیلی جنس کا آدمی ہے۔

"سر!" — ورما نے سارا واقعہ سُنا کر کہا — "اس طرح یہ معاملہ چیف تک اور چیف سے آپ تک پہنچ گیا۔ میں ابھی عزیز کے گھر میں سُنا ہی رہا تھا کہ ہماری یہ چال کس طرح ناکام ہو گئی ہے کہ آپ کا بلاوا آ گیا۔ ہم ابھی یہ سوچ ہی نہیں سکے تھے کہ آپ کو کس طرح یا کس وقت یہ ساری بات سناتی جاتے۔"

"اب تمہاری رائے کیا ہے؟" — میجر بھاٹیہ نے ورما سے پوچھا — "کیا لڑکی وہاں ہے یا نہیں یا وہاں تھی اور غائب کر دی گئی یا وہ کوئی اور لڑکی تھی جو اُن لوگوں کی رشتہ دار ہو سکتی ہے؟"

"سر!" — عزیز نے جواب دیا — "میری بہن نے جو نشانیاں بتائی تھیں وہ ہماری ہی لڑکی کی معلوم ہوتی ہیں۔ تین نشانیاں تو بالکل نمایاں تھیں" — عزیز نے اِن نشانیوں کو واضح کیا۔

"میرا خیال ہے تم دونوں کو مزید ٹریننگ کی ضرورت ہے" — بھاٹیہ نے کہا — "لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے۔ کیسے کیا گیا ہے، یہ ہم نہیں جانتے اگر لڑکی اسی گھر میں تھی یا ہے تو اُسے باقاعدہ قید میں رکھا گیا ہو گا۔ تمہاری بہن نے تمہیں بتایا تھا کہ لڑکی نے خود دروازہ کھولا اور ہاشمی کی بیوی کے ساتھ تمہاری بہن کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر اُس نے دروازہ بند کر لیا۔ پھر تمہاری بہن نے یہ بتایا کہ لڑکی کچھ بولی ہی نہیں۔"

"سر! لڑکی کے نہ بولنے کی ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے" — ورما نے کہا — "ہو سکتا ہے لڑکی کو کسی انجکشن یا ویسے ہی دوائی سے خاموش اور گُم صُم رکھا گیا ہو۔"

"کیا ہاشمی پیشہ ور غنڈہ ہے؟" — بھاٹیہ نے پوچھا — "ہسٹری شیٹر ہے؟ جرائم پیشہ ہے؟"

"نہیں سر!" — عزیز نے جواب دیا — "وہ معزز آدمی ہے۔ معزز تو عبدالقدیر بھی ہے، لیکن اُس نے انٹیلی جنس میں بڑی لمبی سروس کی ہے اور مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس سے پہلے وہ پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل رہ چکا ہے اور اس لائن میں اُس کا دماغ بہت ہی تیز ہے۔ آپ اس شخص کی سروس کا ریکارڈ دیکھ سکتے ہیں۔ وہ ہر ڈھنگ کھیل سکتا ہے۔"

"لڑکی کو اگر دوائیوں کے ذریعے خاموش رکھا گیا ہے تو بھی اُس کے کمرے کو کھلا رکھنا میرے ذہن کے لئے قابلِ قبول نہیں" — میجر بھاٹیہ نے کہا۔

"یہ معلوم کیا جاتے کہ وہ لڑکی جو کوئی بھی تھی، گئی کہاں" — ورما نے کہا — "کسی طرح یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کیا واقعی آگرہ سے ہاشمی کے ہاں ان کا کوئی عزیز اپنی بیٹی کو لے کر آیا تھا.... سر! میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ پولیس سٹیشن میں ہاشمی نے یہ بیان دیا تھا کہ اُس کے گھر میں کوئی جوان لڑکی نہیں آئی۔ اُس نے مجھے بھی یہی بتایا تھا۔"

"یہ معاملہ بڑا نازک سا ہے" — بھاٹیہ نے کہا — "ان لوگوں یہ مخبر چھوڑے جا سکتے ہیں، لیکن کمزور سے شک پر سوسائٹی کے کسی معزز آدمی کو مشتبہ قرار دے کر شاملِ تفتیش کرنا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بھی سوچو کہ یہ لوگ مسلمان ہیں۔ حکومت کی ورپردہ پالیسی مسلمانوں کے متعلق جو کچھ بھی ہو، بظاہر پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں کو خوش رکھا جاتے۔ تم خود جانتے کہ الیکشن آ رہے ہیں اور کانگریس (آئی) مسلمانوں کے ووٹ ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ اگر شک پختہ ہے تو پھر کوئی کارروائی کی جا سکتی ہے .... میں یہ

Pdfstuff.blogspot.com

بھی کہوں گا کہ تم دونوں نے جلدی بازی سے کام لیا ہے۔ اگر لڑکی وہاں تھی بھی تو اب وہاں نہیں ہوگی۔ ہمیں اتنا اختیار حاصل ہے کہ آدھی رات کے وقت اُس مکان پر چھاپہ مار سکتے ہیں، لیکن حاصل کچھ نہ ہُوا تو مسلمان اسے فرقہ وارانہ مسئلہ بنالیں گے اور اگر انہوں نے کوئی احتجاجی مظاہرہ کیا تو ہندو مشتعل ہوکر اِس مسئلے کو اور زیادہ پیچیدہ بناڈالیں گے۔ پھر ہم سے بازپُرس ہوگی کہ ایسی کارروائی کیوں کی گئی جس کے لئے زمین مضبوط نہیں تھی.... بہرحال مَیں چیف کو فون کرلوں تو ساری صورتِ حال اُسے بتائیں گے۔"

میجر بھاٹیہ نے اپنے محکمے کے چیف کو فون کیا۔ چیف نے اِن تینوں کو اُسی وقت بلالیا۔ یہ ساری رُوداد اُسے سناتی گئی۔ بھاٹیہ نے اپنی رائے دے کر چیف کو اپنا فیصلہ سُنایا۔

"ہاں بھاٹیہ!" — چیف جو ایک ہندو میجر جنرل تھا، کہنے لگا — "میں تمہارے ساتھ اتفاق کرتا ہوں.... اور تم دونوں...." اُس نے عزیز اور ورما سے کہا — "آئندہ ایسی کوئی کارروائی بھاٹیہ کی منظوری کے بغیر نہ کرنا۔ مَیں تمہاری حوصلہ شکنی نہیں کر رہا۔ تم نے جس لگن سے اپنا فرض ادا کیا ہے وہ یقیناً قابلِ تعریف ہے، لیکن اب خود سوچو کہ جن پر تمہیں شک تھا وہ ہوشیار ہوگئے ہیں اور اگر لڑکی اُن کے پاس تھی تو اب تک معلوم نہیں اُسے کہاں غائب کردیا گیا ہوگا .... میجر بھاٹیہ! اُس آبادی میں مخبروں کا انتظام کردو۔ زیادہ تر نظر عبدالقدیر پر رکھی جاتے .... اور اُس لڑکے کی کیا رپورٹ ہے؟ .... کیا نام ہے اُس کا؟ .... رابی؟ .... پاکستانی ہپی .... والدین نے رب نواز نام رکھا تھا" — اُس نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا — "پاکستان کے مولوی کہتے ہیں یہ اسلامی ملک ہے۔"

"وہ خوش ہے سر!" — بھاٹیہ نے کہا — "اُس کی کھوپڑی ہمارے قبضے میں ہے۔ اُس کا ویزا ختم ہوگیا تھا۔ ہم نے مزید دنوں کا بندوبست کر لیا ہے۔ وہ خوش ہے۔ اُسے صرف یہ پریشانی ہے کہ اپنی بیوی کے بغیر

واپس گیا تو اپنے والدین اور اپنی سوسائٹی کو کیا جواب دے گا۔ دو مرتبہ خود ہی کہہ چکا ہے کہ لڑکی بدمعاش نکلی، انڈیا میں ایک اینگلو انڈین کے ساتھ دوستی لگا کر انگلینڈ بھاگ گئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سب اسے سچ مان لیں گے کہ جیسی ماں پتن پتن کی پاپی تھی ویسی بیٹی نکلی۔"

"تم صرف یہ دیکھو کہ لڑکی مخالف کیمپ میں نہ پہنچ گئی ہو" — چیف نے کہا — "اب تم جاسکتے ہو۔"

اُس وقت جب عزیز اور ورما میجر بھاٹیہ کو اپنی کارگزاری سُنا رہے تھے، زبیدہ خاوند کی دھتکاری ہوئی اپنے ماں باپ کے گھر پہنچی۔ اُس کی آنکھیں اور ناک کی سُرخی بتا رہی تھی کہ وہ روتی رہی ہے۔ اُس کا رنگ اُڑا ہُوا تھا۔ اُس کا باپ ادریس احمد کسی کمرے میں تھا۔ زبیدہ اپنی ماں کے پاس جا بیٹھی۔ ماں نے اُس کا چہرہ دیکھتے ہی پوچھا کہ اُسے کیا ہُوا ہے۔

جو ہُوا تھا وہ زبیدہ نے من وعن سُنا دیا۔

"تُو نے اِس بھائی پر اعتبار کیوں کیا؟" — ماں نے زبیدہ سے پوچھا — "یہ تو وہ موا ہاشمی پہلے ہی تیرے ابا کو بتا چکا ہے کہ عزیز ہندوستان کا جاسوس ہے۔ مَیں نے یہ بات عزیز کو بتادی۔ اب عزیز ہاشمی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

"یہ تو مجھے ہاشمی کے گھر میں پتہ چلا کہ عزیز ہندوؤں کا جاسوس ہے" — زبیدہ نے کہا — "سکھ تھانیدار نے مجھ سے پوچھا تھا کہ تم بھی انڈیا کی جاسوس ہو؟ .... عزیز نے مجھے کہا تھا کہ اُس کے ایک پاکستانی دوست کی بیوی لاپتہ ہوگئی ہے اور اُس کا سراغ لگانا ہے۔ مَیں تو بھائی کے پیار کی خاطر ذلیل ہوئی۔"

"اگر یہ ذلت اندر خانے رہتی تو کڑوا گھونٹ سمجھ کر حلق سے اُتاری جاسکتی تھی" — ماں نے کہا — "لیکن یہ بات تو کوٹھوں چڑھی اور تھانے بھی چڑھی۔ ہاشمی کے سارے محلّے کو یہ واردات معلوم ہوئی اور اب

PdfStuff.blogspot.com

سارے شہر میں پھیلے گی۔ اللہ ہی جانے کہ ہاشمی اور عزیز کی آپس میں کیا دشمنی ہے۔"

"مجھے بتاؤ امی!" —— زبیدہ نے کہا —— "میں کیا کروں؟ ابا جان کو پتہ چلا تو...."

"وہ کمرے میں لیٹے ہوتے ہیں" —— زبیدہ کی ماں نے کہا —— "آہستہ سے نکل جا اور عزیز کو بتا کہ تو اُس بہن کو بھی دھوکہ دینے سے نہیں ٹلا جو تجھے ماں سے زیادہ پیار کرتی ہے اور یہ بھی اُسے کہہ کہ میں اس عمر میں طلاق لے کر کہاں جاؤں؟ تیرے باپ کو پتہ چلے گا تو کیا وہ مر نہیں جائے گا؟ اس بیٹے نے تو ہمیں جیتے جی مار ڈالا ہے۔"

"وہ رہتا کہاں ہے؟" —— زبیدہ نے پوچھا —— "اُس نے مجھے اتنا ہی بتایا ہے کہ وہ مکان بنا رہا ہے۔ اُس کا ٹیلی فون نمبر میرے پاس ہے۔ کل پرسوں اُس نے مجھے ایک اور نمبر دیا تھا۔ کہتا تھا کہ دونوں میں سے کسی نمبر پر فون کر لینا۔"

ماں کو ایسے غم میں چھوڑ کر جیسے گھر کا کوئی فرد مر گیا ہو، زبیدہ دبے پاؤں گھر سے نکل گئی۔ اُس کے باپ کو پتہ ہی نہ چلا کہ زبیدہ آئی تھی۔ وہ اپنی ایک ملنے والی کے ہاں گئی۔ وہاں ٹیلی فون موجود تھا۔ اُس نے عزیز کے پہلے دیئے ہوئے نمبر پر فون کیا تو جواب ملا کہ عزیز گھر نہیں ہیں۔ زبیدہ نے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے تو اُدھر سے جواب ملا کہ یہ صرف عزیز صاحب بتا سکتے ہیں۔ فون بند ہو گیا۔

زبیدہ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ عزیز کی کوٹھی کا نمبر ہے اور جس نے فون اٹھایا تھا وہ رابی تھا۔ عزیز نے رابی کو سختی سے کہہ رکھا تھا کہ اُس کی غیر حاضری میں باہر سے کسی کا بھی فون آئے تو صرف اتنی سی بات کرے کہ عزیز صاحب نہیں ہیں اور فون بند کر دے اور وہ کوٹھی کا ایڈریس کسی کو بھی نہ بتائے۔

زبیدہ نے دوسرے نمبر پر فون کیا۔ یہ میجر بھاٹیہ کا نمبر تھا۔ کہیں سے

فون آتا تو بھاٹیہ کا پی اے سُنتا اور بھاٹیہ سے بات کرواتا تھا۔ زبیدہ نے جب اس نمبر پر فون کیا اُس وقت عزیز اور ورما چیف سے فارغ ہو کر بھاٹیہ کے دفتر میں آ چکے تھے۔ بھاٹیہ کے پی اے نے اُسے بتایا کہ ایک عورت کا فون ہے جس نے اپنا نام زبیدہ بتایا ہے۔ عزیز نے لپک کر ریسیور لے لیا۔

زبیدہ نے عزیز کی آواز سُنتے ہی بولنا شروع کر دیا۔

"مجھے پتہ چل چکا ہے آپا!" —— عزیز نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا —— "مجھے عبدالرحمٰن سارا واقعہ سُنا چکا ہے۔"

"وہ عبدالرحمٰن نہیں" —— زبیدہ نے بھڑک کر کہا —— "وہ کافر ہندو ہے۔ وہ جاسوس ہے اور تم بھی ہندوؤں کے جاسوس ہو۔"

"میری بات سُن لو آپا!" —— عزیز نے کہا —— "تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ میری تو...."

"تمہاری بلا سے مجھے کیا ہو گیا ہے" —— زبیدہ نے روتے ہوئے کہا —— "مجھے طلاق ہو گئی ہے۔ تمہارے بہنوئی (جمیل) کو بھی تھانے میں بلایا گیا تھا۔ سینکڑوں لوگوں نے تماشہ دیکھا۔ میرے خاوند نے سڑک پر کھڑے ہو کے مجھے کہا کہ یہیں سے اپنے ماں باپ کے ہاں چلی جاؤ، طلاق تحریری تمہیں مل جائے گی۔ خاوند نے مجھے اور جو کچھ کہا، وہ کوئی غیرت والا بھائی سُنے تو ڈوب مرے۔"

"پھر تم نے کیا کیا اب؟"

"کرنا کیا تھا!" —— زبیدہ نے جواب دیا —— "میں گھر گئی۔ ابا جان اپنے کمرے میں تھے۔ امی جان کو یہ ساری خرافات سنائی۔ انہوں نے کہا کہ عزیز کو جا کر بتاؤ اور ابا جان کو ابھی پتہ نہ چلنے دینا۔ میں وہاں سے آ گئی اور تمہیں فون کیا.... تم نے مجھے کس گناہ کی سزا دی ہے عزیز! تم جانتے ہو کہ اس گھر کے تم دھتکارے ہوئے آدمی ہو۔ صرف میں ہوں جس نے تمہیں گلے لگا رکھا ہے۔ جمیل صاحب کہہ کہہ کر چُپ ہو گئے تھے کہ اپنے اس

Pdfstuff.blogspot.com

بھاتی کو اس گھر میں نہ آنے دیا کرو، یہ لڑکا بہت بدنام ہو گیا ہے۔"

"مَیں سب ٹھیک کر دوں گا آپا!" — عزیز نے کہا۔

"تم خاک ٹھیک کر دو گے" — زبیدہ نے کہا — "تمہارا تو کوئی دین اور مذہب رہا ہی نہیں۔ عزت بے عزتی کا تمہیں کوئی احساس نہیں، مجھے بھی تم نے ذلیل کر ڈالا ہے۔"

"آپا زبیدہ!" — عزیز نے کہا — "تمہیں طلاق نہیں ہو گی۔ تم نہیں سمجھ رہیں کہ یہ معاملہ کیا ہے ... تم کہاں سے فون کر رہی ہو؟"

"نوشابہ کے گھر سے!" — زبیدہ نے جواب دیا — "تم اسے جانتے ہو؟"

"اس کا فون نمبر مجھے دے دو" — عزیز نے کہا — "اور میرے فون کا انتظار کرو۔"

زبیدہ نے فون نمبر دے دیا۔

عزیز نے ورما کو بتایا کہ اُس کی بہن کو تو طلاق مل رہی ہے۔

"چلو باس سے بات کرتے ہیں" — ورما نے عزیز سے ساری بات سُن کر کہا — "کوئی راستہ نکل آئے گا۔"

دونوں میجر بھاٹیہ کے دفتر میں چلے گئے اور عزیز نے اُسے بتایا کہ اُس کی بہن کو کیا سزا مل رہی ہے۔

"مشکل یہ پیش آگئی ہے سَر!" — عزیز نے کہا — "ابھی میرے والد صاحب کو پتہ نہیں چلا۔ انہیں پتہ چلا تو اُن کا ہارٹ بھی فیل ہو سکتا ہے۔"

"یہ تمہاری غلطی ہے" — بھاٹیہ نے کہا — "تمہیں اپنی بہن کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

"غلطی تو ہو چکی ہے سر!" — ورما نے کہا — "عزیز نے اور میں نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے یہ خطرہ مُول نہیں لیا تھا۔"

"مَیں نے تو اپنی بڑی بہن کی عزت داؤ پر لگا دی تھی سَر!" —

عزیز نے کہا — "اب آپ کوئی مشورہ دیں، کوئی مدد کریں۔"

"تمہارا بہنوئی کیسا آدمی ہے؟" — بھاٹیہ نے پوچھا — "شریف ہے؟ بدمعاش ہے؟ امیر ہے؟ غریب ہے؟"

"فُوڈ ڈیپارٹمنٹ میں بڑی اچھی پوسٹ پر ہے" — عزیز نے جواب دیا — "اَپر مڈل کلاس کا شریف اور وضع دار آدمی ہے۔"

"بچے ہیں؟"

"ہیں سَر!" — عزیز نے جواب دیا — "چار ہیں۔ سب سے بڑا لڑکا ہے۔ عمر پندرہ سولہ سال ہے۔ اس کے بعد دو لڑکیاں ہیں اور ان کے بعد دو اڑھائی سال عمر کا ایک لڑکا ہے۔"

"کیا اِس آدمی کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے تم اِس سے ہتھیار ڈلوا نہیں سکتے؟" — بھاٹیہ نے کہا — "کیا تم اِس کا طریقہ نہیں جانتے؟"

"جانتا ہوں سَر!" — عزیز نے کہا — "کوئی اور ہوتا تو مَیں آپ سے مشورہ نہ لیتا۔ وہ میرا بہنوئی ہے۔ اُس پر یہ نسخہ آزمانا اچھا نہیں لگتا۔ کام کوئی مشکل تو نہیں۔"

"یہ نسخہ اچھا نہیں لگتا تو بہن کو طلاق دلوا لو" — بھاٹیہ نے کہا — "اُس کے گھر نہیں جانا چاہتے تو یہیں سے فون پر بات کر لو۔"

"اُس کے گھر فون نہیں ہے" — عزیز نے کہا — "میں اُس کے گھر چلا جاتا ہوں۔"

"عزیز بھاتی!" — ورما نے کہا — "میں تمہارے حالات جانتا ہوں۔ اپنے خاندان سے تمہارے تعلقات کبھی کے ختم ہو چکے ہیں۔ تم کوئی نیک نام آدمی بھی نہیں ہو۔ تمہارا باپ تمہاری کوٹھی میں آیا تھا۔ اُس نے وہاں جو کچھ دیکھا اور جس ردِعمل کا اظہار کیا اور جس طرح چلا گیا تھا وہ مجھے معلوم ہے۔ صرف یہ بہن ہے جو اب بھی تم سے محبت کرتی ہے اور اُس نے تمہارے کہنے پر اپنی عزت اور اپنی ازدواجی زندگی بھی قربان کر دی ہے۔ تم تو جرأت والے ہو۔ عقل والے ہو۔ چلو میں تمہارے

pdfstuff.blogspot.com

ساتھ چلتا ہوں۔"

"تم نہیں!" — بھاٹیہ نے کہا — "تم ہی تو اس کی بہن کے ساتھ تھے اور تمہیں عزیز کے بہنوئی نے پولیس سٹیشن میں دیکھا تھا.... میرا خیال ہے بلراج کو ساتھ لے جاؤ۔ وہ شکل وصورت اور ڈیل ڈول سے بھی غنڈہ لگتا ہے اور باتیں بھی غنڈوں جیسی کرتا ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں سر!" — ورما نے کہا — "صرف غنڈہ گردی نہ کی جائے۔"

"وہ میں جانتا ہوں" — عزیز نے کہا — "دوسرا کام میں خود کر لوں گا۔"

"اگر وہ کسی طرح بھی نہ مانے تو مجھے بتانا" — میجر بھاٹیہ نے کہا — "میں اُس کے ڈیپارٹمنٹ سے کہہ کر یہ کام کرا دوں گا... جاؤ۔ بلراج کو ساتھ لے جاؤ۔"

میجر بھاٹیہ کے دفتر سے نکل کر عزیز نے ورما سے کہا کہ وہ بلراج کو بلا لائے اور خود اُس نے فون کا وہ نمبر ملایا جو اُسے زبیدہ نے دیا تھا۔ زبیدہ اپنی ملنے والی عورت نوشابہ کے گھر عزیز کے فون کے انتظار میں بے تاب ہو رہی تھی۔ آخر فون کی گھنٹی بجی۔ زبیدہ ریسیور پر لوٹ پڑی۔

"تم ایسے کرو آپا!" — عزیز بول رہا تھا — "فوراً اجمیری گیٹ کے باہر پہنچ جاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔ ڈرو گھبراؤ نہیں آپا! میں سب ٹھیک کر لوں گا اور تمہاری غلط فہمیاں بھی دُور کر دوں گا۔"

سورج غروب ہو چکا تھا۔ زبیدہ اجمیری گیٹ کے باہر کھڑی عزیز کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس کی تو جان پر بنی ہوئی تھی۔ دماغ چکی کی طرح چل رہا تھا۔ ایک دوسری کے پیچھے کتنی سوچیں آئیں، بہت خیال آئے۔ یہ سب سوچیں اور خیال دماغ کی چکی میں پستے گئے۔ زبیدہ کسی بھی فیصلے پر نہ پہنچ سکی۔ اُسے اپنے بچے یاد آ رہے تھے۔ ساتھ یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ گھر میں ہانڈی روٹی کس نے کی ہو گی۔ بڑی لڑکی کی عمر ابھی تیرہ

سال نہیں ہوئی تھی۔ وہ ابھی کھانا پکانا نہیں جانتی تھی۔

یہ سوچ کر اُسے کچھ اطمینان ہوا کہ اُس کا خاوند ہوٹل سے کھانا لے آئے گا مگر چھوٹا بچہ یاد آیا تو ذرا سا جو اطمینان آیا تھا وہ غائب ہو گیا اور زبیدہ کا دل تڑپنے لگا۔ بچہ رو رہا ہو گا۔ رات سوئے گا نہیں۔

زبیدہ ایک فیصلے پر پہنچ گئی — "عزیز کچھ دیر اور نہ آیا تو اپنے بچوں کے پاس چلی جاؤں گی۔ خاوند کے قدموں میں سر رکھ دوں گی۔"

اِس فیصلے نے اُسے کچھ سکون دیا مگر یہ سکون بھی قائم نہ رہا۔ اُسے ایک قہقہہ سا سنائی دیا۔ یہ اُس کے ضمیر کا قہقہہ تھا۔ زبیدہ اجمیری گیٹ کے اندر جانے والی سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر کھڑی تھی۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ لوگوں کا ریلا اُس کے آگے اور پیچھے سے گزر رہا تھا۔ زبیدہ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ لوگ جو اُس کے قریب سے گزر رہے تھے اُسے جانتے ہوں اور ایک دوسرے کو بتاتے جا رہے ہوں کہ یہ عورت ایک شریف خاوند کی بے وفا بیوی ہے۔ خاوند سے جھوٹ بول کر پیسے لیتی اور اپنے آوارہ اور بدمعاش بھائی کو دیتی رہی ہے۔

یہ زبیدہ کا ضمیر تھا جو بول رہا تھا۔ جوانی میں زبیدہ نے بدچلنی سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ اُس کے خاوند نے اُسے تھانے کے باہر کہا تھا کہ وہ اُسے بڑی مشکل سے برداشت کرتا رہا ہے۔

زبیدہ ڈوب ڈوب کر اُبھر رہی تھی۔ اُسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے اور غشی کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی کہ ایک ٹیکسی اُس کے سامنے رُکی۔ اس میں سے عزیز نکلا۔

"آؤ آپا!" — عزیز نے کہا — "گاڑی میں بیٹھو۔"

زبیدہ ٹیکسی کی طرف دوڑ پڑی۔ عزیز نے اُسے اگلی سیٹ پر بٹھا کر دروازہ بند کیا اور ٹیکسی ڈرائیور کو بتایا کہ کہاں چلنا ہے۔ وہ خود پچھلی سیٹ پر بیٹھا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔

Pdfstuff.blogspot.com

جمیل اپنے لئے اور بچوں کے لئے بازار سے کھانا لے آیا تھا۔ بچے کتنی بار پوچھ چکے تھے کہ امی جان کہاں ہیں اور جمیل انہیں بتاتا کہ ان کی امی اپنی امی کے پاس چلی گئی ہے، کل آجائے گی۔ سب سے چھوٹا بچہ دو اڑھائی کا تھا اور اس سے بڑی بچی چھ سال کی تھی۔ ان دونوں بچوں نے رو رو کر اپنا بُرا حال اور باپ کو پاگل کر دیا تھا۔ سب سے بڑا لڑکا جو پندرہ سولہ سال کا تھا، باپ سے کہہ چکا تھا کہ وہ نانا ابا کے گھر جا کر امی کو بلا لاتا ہے لیکن جمیل نے اُسے بڑے پیار سے کہا تھا کہ تمہاری امی آجائے گی۔

جب عزیز نے جمیل کے دروازے پر دستک دی اُس وقت تک بچوں نے جمیل کو ادھ موا کر دیا تھا۔ جمیل نے بچوں کی ماں کو طلاق دینے کا اور بچوں کو اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا، لیکن شام تک وہ صرف اس فیصلے پر قائم تھا کہ زبیدہ کو طلاق دے گا۔ بچوں کے متعلق وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اُس نے ایک صورت یہ سوچی تھی کہ انہیں بھی زبیدہ کے ساتھ بھیج دے اور ماہوار خرچ دے۔ وہ بڑے لڑکے کو اور اس سے چھوٹی لڑکی کو جو بارہ تیرہ سال کی تھی، اپنے پاس رکھ سکتا تھا۔ دوسری صورت دوسری شادی تھی اور ایک صورت اُس کے ذہن میں یہ بھی آتی تھی کہ ایسی نوکرانی رکھ لے جو بچوں کو بھی اور باورچی خانہ بھی گھر کی عورت کی طرح سلیقے سے سنبھال لے۔

اُسے زبیدہ کے باپ کا انتظار تھا۔ ادریس احمد شریف آدمی تھا۔ جمیل کو توقع تھی کہ زبیدہ اُسے بتائے گی کہ خاوند نے اُسے طلاق دے دی ہے تو وہ دوڑا آئے گا لیکن رات ہو گئی تھی، وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ادریس احمد نے اپنی بیٹی کو مطلقہ کے طور پر قبول کر لیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوتی تو جمیل سمجھا کہ زبیدہ کا باپ آیا ہے۔ زبیدہ کی ماں کا ساتھ ہونا بھی متوقع تھا۔

"امی جان آگئیں" — دو تین بچوں نے مل کر نعرہ لگایا۔

جمیل دروازہ کھولنے گیا تو دو بچے بھی باپ کے پیچھے چلے گئے۔ دروازہ کھلا تو ایک بار پھر بچوں نے — "امی جان!" — کا نعرہ لگایا۔ باقی بچے بھی

دوڑ سے گئے۔ انہوں نے پُرمسرت ہنگامہ بپا کر دیا لیکن جمیل کا مزاج برہم ہو گیا۔ وہ زبیدہ کو دیکھ کر خوش نہ ہُوا۔ اگر زبیدہ اکیلی آتی تو جمیل کا ردِعمل کچھ اور ہوتا۔ وہ برہم ہی ہوتا لیکن زبیدہ کے ساتھ عزیز اور ایک اجنبی کو دیکھ کر جمیل آگ بگولہ ہو گیا۔ اُس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ عزیز اور اُس کے ساتھی کو خوش آمدید کہنے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا۔

چند سیکنڈ ان کے درمیان خاموشی طاری رہی۔ عزیز جمیل کا ردِعمل دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے جمیل کا چہرہ پڑھ لیا۔ چہرے کے تاثرات ٹھیک نہیں تھے۔ عزیز نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر جمیل سے بغلگیر ہو گیا۔

"میرے بھائی جان!" — عزیز نے جمیل کو اپنے بازوؤں میں بھینچ کر جذباتی لہجے میں کہا — "آپ کی تو صورت کو ترس گیا ہوں۔ واللہ مُدّت گزر گئی ہے۔"

اتنی دیر میں زبیدہ اپنے بچوں کے ساتھ اندر چلی گئی تھی۔ یہی عزیز کا مقصد تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ جمیل زبیدہ کو اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دے گا۔

عزیز نے جمیل کو چھوڑا۔ اُس کے ساتھ جو آدمی تھا۔ وہ ہندو تھا اور اُس کا نام بلراج تھا۔

"بھائی جان!" — عزیز نے بلراج کی طرف اشارہ کر کے کہا — "ان سے ملیے۔ یہ ہیں میرے دوست، میرے محسن، تابش اجمیری۔ باغ و بہار شخصیت ہیں۔"

بلراج نے اپنا دایاں ہاتھ اس طرح جمیل کی طرف کیا کہ جمیل کے نہ چاہتے ہوتے بھی اُس نے جمیل کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑے جوش و خروش سے مصافحہ کیا۔ جمیل نے ابھی انہیں نہیں کہا تھا کہ آئیے، اندر تشریف رکھیے۔ عزیز کو غالباً احساس تھا کہ جمیل اُنہیں اندر آنے کے لئے نہیں کہے گا۔ اُس نے جمیل کو ایک بار پھر اپنے ایک بازو کے گھیرے میں لے لیا اور پیار و محبت کا اظہار کرتے ہوئے اُسے آہستہ آہستہ دھکیلتا دروازے کے اندر لے گیا۔ بلراج ان دونوں کو دھکیلتا اُن کے پیچھے مکان میں

PakistaniPoint.blogspot.com

داخل ہُوا۔ جمیل آخر شریف آدمی تھا، اُس نے دونوں کو بیٹھنے والے کمرے کی طرف لے جا کر اندر چلنے کو کہا۔

"عزیز میاں!" — جمیل نے کہا — "میں تمہارے ساتھ الگ بات کرنا چاہتا ہوں۔ تابش اجمیری صاحب سے معذرت چاہوں گا۔"

"تابش صاحب میرے لئے ایسے ہی ہیں جیسے آپ ہیں بھائی جان!" — عزیز نے کہا — "آپ ان کی موجودگی میں بات کریں۔ مجھے معلوم ہے آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں بھی معلوم ہے۔ آپا زبیدہ نے مجھے ساری بات بتا دی ہے اور زبیدہ نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے کہنے پر کیا ہے اور صرف میں جانتا ہوں کہ یہ سب کیا تھا۔ آپ کا ردِ عمل یہی ہونا چاہیئے تھا جس کا اظہار آپ نے کیا ہے۔"

"دیکھو میاں!" — جمیل نے کہا — "تم بھول گئے ہو کہ زبیدہ تمہاری بہن ہے، لیکن میں نہیں بھول سکتا کہ یہ میری بیوی ہے، میرے بچوں کی ماں ہے۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ زبیدہ نے جو ناٹک کھیلا ہے یا تم نے اسے استعمال کیا ہے، اگر جائز ہے تو بھی اسے چاہیئے تھا کہ مجھے پہلے بتا دیتی۔ میرا خیال ہے کہ تم مجھے یہ یقین دلانے آئے ہو کہ زبیدہ نے جو کیا ٹھیک کیا ہے لیکن اس واقعہ سے جو انکشاف ہُوئے ہیں اور پولیس سٹیشن میں پولیس انسپکٹر نے جو باتیں بتائی ہیں وہ کوئی عزت مند مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔"

"یہی تو میں آپ کو بتانے آیا ہوں بھائی جان!"

"تابش صاحب!" — جمیل نے عزیز کی بات سُنی ان سُنی کرتے ہوئے بلراج سے کہا — "معلوم نہیں آپ کو یہ واقعہ پوری طرح معلوم ہے یا نہیں۔ اس شخص نے میری بیوی کو ایک ہندو کے ساتھ ایک باوقار آدمی کے گھر برقعے میں لپیٹ کر بھیج دیا۔"

"جمیل صاحب!" — بلراج نے کہا — "میں یہ سارا واقعہ جانتا ہوں۔ میں عزیز صاحب کے ساتھ اسی لئے آیا ہوں کہ آپ کی غلط فہمی

رفع کی جائے۔ میں آپ کو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جسے آپ نے باوقار اور نہ جانے کیا کچھ سمجھ رکھا ہے، وہ اصل میں یعنی اندر سے کچھ اور ہے۔ میں بھی مسلمان ہوں اور الحمدللہ صرف نام کا مسلمان نہیں ہوں بلکہ صحیح معنوں میں مسلمان ہوں۔ آپ کے باوقار دوست جناب فریدالدین ہاشمی صاحب مسلمانوں کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ یہ ہم آپ کو دو چار روز بعد بتائیں گے۔ آپ اپنا گھر نہ اُجاڑیں۔"

جمیل عزیز کو اچھی طرح جانتا تھا اور اپنی بیوی کے اخلاق سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ ہاشمی کو تو وہ بہت ہی اچھی طرح جانتا تھا۔ پھر اُس نے تھانے میں سکھ تھانیدار کی باتیں سُنی تھیں اور پھر اتنی بڑی واردات کو تھانے میں ہی رفع دفع ہوتے دیکھا تھا۔ وہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا کہ عزیز اور اُس کا ساتھی تابش اجمیری جو دراصل بلراج نام کا ہندو تھا، سچ کہہ رہے ہیں۔

"کیوں عزیز!" — جمیل نے پوچھا — "تم مجھے کس طرح یقین دلا سکتے ہو کہ جو کچھ ہُوا ہے یہ جائز تھا اور یہ یہاں کے مسلمانوں کے حق میں ہُوا ہے۔ میں شاید تمہاری کسی بھی بات پر اعتبار نہیں کر سکوں گا۔"

"آپ کچھ روز انتظار کریں بھائی جان!" — عزیز نے کہا۔

"پھر یوں کرو" — جمیل نے کہا — "کچھ دنوں کے لئے اپنی بہن کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جب مجھے یقین دلا دو گے کہ یہ واردات کسی بڑے اچھے مقصد کے لئے کی گئی تھی تو...."

یہاں سے عزیز اور جمیل کے درمیان تلخ کلامی شروع ہو گئی۔ عزیز نے زبان کا جادو چلانے کی بہت کوشش کی لیکن جمیل پر اس کا کچھ اثر نہ ہُوا۔ جمیل جانتا تھا کہ چرب زبانی ہی عزیز کا اصل کمال ہے جس سے وہ پتھر سے بھی دُودھ نکال سکتا ہے۔ جمیل نے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا۔

"اپنی بہن کو یہاں سے لے جاؤ" — جمیل نے عزیز سے کہا — "جس روز مجھے یقین دلا دو گے کہ تم انڈیا کے جاسوس نہیں ہو اُس روز میں خود جا کر والد صاحب سے معافی مانگوں گا اور تمہاری بہن کو لے آؤں گا اور

PdfStuff.blogspot.com

تم سے بھی معافی مانگوں گا۔"

"جمیل صاحب!" ـــ بلراج نے کہا ـــ "آپ عزیز کو قابلِ اعتماد آدمی نہیں سمجھتے تو مجھے بھی شریف آدمی نہ سمجھیں۔ مَیں آپ سے سیدھی بات کروں گا۔ عزیز کی بہن کو اپنے گھر میں رہنے دیں۔ اگر آپ نے ہماری بات نہ مانی تو آپ کو ایسا نقصان پہنچے گا جس کی تلافی نہیں ہو سکے گی۔"

"بھائی جان!" ـــ عزیز نے کہا ـــ "یہ میری شرافت ہے کہ میں آپ کو ابھی تک بھائی جان کہہ رہا ہوں۔ آپ مجھے انڈیا کا جاسوس کہہ رہے ہیں۔ اس کو سچ سمجھیں اور سوچیں کہ جو شخص انڈین انٹیلی جنس میں ہے وہ کیا کچھ کر سکتا ہے۔"

"یہ مت بھولو جمیل بھائی!" ـــ بلراج نے کہا ـــ "کہ تم مسلمان ہو اور یہاں کی حکومت کو مسلمان کے خلاف برا تے نام بہانہ چاہیتے۔ آپ جس محکمے میں ہیں اُس محکمے سے آپ کو بڑی آسانی سے نکلوایا جا سکتا ہے۔ اگر آپ پھر بھی اپنے فیصلے سے باز نہیں آئیں گے تو آپ کا چھوٹا یا بڑا بیٹا اغوا ہو سکتا ہے۔"

"یہ کیا بکواس ہے عزیز!" ـــ جمیل نے سخت غصیلی آواز میں کہا ـــ "تم دونوں مجھے ڈرانے دھمکانے کے لئے آتے ہو؟"

"ہاں بھائی جان!" ـــ عزیز نے مسکراتے ہوئے کہا اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا ـــ "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے۔"

عزیز کا ہاتھ جب اُس کی پتلون کی جیب سے نکلا تو اُس کے ہاتھ میں ویسا ہی پستول تھا جو ورما سے ہاشمی کے گھر میں چھینا گیا تھا۔ بلراج بھی اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔

جمیل نے اتنی قریب سے نہ کبھی پستول دیکھا تھا نہ خنجر اور کبھی اس صورتِ حال سے بھی دوچار نہیں ہُوا تھا جو عزیز اور بلراج نے اس کے لئے پیدا کر دی تھی۔ ایک طرف سے میگزین والا پستول اور دوسری طرف سے خنجر اُس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جمیل پر سکتے کی سی کیفیت طاری

ہو گئی۔ اُس میں اتنی ہمت بھی نہ رہی کہ اُٹھ کھڑا ہوتا۔

"آپا زبیدہ یہیں رہے گی" ـــ عزیز نے آنکھیں اُس کی آنکھوں میں ڈال کر اور پستول کی نالی اُس کے مُنہ کے قریب کر کے کہا ـــ "اور آپ اُس سے کچھ نہیں پوچھیں گے ورنہ آپ کا انجام بڑا ہی بھیانک ہو گا۔"

"وعدہ کریں کہ ہماری بات پر عمل ہو گا" ـــ بلراج نے خنجر کی نوک جمیل کی گردن کے ساتھ لگا کر کہا۔

جمیل نے وعدہ کیا کہ ایسے ہی ہو گا جیسے اُنہوں نے کہا ہے۔ عزیز اور بلراج کمرے سے نکل گئے۔

PdfStuff.blogspot.com

عزیز اور بلراج کمرے سے نکل گئے۔ جمیل کی ذہنی حالت ایسی ہوگئی جیسے اُن دونوں کے ساتھ جمیل کی رُوح بھی نکل گئی ہو۔ اُس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ آنکھیں ٹھہر گئی تھیں۔ اُس نے صرف اتنی سی ہمت کی تھی کہ اُٹھ کھڑا ہُوا تھا۔ اس سے آگے وہ کوئی حرکت نہ کر سکا تھا۔

ساتھ والے کمرے میں بچوں نے ہنگامہ بپا کر رکھا تھا۔ اُن کی ماں سارا دن گھر سے غیر حاضر رہی تھی۔ وہ ماں کے آنے کی خوشی میں اودھم مچا رہے تھے۔ باپ کو وہ بھُول گئے۔

بچوں کا شور و غُل جمیل کے کانوں سے ٹکرا رہا تھا، لیکن ایسے جیسے طوفانی ہوائیں کسی چٹان سے ٹکرا رہی ہوں۔ جمیل بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اُس کے ساتھ جو سلوک ہُوا وہ غیر متوقع تھا۔ اس نے تو بڑی جرأت سے فیصلہ کیا تھا کہ زبیدہ کو طلاق دے دے گا اور کسی قیمت پر اُسے واپس نہیں لائے گا۔ اُسے عزیز احمد کے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں تھی لیکن اُسے یہ توقع بھی نہیں تھی کہ عزیز اُس کے ساتھ ایسی غنڈہ گردی کرے گا جو وہ کر گیا تھا۔

جمیل کو وقت کا احساس نہ تھا۔ اُس کے لئے وقت پر بھی سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ ایک دوسرے کے پیچھے گزرتے لمحے اُسی مقام پر رُک گئے تھے جہاں جمیل کھڑا تھا۔

کم و بیش ایک گھنٹہ گزر گیا۔

ساتھ والے کمرے میں بچوں کا ہنگامہ ختم گیا تھا۔ وہ باپ کو تو جیسے بھول ہی گئے تھے لیکن زبیدہ ان کے باپ کو نہیں بھُولی تھی۔ اُس کا دھیان اُس کمرے کی طرف تھا جس میں جمیل کھڑا تھا۔ زبیدہ کو معلوم نہ تھا کہ جمیل کھڑا ہے، بیٹھا ہے یا کس حالت میں ہے۔ وہ فوراً معلوم کرنے کو بے تاب

ہو رہی تھی کہ اُس کے بھائی عزیز نے اُس کے خاوند جمیل کو راضی کر لیا ہے یا جمیل ابھی تک طلاق کے فیصلے پر ڈٹا ہُوا ہے۔ زبیدہ یہ سوچ سوچ کر بھی پریشان ہو رہی تھی کہ اُس کے بھائی اور خاوند کی لڑائی نہ ہو جائے۔ اُسے جب خیال آتا تھا کہ اُس کا خاوند شریف آدمی ہے اور عزیز کا شرافت کے ساتھ دُور پار کا بھی تعلق نہیں تو وہ اور زیادہ پریشان ہو جاتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عزیز اکھڑ طبیعت کا آدمی ہے، اگر جمیل نے اُس کی بات کو رَد کر دیا تو عزیز بدتمیزی پر اُتر آئے گا۔

زبیدہ بچوں سے پریشانی اور اضطراب چھپا رہی تھی اور بچوں کو سُلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اُسے جب خیال آتا تھا کہ عزیز نے اُسے دھوکہ دے کر کتنا ذلیل کیا ہے کہ اُسے تھانے تک پہنچا دیا ہے تو اُس کا جی چاہتا تھا کہ چیخ چیخ کر روتے اور عزیز کو چوک میں کھڑا کر کے جُوتے مارے۔ عزیز نے یہ بھی نہ سوچا تھا کہ اُس کی بہن کو دو چار دنوں کے لئے حوالات میں بند کیا جا سکتا تھا۔ اُسے جیل کی حوالات میں بھی بھیجا جا سکتا تھا۔

زبیدہ پر سب سے بڑی چوٹ تو یہ پڑی تھی کہ اُس کے خاوند نے اُسے دھتکار دیا تھا اور معلوم نہ تھا کہ اُسے قبول کرے گا یا نہیں۔ وہ بظاہر بچوں میں دلچسپی لے رہی تھی لیکن اندر سے وہ بڑی بُری کشمکش میں مبتلا تھی۔

ایک گھنٹہ گزر گیا تو وہ اُس دروازے کے ساتھ جا کھڑی ہوئی جو ساتھ والے کمرے میں کُھلتا تھا۔ چھوٹے بچے سو گئے تھے۔ ساتھ والے کمرے میں خاموشی تھی۔ ایک آدھ منٹ بعد زبیدہ نے نہایت آہستہ سے ایک کواڑ کھولا اور کمرے میں جھانکا۔ اُسے جمیل اکیلا کھڑا نظر آیا۔ اُس کے کھڑا ہونے کا انداز اور چہرے کا تاثر زبیدہ کے لئے نیا اور عجیب تھا۔ زبیدہ نے جمیل کے ساتھ باتیس تیئس سال گزارے تھے۔ اُس نے جمیل کو اس طرح کھڑے اور چہرے پر یہ تاثر لیتے ہوتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

زبیدہ کو ایک خیال یہ آیا کہ عزیز اُسے ملے بغیر چلا گیا ہے۔

Pdfstuff.blogspot.com

وہ کواڑ کو ذرا سا اور کھول کر اس کمرے میں آگئی اور آہستہ آہستہ جمیل تک پہنچی۔ جمیل یوں کھڑا رہا جیسے پتھر کا بُت ہو۔

زبیدہ نے اُس کے بازو پہ ہاتھ رکھا۔

جمیل نے کوئی حرکت نہ کی۔

زبیدہ نے اُسے آہستہ سے جھنجھوڑا۔ جمیل نے بڑی آہستہ آہستہ گردن گھمائی اور زبیدہ کو دیکھا۔ اُس کے چہرے کے تاثر میں کچھ ایسی تبدیلی آئی جیسے وہ زبیدہ کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ زبیدہ اُسے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ پریشان تو وہ پہلے ہی تھی لیکن جمیل کو اس کیفیت میں دیکھ کر اُس کی پریشانی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اگر حالات نارمل ہوتے، زبیدہ سے یہ حرکت سرزد نہ ہوتی جو وہ عزیز کے کہنے پر کر بیٹھی تھی تو جمیل کو وہ اپنے بازوؤں میں لے کر بٹھا دیتی یا اُسے پلنگ پر لٹا دیتی اور اُس سے پوچھتی کہ اُسے کیا ہُوا ہے لیکن زبیدہ کے ضمیر پر ایک بڑے ہی گھناؤنے جُرم کا بوجھ تھا۔ وہ جمیل کا سامنا کرنے سے ڈر رہی تھی۔ اگر عزیز اُس کے ساتھ نہ آتا تو بھی وہ اس گھر میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرتی حالانکہ یہ اُس کا اپنا گھر تھا، پھر بھی جمیل کی یہ حالت اُس سے دیکھی نہ گئی۔ وہ اتنا ہی سمجھ سکی کہ عزیز اس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کر گیا ہے۔

جمیل کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں سرخی تھی اور آنکھوں میں خمار سا بھی تھا۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ وہاں نہیں جہاں کھڑا ہے۔ یہ خود فراموشی کی کیفیت تھی۔

زبیدہ نے اُس کے دونوں کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر آہستہ سے اُسے اُس صوفے پر بٹھا دیا جس کے ساتھ وہ کھڑا تھا۔

"کیا ہُوا؟" — زبیدہ نے اُس پر جھک کر سرگوشی میں پوچھا۔

جمیل نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ زبیدہ کے چہرے پر نظریں جماتے ہُوئے اُسے دیکھتا رہا۔

"کیا عزیز کوئی بدتمیزی کر گیا ہے؟" — زبیدہ نے پوچھا۔

"عزیز؟ .... وہ .... تمہارا بھائی!" — جمیل اس طرح بول رہا تھا جیسے زبان اُس کا ساتھ نہ دے رہی ہو۔ اُس نے کچھ اور کہنے کی کوشش کی لیکن اتنا ہی کہہ سکا — "وہ تمہارا بھائی نہیں ہو سکتا۔"

"یہ میری غلطی تھی کہ میں اُسے اپنا بھائی سمجھتی رہی" — زبیدہ نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اُس کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا — "مجھے اتنی سی اجازت دے دیں کہ مَیں آپ سے معافی مانگ لوں۔ مَیں نے آپ کو ہمیشہ پریشان رکھا ہے" — زبیدہ جمیل کے پاؤں میں بیٹھ گئی اور اپنے دونوں ہاتھ اُس کے پاؤں پر رکھ کر کہا — "مَیں نے آج سے عزیز کو اپنا بھائی سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ مجھے بات کرنے کی مہلت دیں۔ مَیں آپ کے تمام گِلے شکوے دھو ڈالوں گی۔"

جمیل پر جو کیفیت طاری تھی، اُس میں ذرا سی بھی تبدیلی نہ آئی۔ وہ کبھی زبیدہ کو دیکھتا اور کبھی خلا میں گھورنے لگتا تھا۔

"بچے کہاں ہیں؟" — جمیل نے سرگوشی میں پوچھا۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے خواب میں بڑبڑا رہا ہو۔ کہنے لگا — "میرے بچے کہاں ہیں؟"

"یہیں ہیں" — زبیدہ نے ذرا جاندار آواز میں کہا — "چھوٹے بچے سو گئے ہیں۔ بڑے بھی سونے والے ہیں۔"

جمیل یکلخت بیدار ہو گیا جیسے اُسے کوئی خطرہ نظر آ رہا ہو۔ اُس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک کواڑ ذرا سا کھلا ہُوا تھا۔ عزیز اور بلراج اسی دروازے سے نکل کر گئے تھے۔ اچانک جمیل اُٹھا اور دوڑ کر دروازہ بند کیا اور دونوں کواڑوں کی چٹخنیاں چڑھا دیں۔ پھر دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا کر وہیں کھڑا رہا۔ زبیدہ نے جمیل کی یہ حرکت دیکھی تو اُس پر خوف و ہراس جیسی کیفیت طاری ہو گئی۔ اُسے اب پتہ چلا کہ اُس کے خاوند کی ذہنی حالت صحیح نہیں۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ عزیز اور بلراج اُسے جو دھمکی پستول اور خنجر دکھا کر دے گئے تھے وہ اس کے اعصاب برداشت نہیں کر سکے تھے۔

زبیدہ اُٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی جمیل تک پہنچی۔

pdfstuff.blogspot.com

"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" — زبیدہ نے اُس سے پوچھا — "کیا آپ میری کوئی بات نہیں سُن رہے؟"

حقیقت یہی تھی کہ جمیل پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ زبیدہ کی باتیں اُس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں مگر وہ سُن نہیں رہا تھا۔ یہ غصّے، دہشت زدگی اور بے بسی کی انتہا تھی جس نے جمیل کے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا۔ ایک تو وہ پستول اور خنجر کے درمیان بے بس ہو گیا تھا اور دوسری وہ بے بسی تھی جو بھارت کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی۔ جمیل کو معلوم نہیں تھا کہ عزیز کے ساتھ جو آدمی تھا وہ ہندو تھا یا مسلمان۔ عزیز نے اُس کا تعارف تابش اجمیری کے نام سے کرایا تھا لیکن یہ نام غلط بھی ہو سکتا تھا۔

جمیل نے جب عزیز کے پستول اور بلراج کے خنجر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تھا تو اُسے پہلا خیال یہ آیا تھا کہ اِس ملک میں مسلمان کتنا بے بس ہے۔ عزیز اور بلراج اس لئے شیر ہو گئے تھے کہ وہ انڈین انٹیلی جنس میں تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اور سوچ کر اُس کے ذہن میں ایک دھماکہ سا ہُوا تھا پھر اُس نے یوں محسوس کیا تھا جیسے وہ ریزہ ریزہ ہو گیا ہو اور پھر اُس پر یہ کیفیت طاری ہو گئی جو زبیدہ کے لئے ناقابلِ فہم اور پریشان کُن تھی۔

زبیدہ جمیل کو بازو سے پکڑ کر صوفے کی طرف چلی تو جمیل ہپناٹائز کئے ہوئے آدمی کی طرح اُس کے ساتھ چل پڑا۔ زبیدہ نے اُسے لمبے صوفے پر بٹھایا اور اُس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے کچھ بتائیں" — زبیدہ نے اُس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا — "خدا کے لئے کچھ بتائیں۔"

"وہ.... وہ کہتے ہیں...."

"کیا کہتے ہیں وہ؟" — زبیدہ نے جمیل کو اُسی کیفیت میں دیکھا تو جھنجھلا کر پوچھا — "وہ کیا کہہ گئے ہیں؟" — زبیدہ کی اپنی جذباتی حالت بگڑ گئی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر مارے اور روتے ہُوئے بولی — "اوہ میرے خدا! میرے گناہ معاف کرنا۔ یہ سزا مجھ سے برداشت

نہیں ہو گی۔"

اس دوہتڑ کے دھماکے سے جو زبیدہ نے اپنے سر پر مارا تھا، جمیل بیدار ہو گیا۔ وہ چونک پڑا۔ اُس نے زبیدہ کی طرف دیکھا اور اُسے دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ اُٹھا۔

"میری آستین میں پلنے والی ناگن!" — اُس نے زبیدہ سے کہا — "اپنے بچوں کو کھانے والی...."

"مجھے کوئی اور سزا دے لیں" — زبیدہ نے روتے ہُوئے کہا — "مَیں آپ کے ہاتھ سے زہر پی لوں گی۔ اپنی زبان پر ایسی باتیں نہ لائیں۔ مَیں اپنے بچوں کو اپنی جان دے دوں گی۔"

"اگر تم انہیں اپنے بچے سمجھتی ہو تو سنو" — جمیل نے کہا — "تمہارا بھائی مجھے دھمکی دے گیا ہے کہ مَیں نے تمہیں طلاق دی تو وہ میرے چھوٹے یا بڑے بچے کو اغوا کر لے گا.... کیا یہ تمہارے بچے نہیں ہیں؟ کیا یہ تمہارا بھائی ہے؟"

"کیا اُس نے آپ کو یہ دھمکی دی ہے؟" — زبیدہ نے غم و غصّے کے لہجے میں پوچھا۔

"اُس نے یہ دھمکی مجھے پستول دکھا کر دی تھی" — جمیل نے کہا — "اُس کے ساتھ جو آدمی آیا تھا اُس نے خنجر نکال لیا تھا" — اُس نے آہ بھری اور بولا — "مَیں کتنا مجبور ہوں" — اُس نے ہاتھ زبیدہ کے مُنہ کی طرف کر کے گرج کر کہا — "مجھے مجبور تم نے بنایا ہے۔ میری عزّت اور شرافت کو تھانے میں جا کر خراب کیا ہے۔"

"آپ نے شاید میری بات نہیں سُنی" — زبیدہ نے کہا — "آپ نے دھیان نہیں دیا۔ میں نے کہا تھا کہ آج سے مَیں نے عزیز کو بھائی سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔"

"فتح تمہاری ہے" — جمیل نے کہا — "یہ کلجگ ہے۔ یہ بدی کی فتح کا زمانہ ہے۔ یہ اپنا دین اور ایمان بیچنے والوں اور بہنوں کی عزّت

PdfStuff.blogspot.com

کے ساتھ کھیلنے والوں کا زمانہ ہے .... مَیں تمہیں طلاق نہیں دے سکتا۔ دُوں گا تو تمہارا بھائی مجھے بہت بُرے انجام تک پہنچائے گا، لیکن زبیدہ! مجھے کوئی مجبور نہیں کر سکتا کہ اپنے دل میں تمہاری محبت پیدا کروں۔"

"وہ میں خود پیدا کر لوں گی" — زبیدہ نے کہا — "اب اپنے بھائی کے ساتھ مَیں جو سلوک کروں گی وہ آپ خود دیکھیں گے۔ مَیں آپ سے صرف یہ عرض کرتی ہوں کہ ایک بار سُن لیں کہ مجھ سے اتنا بڑا جُرم میرے اپنے بھائی نے کس طرح کروایا ہے۔"

جمیل خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"آپ مجھ پر اعتبار کریں نہ کریں، مَیں آپ کو مجبور نہیں کر سکتی" — زبیدہ نے جمیل کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا — "عزیز نے مجھے بتایا تھا کہ اُس کا ایک دوست اپنی بیوی کے ساتھ آیا ہُوا ہے اور یہ نوجوان جوڑا ہے۔ لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے اور سراغ ملا ہے کہ وہ ہاشمی کے گھر میں ہے۔ عزیز نے مجھے کہا کہ وہ اپنے ایک دوست کو جس کا نام عبدالرحمٰن ہے، میرے ساتھ ہاشمی کے گھر بھیجے گا۔ وہ لڑکی کو پہچانتا تھا لیکن پہلے ہاشمی کے گھر مجھے اکیلے جانا تھا۔"

"یہ روئیداد میں پہلے سُن چکا ہوں" — جمیل نے کہا — "میں حیران ہوں کہ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ فریدالدین ہاشمی شریف اور صاحبِ حیثیت ہیں، بزرگ ہیں اور وہ اس قماش کے آدمی نہیں کہ اغوا کی ہوئی کسی لڑکی کو اپنے گھر میں رکھیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے اپنے بھائی کی محبت میں اندھی ہو کر یہ حرکت کی ہے لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ تم ذِلّت کی حدیں پھلانگ بھی سکتی ہو۔"

"مَیں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ مجھے دو باتوں کا ذرا سا بھی علم نہیں تھا" — زبیدہ نے کہا — "ایک یہ کہ عزیز ہندوستان کا جاسوس ہے اور دوسری بات یہ کہ اُس نے میرے ساتھ ہاشمی کے گھر جس آدمی کو بھیجا تھا وہ ہندو ہے۔"

جمیل زبیدہ کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہ تھا لیکن بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ زبیدہ اب اپنی پوزیشن جن الفاظ میں واضح کر رہی تھی وہ اُس کے دل کی گہرائیوں سے نکل رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو گواہی دے رہے تھے کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے خلوصِ نیّت سے کہہ رہی ہے۔

"تم اپنے بھائی سے قطع تعلق تو نہیں کر سکتیں" — جمیل نے کہا — "تم اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"

"میرا کوئی بھائی نہیں" — زبیدہ نے کہا — "مَیں نے دل کو سمجھا لیا ہے کہ میرا بھائی مر گیا ہے .... مَیں صرف ایک بار اُسے ملوں گی۔ آپ ساتھ ہوں گے۔ اگر وہ یہاں آ گیا تو آپ کے سامنے بات کروں گی پھر اُس کی کبھی صورت بھی نہیں دیکھوں گی۔"

جمیل پر زبیدہ کی باتوں نے اثر کیا اور اُس نے زبیدہ سے علیحدگی کا فیصلہ منسوخ کر دیا لیکن اُس پر عزیز اور بلراج جو اثرات مرتب کر گئے تھے، انہوں نے بھی بہت کام کیا تھا۔ وہ اپنے فیصلے میں آزاد نہیں رہا تھا۔

اُسی رات اور اُسی وقت ہاشمی اور عبدالقدیر اُس گھر میں بیٹھے تھے جس گھر میں رِشی کو رکھا گیا تھا۔ یہ حسن طارق رفیقی کا گھر تھا۔ وہ محاذ کا ممبر تھا۔

"راشدہ!" — ہاشمی نے رِشی سے کہا — "تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔"

"کہاں؟"

"اشوکا ہوٹل!" — ہاشمی نے کہا — "حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ ہم تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کر سکتے کہ تمہیں یہیں رکھا جائے۔"

"کیا آپ مجھے سیدھا پاکستان نہیں پہنچا سکتے؟"

"چوری چھپے اور خفیہ طریقے سے پہنچا سکتے ہیں" — عبدالقدیر نے

pdfstuff.blogspot.com

جواب دیا ـــــ "لیکن اس میں خطرہ ہے۔ اگر تم پکڑی گئیں تو تمہیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا جائے گا۔ دو خطرے تمہارے ساتھ چپکے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم خوبصورت اور نوجوان ہو اور دوسرا خطرہ یہ کہ تم مسلمان ہو۔ تمہیں یہاں کی انٹیلی جنس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ تم پر پہلا الزام یہ ہوگا کہ تم پاکستان کی جاسوس ہو۔ تمہارے ساتھ بہت بُرا سلوک ہوگا۔ بہتر ہے کہ اپنے خاوند کے پاس چلی جاؤ۔ پاکستان کو جانے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔"

"مَیں اُسے کیا بتاؤں گی مَیں کہاں رہی ہوں؟"

"کیا تم ہماری نشاندہی نہیں کرنا چاہو گی؟" ـــــ عبدالقدیر نے پوچھا ـــــ "کیا اپنے خاوند اور پولیس کو نہیں بتاؤ گی کہ تمہیں کس طرح اغوا کیا گیا تھا؟"

"نہیں!" ـــــ رِشی نے بغیر سوچے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"مَیں آپ کے احسان کا بدلہ اسی طرح چکا سکتی ہوں" ـــــ رشی نے کہا ـــــ "مجھے تو کسی اور ہی سلوک کی توقع تھی لیکن آپ سب نے ...."

عبدالقدیر ایسا کچا آدمی نہیں تھا کہ رِشی کی باتوں میں آجاتا۔ اُسے، ہاشمی اور رفیقی کو رِشی کے خراجِ تحسین کی ضرورت نہیں تھی۔ رِشی نے رہائی کے لئے ان لوگوں کی خوشامد ہی کرنی تھی۔ انہیں فرشتہ ثابت کرنا تھا۔ اُس کی یہ باتیں خلوص کی حامل بھی ہو سکتی تھیں لیکن اب مسئلہ اور معاملہ ہی کچھ اور ہو گیا تھا۔ اِس لڑکی کو اب وہاں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اُسے رہا کرنے کا خطرہ مول لینا ہی تھا۔

ہاشمی اور عبدالقدیر کا ایک دوست ایڈووکیٹ تھا۔ وہ اِن کا ہم خیال ہی نہیں بلکہ ان کے محاذ سے بھی واقف تھا۔ محاذ کا وہ باقاعدہ ممبر تو نہیں بنا تھا، لیکن محاذ کو اس کا ہر طرح کا تعاون حاصل تھا۔ اُسے بتا دیا گیا کہ ایک پاکستانی لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے۔ اُس نے اِس خطرناک اقدام کو پسند نہیں کیا تھا۔ وہ احتیاط اور دور اندیشی کا قائل تھا۔ بہرحال اُس نے انہیں کچھ ہدایات

دی تھیں۔

اب رِشی کو رہا کرنے کا وقت آیا تو ہاشمی اور عبدالقدیر اس ایڈووکیٹ کے ہاں گئے اور اُسے بتایا کہ لڑکی کو رہا کیا جا رہا ہے۔

"ہمیں یہ بتائیں" ـــــ عبدالقدیر نے اُس سے پوچھا ـــــ "اگر لڑکی ہماری نشاندہی کر دے تو کیا ہم قانون کی گرفت میں آسکتے ہیں؟"

ایڈووکیٹ نے ان سے اس طرح سوال پوچھنے شروع کر دیئے جس طرح کسی مشتبہ یا ملزم سے تفتیش کی جاتی ہے۔ انہوں نے ہر سوال کا جواب تفصیل اور وضاحت سے دیا اور اُسے وہ باتیں بھی بتائیں جو اُس نے نہیں پوچھی تھیں۔ اُسے کچھ واقعات کا علم ہی نہیں تھا۔ مثلاً عبدالقدیر نے اُسے سنایا کہ کس طرح عزیز کی بہن ہاشمی کے گھر گئی اور رِشی اُس کے سامنے ہو گئی پھر دوسرے روز عزیز کی بہن انٹیلی جنس کے ایک ہندو کو برقعے میں ہاشمی کے گھر لے گئی۔ عبدالقدیر نے یہ سارا واقعہ سنایا۔ ورما کی پٹائی سناتی اور تھانے میں جو کچھ ہُوا وہ سنایا۔

"پھر آپ محفوظ ہیں" ـــــ ایڈووکیٹ نے کہا ـــــ "ہندو نے حویلی کی خانہ تلاشی لی تھی۔ لڑکی برآمد نہیں ہوئی۔ اُس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ یہ بات تھانے کے ریکارڈ پر آگئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انٹیلی جنس کے اِس آدمی نے اپنے محکمے کو بتایا ہوگا کہ لڑکی اِس گھر میں نہیں ہے۔"

"مَیں خود انٹیلی جنس میں رہا ہوں" ـــــ عبدالقدیر نے کہا ـــــ "عزیز اور اس ہندو جیسے انٹیلی جنس کے کارندے ذرا ذرا سی بات اپنے افسروں کو بتاتے ہیں۔ یہ رپورٹ اُوپر تک پہنچ چکی ہوگی کہ لڑکی اس گھر میں نہیں ہے۔"

"یہ چیز آپ کے حق میں جاتی ہے" ـــــ ایڈووکیٹ نے کہا ـــــ "اگر آپ لڑکی کو گھر سے نکال دیں گے تو وہ بتا بھی دے گی کہ اُسے ہاشمی صاحب کے گھر میں رکھا گیا تھا تو بھی آپ قانون کی گرفت میں نہیں آتے کیونکہ لڑکی کو آپ کے گھر سے برآمد نہیں کیا گیا .... یہ بتائیں کہ لڑکی کو معلوم ہے یا نہیں کہ

Pdfstuff.blogspot.com

آپ کا گھر کون سے علاقے یا محلے میں ہے اور کیا لڑکی کو آپ کے گھر کا راستہ معلوم ہے؟"

"نہیں!" — ہاشمی نے جواب دیا — "اُسے میرے گھر پر رات کو لایا گیا تھا اور اُس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی تھی۔"

"زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ آپ کو انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر میں طلب کیا جائے گا" — ایڈووکیٹ نے کہا — "لڑکی سے آپ کی شناخت کرائی جائے گی۔ لڑکی آپ کو دیکھتے ہی کہہ دے گی کہ مجھے ان دونوں نے حبس بیجا میں رکھا تھا، پھر لڑکی کو ہاشمی صاحب کے گھر میں لے جایا جائے گا اور اُس سے پوچھا جائے گا کہ اُسے کون سے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ وہ اُس کمرے کی نشاندہی کر دے گی۔ وہ ہاشمی صاحب کی بیوی کو بھی شناخت کر لے گی۔ آپ کو ذہنی طور پر تیار ہونا چاہیئے کہ آپ کو مشتبہ قرار دے کر آپ سے اقبال جُرم کروانے کی کوشش کی جائے گی۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ اقبال جُرم کرانے کے لئے اذیت ناک طریقے اختیار کئے جاتے ہیں تشویشناک بات یہ ہے کہ بیگم ہاشمی بھی اس کارروائی میں ملوث ہیں۔ ایک پردہ نشین اور معزز عورت انٹیلی جنس انویسٹی گیشن سنٹر میں جاتے ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھے گی۔ اگر آپ کی بیگم کے ساتھ ذرا سی بھی بدتمیزی کی گئی تو وہ حوصلہ ہار کر یہ راز فاش کر دیں گی۔"

"ہم اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں" — ہاشمی نے کہا — "ہم نے کوئی جُرم نہیں کیا۔ ہمارے مقصد سے آپ واقف ہیں۔ اس قسم کے مقصد پر ہم ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ اگر ہم اذیتیں برداشت کرنے اور مرنے سے ڈرنے لگیں تو وہ وقت جلدی آجائے گا جب ہندوستان میں اسلام کی شمع ٹمٹما کر بجھنے لگے گی۔"

"مجھے آپ کے خیالات اور جذبات سے پورا پورا اتفاق ہے" — ایڈووکیٹ نے کہا — "لیکن میں اس وقت آپ کو بتا رہا ہوں کہ کیا ہو گا یا کیا ہونے کا امکان ہے۔ مجھے آپ کی بیگم کا خیال آتا ہے۔"

"کوئی اور صورت آپ کے ذہن میں آتی ہے؟" — عبدالقدیر نے پوچھا۔

"صورت یہی بہتر ہے کہ آپ لڑکی کو اپنے گھر سے نکال دیں" — ایڈووکیٹ نے جواب دیا — "نکالتے وقت اُس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہونی چاہیئے۔ دوسری صورت زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ لڑکی آپ کے قبضے میں ہی رہے۔ آپ کے گھر پر اچانک چھاپہ پڑے گا۔ لڑکی آپ کے قبضے سے برآمد ہوگی پھر ہاشمی صاحب! آپ کی اور آپ کی بیگم کی باقی عمر جیل میں گزرے گی۔ آپ کے بچنے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ بچنے کا امکان اس صورت میں موجود ہے کہ لڑکی کو وہاں سے ہٹا دیا جائے اور اُس کی کوئی نشانی وہاں نہ رہنے دی جائے۔ اب لڑکی رفیقی صاحب کے گھر میں ہے جہاں اُسے زیادہ دن رکھا بھی نہیں جا سکتا۔ باقی اللہ پر چھوڑیں۔"

ایڈووکیٹ نے انہیں کچھ اور ہدایات بھی دیں اور متفقہ طور پر یہی فیصلہ کیا گیا کہ لڑکی کو وہاں سے نکال دیا جائے۔

عبدالقدیر اور ہاشمی کے لئے مشکل یہ تھی کہ اُن کے پاس گاڑی نہیں تھی۔ گاڑی کا انتظام اگلے دن ہو سکتا تھا۔ اب تو ایک ایک منٹ قیمتی تھا۔ اگر چھاپہ پڑنا ہی تھا تو کسی بھی وقت پڑ سکتا تھا۔

اگلے روز عبدالقدیر نے کھٹارا سی ایک گاڑی کا انتظام کر لیا۔

رات بارہ بجے سے کچھ دیر بعد گاڑی اُس گلی کے سامنے لے جائی گئی جس گلی میں رفیقی کا گھر تھا۔ گاڑی میں عبدالقدیر نہیں تھا اور ہاشمی بھی نہیں تھا۔ محاذ کے تین آدمی گاڑی لے کر گئے تھے۔ ہاشمی اور عبدالقدیر پہلے ہی رفیقی کے گھر موجود تھے۔ انہوں نے رشی کو بتا دیا تھا کہ اُسے اُس کے خاوند اور عزیز کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ اُنہوں نے رشی سے ایسی درخواست نہیں کی تھی کہ وہ اُن کی نشاندہی نہ کرے۔ رشی خاموش رہی تھی۔ اُس کے چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے اور

Pakistanipoint.blogspot.com

یہاں سے جا کر اُس کا ردِ عمل کیا ہو گا اور وہ کیا کرے گی۔

جو تین آدمی گاڑی لے کر گئے تھے اُن میں سے دو آدمی گلی میں داخل ہو گئے اور ایک گاڑی میں ہی بیٹھا رہا۔ وہ رفیقی کے دروازے پر پہنچے۔ اُن کی مخصوص دستک پر رفیقی نے دروازہ کھولا اور یہ دونوں اندر چلے گئے۔ ان دونوں آدمیوں نے سروں پر صافے اس طرح باندھ رکھے تھے کہ اُن کے چہرے بھی ڈھانپے ہوتے تھے۔ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ رِشی کو چلنے کے لئے کہا گیا۔ رِشی اُٹھی۔

"مَیں آپ لوگوں کو ساری عمر نہیں بھولوں گی" — رِشی نے کہا —

"آپ کے ہاں میری عزت محفوظ رہی ہے۔"

عبدالقدیر کے ہاتھ میں ایک سیاہ کپڑا تھا اور وہ رِشی کے پیچھے کھڑا تھا۔ اُس نے پیچھے سے یہ کپڑا رِشی کے چہرے کے آگے کیا اور اُس کی آنکھوں پر رکھ کر اُس کے سَر کے پیچھے باندھ دیا۔ ان سب پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ رِشی کو گھر سے نکال کر وہ اپنی قسمت کا فیصلہ کر رہے تھے۔ دراصل یہ فیصلہ اُن کے اختیار میں نہیں تھا۔ یہ تو رِشی کے جانے کے بعد معلوم ہونا تھا کہ فیصلہ کیا ہو گا۔ یہ اچھا بھی ہو سکتا تھا بُرا بھی اور یہ بہت بُرا بھی ہو سکتا تھا۔ توقع یہی تھی کہ یہ بہت بُرا ہو گا۔ یہی وجہ تھی کہ سب پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ انہیں احساس تھا کہ محاذ اور محاذ کا مقصد اُن سے پہلی قربانی مانگ رہا ہے۔ انہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ کسی کے ذہن میں کوئی بات آتی تھی تو یہ بات زبان پر آ کر بھاپ کی طرح اُڑ جاتی تھی۔

رِشی کی آنکھوں پر کپڑا باندھ کر عبدالقدیر نے نقاب پوشوں کو سَر سے اشارہ کیا۔ ایک نے رِشی کا دایاں اور دوسرے نے اُس کا بایاں ہاتھ پکڑ لیا اور وہ باہر کی طرف چل پڑے۔ ہاشمی نے اُنہیں روک لیا۔ اُس نے ایک چادر اُٹھائی اور رِشی کے سر پر ڈال دی۔ رِشی نے خود ہی یہ چادر اوڑھ لی۔ ہاشمی نے اُس کے ماتھے سے چادر نیچے کو کھینچ کر گھونگھٹ نکال دیا۔ ہیجانی کیفیت میں وہ نہایت اہم احتیاطی تدبیر بھول چکے تھے۔ گھر سے گاڑی تک جاتے

کوئی آدمی رِشی کو چادر کے بغیر دیکھ لیتا تو اُسے فوراً پتہ چل جاتا کہ یہ جوان لڑکی ہے اور اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے۔ وہ رِشی کو باہر لے گئے۔

"راستہ بالکل سیدھا ہے" — ایک نقاب پوش نے رِشی سے کہا — "اور راستہ بالکل صاف ہے۔ تیز چلی چلو۔"

رِشی اُن کے ساتھ اُن کی رفتار سے چلتی گئی۔ دونوں آدمیوں نے اُس کے ہاتھ تھامے ہوتے تھے۔ گلی میں صرف ایک آدمی اور عورت سامنے سے آ کے اُن کے قریب سے گزرے۔ اُنہیں دیکھ کر ان دونوں نے رِشی کے ہاتھ چھوڑ دیئے تھے۔

وہ گاڑی تک پہنچے۔ اُن کے ساتھی نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا۔ ایک آدمی پہلے پچھلی سیٹ پر بیٹھا پھر رِشی کو بٹھایا گیا پھر ان کا دوسرا ساتھی گاڑی میں بیٹھا۔ ان کے تیسرے ساتھی نے گاڑی سٹارٹ کی اور گاڑی چلی گئی۔

پرانی دِلّی سے نکل کر گاڑی نئی دِلّی میں داخل ہو گئی۔ جُوں جُوں گاڑی آگے بڑھتی جا رہی تھی سڑکوں پر ٹریفک زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ نئی دِلّی آدھی رات کے بعد زندہ و بیدار تھی۔ پیچھے سے ایک کار گاڑی کے قریب سے گزری۔ اُس میں سے نسوانی قہقہے بلند ہوئے۔ یہ ہندوستان کی ڈِسکو سوسائٹی کی نوجوان لڑکیاں اور لڑکے تھے جو رات کو جاگتے اور دن کو سوتے ہیں۔ ایسی دو تین اور کاریں اس گاڑی کے قریب سے گزریں۔ ان کاروں میں بیٹھے نوجوانوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ اُن کی قبیل کی ایک لڑکی آنکھوں پر پٹی بندھے لے جائی جا رہی ہے۔ آگے وہ دوراہا آ گیا جہاں سے ایک سڑک اشوکا ہوٹل کی طرف جاتی تھی۔ گاڑی اس سڑک کو چھوڑ کر دوسری سڑک پر چلی گئی۔ یہ سڑک شہر سے باہر جا رہی تھی۔

آگے کوٹھیوں کی ایک نئی کالونی تھی جس میں داخل ہو کر گاڑی کی رفتار کم ہو گئی۔

Pdfstuff.blogspot.com

رِشی کو اشوکا ہوٹل تک پہنچانا تھا لیکن عبدالقدیر کو کچھ خطرہ سا محسوس ہُوا۔ اشوکا ہوٹل ایسی جگہ پر تھا جہاں دُور دُور تک ساری رات ٹریفک چلتی اور گہما گہمی رہتی تھی۔ لڑکی کو وہاں اتارنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ یہ ہو سکتا تھا کہ لڑکی گاڑی سے اُترتے ہی شور مچا دے۔ وہاں پولیس موجود ہوتی تھی اِس کے علاوہ وہاں بے انداز کاریں موجود تھیں۔ لڑکی کو لے جانے والی کار کا تعاقب ہو سکتا تھا۔ احتیاطی تدابیر کو صرف عبدالقدیر سمجھ سکتا تھا۔

اس محاذ کا جو آدمی اشوکا ہوٹل میں بیرا تھا، اُس نے خبر دی تھی کہ رابی اس ہوٹل سے چلا گیا ہے۔ اس بیرے نے رابی کو دو مرتبہ عزیز کے ساتھ دیکھا تھا۔ عبدالقدیر نے یہ بہتر سمجھا تھا کہ رِشی کو عزیز کی کوٹھی میں پہنچا دیا جائے۔

"مَیں چاہتا ہوں کہ لڑکی عزیز کے گھر سے برآمد ہو" — عبدالقدیر نے ہاشمی اور اپنے دیگر ساتھیوں سے کہا تھا — "لڑکی کو عزیز کے ہاں بھیجنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہی لڑکی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے اور وہ ہم تک آ پہنچا تھا۔ لڑکی اُسی کے پاس چلی جاتے تو اچھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی کا خاوند عزیز کے پاس ہی ٹھہرا ہُوا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ واپس پاکستان چلا گیا ہو۔"

سب نے عبدالقدیر کی اس بات کو مان لیا تھا۔ اُسے سب اپنا اُستاد اور لیڈر سمجھتے تھے۔

"لڑکی کو جہاں بھی چھوڑا گیا، ہمارے لئے خطرہ موجود ہے" — عبدالقدیر نے کہا تھا — "مَیں عزیز کے ساتھ ایک گیم کھیلنا چاہتا ہوں۔ دیکھتے ہیں کہ بازی کون جیتے گا۔"

ہاشمی اور عبدالقدیر نے عزیز کو کوٹھی دیکھ رکھی تھی۔ ہاشمی نے اپنے ان ساتھیوں کو جو رشی کو لے جا رہے تھے، یہ کوٹھی دکھا دی تھی۔ رشی کو لے جانے والی گاڑی اس کوٹھی سے پچیس تیس قدم دُور رُکی۔ وہاں سڑک پر ٹیوب لائٹیں روشن تھیں۔ ایک آدمی نے رِشی کی آنکھوں

سے کپڑا کھول دیا۔ رِشی نے اپنی آنکھیں ہاتھوں سے مَلیں اور چند سیکنڈ بعد اُس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہو گئیں۔

"وہ سبز گیٹ والی کوٹھی نظر آ رہی ہے" — ایک آدمی نے رِشی سے کہا — "اس سے آگے سفید گیٹ والی کوٹھی ہے۔ گیٹ کی لائٹیں روشن ہیں۔ ایک لائٹ کے نیچے 'کاشانۂ عزیز' لکھا ہے۔ گاڑی سے اُترو اور اس کوٹھی میں چلی جاؤ۔"

"یہ کس کی کوٹھی ہے؟" — رِشی نے ایسے لہجے میں پوچھا جس میں گھبراہٹ تھی — "آپ لوگ مجھے کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟"

"یہ آدمی تمہارے لئے کوئی اجنبی نہیں" — سٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے جواب دیا — "یہ کوٹھی اُس عزیز کی ہے جو تمہیں یہاں لایا تھا۔ ہو سکتا ہے تمہارا خاوند بھی تمہیں یہیں مل جائے۔"

"مَیں آپ کے قبضے میں ہوں" — رِشی نے مغموم سی آواز میں کہا — "مَیں آپ کے رحم و کرم پر ہوں۔ مَیں آپ کے ہاتھوں میں مجبور ہوں۔ آپ مجھے دریا میں پھینک دیں گے تو میں آپ کو نہیں روک سکتی۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ کوئی دھوکہ تو نہیں ہو رہا .... اگر آپ کو بُرا نہ لگے تو میں آپ سے پوچھوں کہ آپ مجھے کسی کے ہاتھ بیچ تو نہیں رہے؟"

"اگر ہم یا وہ جن کے ہاں رہ آتی ہو، بردہ فروش ہوتے تو کیا تمہاری عصمت ہمارے ہاتھوں محفوظ رہتی؟" — ایک آدمی نے کہا — "ہم جلدی میں ہیں۔ گاڑی سے اُترو۔ ہمیں جانا ہے۔"

"کیا آپ مجھے اکیلی چھوڑ کر چلے جائیں گے؟" — رِشی نے خوفزدہ آواز میں پوچھا — "اگر کوٹھی بند ہوتی، یہاں کوئی نہ ہُوا ...."

"ہم یہاں سے اُس وقت جائیں گے جب تم کوٹھی میں داخل ہو جاؤ گی" — اُس کے ساتھ بیٹھے ہوئے نقاب پوش نے اُسے کہا۔

Pdfstuff.blogspot.com

رِشی اس طرح گاڑی سے اُتری جیسے اُترنا نہ چاہتی ہو۔ وہ آہستہ آہستہ سفید گیٹ والی کوٹھی کی طرف چل پڑی۔ اُسے وہاں تک لانے والے گاڑی میں بیٹھے اُسے دیکھتے رہے۔ وہ گیٹ تک پہنچ کر رُکی اور دیکھنے لگی۔ اُس نے "کاشانۂ عزیز" پڑھا۔ اس کے ساتھ ہی گھنٹی کا بٹن تھا۔ اُس نے بٹن دبایا اور ایڑیاں اُٹھا کر اُوپر سے اندر دیکھنے لگی۔

ذرا دیر بعد گیٹ کھُلا۔ یہ نوکر تھا۔

"مسٹر عزیز ہیں؟" رِشی نے پوچھا۔

"نہیں!" — نوکر نے جواب دیا — "آنے ہی والے ہیں۔"

"مسٹر رب نواز ان کے ساتھ رہتے ہیں" — رِشی نے کہا — "رابی .... انہیں رابی کے نام سے پکارتے ہیں۔"

"محترمہ!" — نوکر نے کہا — "آپ انتظار کریں .... آپ کا نام کیا ہے؟"

"راشدہ!" — رِشی نے جواب دیا — "رِشی۔"

"نہیں محترمہ!" — نوکر نے کہا — "مَیں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سُنا۔"

"کیا تم مجھے اندر نہیں آنے دو گے؟" — رِشی نے پوچھا۔

"آجائیں" — نوکر نے کہا — "لیکن آپ کو برآمدے میں بیٹھنا پڑے گا۔"

"کیوں؟" — رِشی نے پوچھا — "برآمدے میں کیوں؟"

"میرے لئے یہی حکم ہے مس صاحبہ!" — نوکر نے جواب دیا۔

عین اُس وقت ایک کار اس طرف مُڑی۔

"ذرا ٹھہریں" — نوکر نے کہا — "یہ عزیز صاحب کی گاڑی لگتی ہے۔"

رِشی کو ساتھ لانے والے اپنی گاڑی میں بیٹھے رہے۔ کار سامنے

سے آرہی تھی۔ گاڑی کے سٹیئرنگ پر بیٹھے آدمی نے گاڑی سٹارٹ کی تاکہ خطرے کی صورت میں وہاں سے گاڑی فوراً نکال لی جاتے۔

سامنے سے آنے والی کار رِشی اور نوکر کے پاس رُک گئی۔ نوکر نے دوڑ کر گیٹ کھولا۔ وہاں ٹیوب لائٹوں کی روشنی خاصی زیادہ تھی۔ کار گیٹ کے اندر جانے کی بجائے باہر ہی کھڑی رہی۔ اس میں سے عزیز اور رابی نکلے پھر اس میں سے ایک لڑکی نکلی جو رِشی کی ہم عمر تھی لیکن رِشی سے زیادہ حسین اور پُرکشش تھی۔

عزیز اور رابی رِشی کے قریب گئے اور اُسے غور سے دیکھا۔

"رِشی؟" — رابی نے حیرت سے کہا۔

"کہاں سے آئی ہو؟" — عزیز نے پوچھا۔

رِشی نے اُس گاڑی کی طرف دیکھا جس میں اُسے لایا گیا تھا۔ عزیز اور رابی نے اُس طرف دیکھا۔ اس گاڑی میں بیٹھے ہوتے تین آدمیوں میں سے ایک عزیز کو پہچانتا تھا۔

"یہ عزیز ہے" — اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا — "چلو نکلو یہاں سے .... لڑکی ٹھکانے پر پہنچ گئی ہے۔"

عزیز اور رابی اُس گاڑی کی طرف چلے۔ پچیس تیس قدم کا فاصلہ تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی چلادی۔ پیچھے کو موڑنے کی بجائے وہ گاڑی کو سیدھا لے گیا۔

"کم آن رابی!" — عزیز نے اپنی کار کی طرف دوڑتے ہوتے کہا — "انہیں پکڑیں گے" — کار میں بیٹھ کر اُس نے نوکر سے کہا — "ان لڑکیوں کو اندر لے جاؤ۔"

عزیز صرف جاسوس اور مُخبر ہی نہیں تھا، اُسے تقریباً اُس قسم کی ٹریننگ دی گئی تھی جو کمانڈو کو دی جاتی ہے۔ اس میں بغیر ہتھیار کے لڑائی خاص طور پر شامل تھی۔ خنجر، چاقو اور ریوالور سے مسلح آدمی کو بغیر ہتھیار

PakistaniBlogspot.com

کے یعنی نہتہ حالت میں بے بس کر دینا اور اس سے ہتھیار چھین لینا بھی شامل تھا۔ کار یا کوئی بھی گاڑی انتہائی رفتار سے چلانے اور گاڑی کو بے قابو نہ ہونے دینے کی ٹریننگ بھی شامل تھی۔

یہ کوٹھیوں کا علاقہ تھا۔ سڑکوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ عزیز اس علاقے سے واقف تھا۔ محاذ کے آدمیوں کو ان سڑکوں سے واقفیت نہیں تھی۔ ان کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ ان کی گاڑی بڑی پرانی اور گھسی پٹی تھی۔ عزیز کی گاڑی نئے ماڈل کی تھی۔

عزیز نے اپنی گاڑی اس قدر تیزی سے ریورس اور سیدھی کی کہ پہیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اُس نے ایکسیلیٹر پر پاؤں دبایا۔ رات کا وقت تھا۔ محاذ کی گاڑی جاتی نظر آ رہی تھی۔ اُس نے دو موڑ کاٹے تھے۔ اُن تینوں کا خیال تھا کہ وہ دُور نکل آتے ہیں اور عزیز کی گاڑی اُن تک نہیں پہنچ سکے گی لیکن یہ ان کا خیال ہی تھا۔ عزیز ایک چھوٹے راستے سے اُن تک پہنچ گیا۔ اُنہوں نے بروقت دیکھ لیا اور قریبی موڑ سے مُڑ گئے۔

عزیز کی رفتار اتنی تیز تھی کہ وہ یہ موڑ مُڑ نہ سکا۔ کار کے اُلٹنے کا خطرہ تھا۔ بریک لگاتے لگاتے کار آگے نکل گئی۔ عزیز نے کار کو پیچھے موڑا اور اس موڑ سے مُڑ کر رفتار تیز کر دی۔

"رابی!" — عزیز نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے رابی سے کہا — "تین چار دنوں سے میں ریوالور لے کر نہیں نکل رہا۔ آج بھی وہی غلطی کی ہے۔ ڈیش بورڈ کھولو۔ اس میں خنجر پڑا ہے۔ نکال کر ہاتھ میں رکھ لو۔"

"معلوم نہیں اس گاڑی میں کتنے آدمی ہیں" — رابی نے کہا — "اُن کے پاس ریوالور ہوں گے۔"

"ہونے دو" — عزیز نے کہا — "مَیں گاڑی کا نمبر دیکھ لوں اور صرف ایک چہرہ پہچان لوں .... ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو۔ ڈرو نہیں رابی! تمہیں بھی یہ ٹریننگ دیں گے۔"

"مَیں نے فلموں میں اس طرح کے بہت سے تعاقب دیکھے ہیں" —

رابی نے کہا۔

"فلموں میں دیکھنے سے تو بہت مزہ آتا ہے" — عزیز نے گاڑی کی رفتار اور تیز کرتے ہوئے کہا — "لیکن حقیقی تعاقب میں دل اوپر حلق تک پہنچ جاتا ہے .... کیا تمہیں مزہ آ رہا ہے؟"

"نہیں" — رابی نے جواب دیا۔

"گئے کہاں؟" — عزیز نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا — "وہ رہے .... وہی گاڑی لگتی ہے۔ معلوم نہیں یہ کون لوگ ہیں۔"

وہ وہی گاڑی تھی۔ اُس نے ایسے موڑ کاٹے تھے کہ گھوم پھر کر گاڑی واپس آ رہی تھی۔ دو متوازی سڑکیں تھیں۔ ان کے درمیان کھلا میدان تھا جو گہرائی میں تھا۔ سٹیڈیم بنانے کے لئے یہ میدان خالی رکھا گیا تھا۔ عزیز کی گاڑی اس سڑک پر اور محاذ کی گاڑی اس کے متوازی سڑک پر جا رہی تھی۔ دونوں کی سمت ایک دوسرے کے خلاف تھی۔

عزیز نے اپنی گاڑی روکی اور پیچھے موڑ لی۔ اُسے معلوم تھا کہ جس گاڑی کا وہ تعاقب کر رہا ہے وہ ادھر ہی آئے گی کیونکہ آگے کوئی اور سڑک نہیں تھی۔ جس سڑک پر وہ جا رہی تھی وہ مُڑ کر اِدھر ہی آتی تھی۔ وقت آدھی رات کے بعد کا تھا اس لئے اس علاقے میں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔

عزیز نے آگے جا کر گاڑی ایک بلڈنگ کی اوٹ میں روک لی اور گاڑی کی بتیاں بجھا دیں۔ تھوڑی دیر بعد دوسری گاڑی کی روشنی سامنے سے گزرتی سڑک پر دکھائی دینے لگی۔ وہ سڑک اس سڑک کو کاٹ کر گزرتی تھی جس پر عزیز کی گاڑی کھڑی تھی۔ جونہی عزیز کو اس گاڑی کی روشنی نظر آئی اُس نے اپنی گاڑی چلا کر اُس گاڑی کے راستے میں کھڑی کر دی۔

اس جگہ کوٹھیاں نہیں تھیں۔ فوجی بارکوں کی طرح گودام کھڑے تھے۔ ورکشاپیں اور دو تین فیکٹریاں تھیں۔ محاذ والے دیکھ نہ سکے تھے کہ عزیز کی گاڑی گھات میں ہے۔ سڑک اتنی چوڑی نہیں تھی کہ محاذ کی گاڑی اس کے

Pdfstuff.blogspot.com

آگے یا پیچھے سے گزر جاتی۔ عزیز نے گاڑی اس طرح کھڑی کی تھی کہ سڑک کی پوری چوڑائی رُک گئی تھی۔

محاذ کی گاڑی کے ڈرائیور نے گاڑی اس طرح گھما کر روکی کہ عزیز اور رابی اس کا نمبر نہیں پڑھ سکتے تھے۔

"لائٹیں آف نہ کرنا" ـــ اس گاڑی کے ایک آدمی نے ڈرائیور سے کہا ـــ "چاروں لائٹیں آن کر دو۔ فل لائٹیں دو۔"

گاڑی کی چاروں لائٹیں آن ہو گئیں۔ عزیز ہاتھ میں خنجر لئے گاڑی کی طرف آیا۔ رابی اُس کے ساتھ تھا۔ اِدھر سے دونوں نقاب پوش گاڑی سے اُترے اور اُن دونوں کی طرف بڑھے۔

"میں سی آئی ڈی کا ایس پی ہوں" ـــ عزیز نے کہا ـــ "چہروں سے کپڑے ہٹا دو۔"

دونوں نقاب پوش بڑھتے گئے اور اُن دونوں کے قریب چلے گئے۔ عزیز کا خیال تھا کہ اُس کا رُعب کام کر گیا ہے لیکن اچانک وزنی ہتھوڑے جیسا ایک گھونسہ اُس کے مُنہ پر پڑا۔ ایسا ہی ایک گھونسہ رابی کی پسلیوں کے نیچے پیٹ میں لگا۔ عزیز چند قدم پیچھے گرا اور رابی دُہرا ہو گیا۔ عزیز کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا۔ ایک نقاب پوش نے دوڑ کر خنجر اُٹھا لیا۔

عزیز اُٹھ ہی رہا تھا کہ اُس کے پہلو میں پہلے جیسا گھونسہ پڑا۔ اُدھر رابی کے مُنہ پر گھونسہ لگا۔ اُس کے پاؤں سڑک سے اُٹھ گئے اور وہ پیٹھ کے بل اس طرح گرا کہ اُس کی ٹانگیں اُوپر کو اُٹھ گئیں۔ ڈسکو میوزک اور سیکس لبرٹی کا مارا ہُوا نوجوان اپنے ملک کے خلاف جاسوسی اور غداری کر سکتا تھا، ایک تنومند مجاہد کا گھونسہ برداشت کرنا اُس کے بس سے باہر تھا۔

عزیز صرف دو اور گھونسے برداشت کر سکا اور سڑک پر بیٹھ گیا۔ رابی اُٹھ ہی نہیں سکا تھا۔

"گاڑی کی چابی نکالو" ـــ ایک نقاب پوش نے خنجر کی نوک اُس کی گردن کے ساتھ لگا کر کہا ـــ "ہم خون نہیں بہائیں گے اور تمہاری گاڑی

بھی نہیں لے جائیں گے۔"

عزیز نے جیب سے اپنی گاڑی کی چابی نکال کر دے دی۔

"لو بھائی!" ـــ چابی لینے والے نقاب پوش نے اپنے ڈرائیور کو بلایا اور کہا ـــ "یہ لو چابی اور ایس پی صاحب کی گاڑی سڑک سے ہٹا دو۔"

ڈرائیور آیا اور چابی لے کر وہ عزیز کی گاڑی میں بیٹھا۔ گاڑی سڑک سے ہٹ گئی۔

"چابی اپنے ساتھ لے آؤ" ـــ ایک نقاب پوش نے ڈرائیور سے کہا۔

عزیز اور رابی آہستہ آہستہ اُٹھ رہے تھے۔ نقاب پوشوں کی گاڑی چل پڑی اور وہاں سے غائب ہو گئی۔ عزیز اُس کا نمبر نہ پڑھ سکا۔ اُس کی گاڑی کی چابی محاذ کی گاڑی کے ساتھ ہی چلی گئی اور عزیز کا خنجر بھی چلا گیا۔ یہ ساری کارروائی چند سیکنڈ میں ہو گئی۔

"یہ کوئی پیشہ ور معلوم ہوتے ہیں" ـــ عزیز نے رابی سے کہا ـــ "کوئی بات نہیں، پکڑ لیں گے۔"

عزیز کی کوٹھی کے سامنے جب عزیز اور رابی گاڑی سے اُترے تھے تو ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی اُتری تھی۔ اسے انہوں نے وہیں چھوڑ دیا تھا اور وہ رِشی کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔

"میرا نام زینی ہے" ـــ اُس لڑکی نے کہا ـــ "پورا نام زینت آفتاب ہے .... اور تم؟"

"رِشی!" ـــ رِشی نے جواب دیا ـــ "پورا نام راشدہ ہے۔ میں رابی کی بیوی ہوں۔ رابی کو جانتی ہو نا! عزیز کے دوست ہیں۔"

"ہاں ہاں!" ـــ زینی نے جواب دیا ـــ "رابی میرا بھی دوست ہے .... تم اسے چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھیں؟"

"میں خود تو نہیں گئی تھی" ـــ رِشی نے جواب دیا ـــ "میں ایک دھوکے کا شکار ہو گئی تھی۔"

Pdfbooksfree.blogspot.com

"یہ کون لوگ ہیں جن کے ساتھ تم واپس آتی ہو؟" —— زینی نے پوچھا۔

"مَیں ان کے ساتھ نہیں آتی" —— رِشی نے جھنجھلا کر جواب دیا —— "یہ مجھے یہاں ڈراپ کرنے کے لئے لاتے تھے۔"

زینی رِشی کو کوٹھی کے اندر لے گئی اور اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ نوکر کو کہا کہ کافی لائے۔ پھر اُس نے رِشی سے اس طرح سوال پوچھنے شروع کر دیئے جیسے رِشی مشتبہ یا ملزم ہو اور زینی اُس سے اقبالِ جرم کروانے کی کوشش کر رہی ہو۔ رِشی صاف طور پر محسوس کرنے لگی کہ اُس پر یہ شبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اغوا نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ اپنی مرضی سے گئی تھی۔ اُس نے زینی کو کسی ایک سوال کا بھی سیدھا اور صحیح جواب نہ دیا۔

"کیا رابی کو بھی یہی شک ہے کہ مَیں خود کسی کے ساتھ گئی تھی؟" —— رِشی نے پوچھا۔

"وہ بیچارہ تو بہت ہی اَپ سیٹ ہے" —— زینی نے جواب دیا —— "اُسے یہی شبہ ہے کہ تم خود کسی کے ساتھ چلی گئی تھیں .... انڈیا میں آتے ہی تم نے اتنی جلدی کِس سے دوستی لگا لی تھی؟ پھر تم واپس کیوں آ گئی ہو؟"

"میں تمہیں کسی ایک بھی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی" —— رِشی نے غصیلی آواز میں کہا —— "معلوم ہوتا ہے یہاں میرے لئے کوئی اور ہی جال بچھا ہُوا ہے۔"

رِشی اُٹھ کر ڈرائنگ روم میں تیز تیز قدم ٹہلنے لگی۔ زینی اُس سے کچھ نہ کچھ پوچھتی رہی لیکن اُس نے زینی کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔ وہ اتنی زیادہ بے قرار اور مضطرب ہو گئی کہ باہر نکل کر اور گیٹ میں کھڑے ہو کر اُس طرف دیکھنے لگی جس طرف دونوں گاڑیاں چلی گئی تھیں۔

چند منٹ بعد زینی بھی باہر آ کر اُس کے قریب آ کھڑی ہُوئی۔

"باہر کھڑی کیا کر رہی ہو!" —— زینی نے کہا —— "اندر آ جاؤ۔"

"تم کہتی ہو کہ رابی تمہارا دوست ہے" —— رِشی نے کہا —— "لیکن تم

ذرا سی بھی پریشان نہیں لگتیں کہ وہ اُن آدمیوں کے پیچھے چلا گیا ہے جو مجھے اغوا کر کے لے گئے تھے۔ وہ پکے مجرم ہیں۔ اگر عزیز اور رابی ان تک پہنچ گئے تو وہ مجرم ان دونوں کو گولی مار سکتے ہیں یا انہیں اُٹھا کر اپنے ساتھ بھی لے جا سکتے ہیں۔"

"فکر مت کرو رِشی!" —— زینی نے لاپرواہی سے کہا —— "عزیز ہر وقت اپنے ساتھ ریوالور رکھتا ہے۔ وہ بزدل نہیں اور رابی بھی دلیر آدمی ہے۔"

کچھ دیر اور انتظار کے بعد رِشی اندر آنے لگی۔ گیٹ میں داخل ہو رہی تھی کہ ایک کار کی روشنی نظر آئی۔ کار اِدھر ہی آ رہی تھی۔ رِشی پھر باہر آ گئی۔ یہ عزیز کی ہی کار تھی جو کوٹھی کے سامنے آ کر مُڑی اور اندر چلی گئی۔ رِشی دوڑ کر اُن تک پہنچی۔ عزیز اور رابی کار سے نکلے اور رِشی اور زینی کو اندر لے گئے۔

ڈرائنگ روم میں جا کر رِشی نے عزیز اور رابی کے چہرے دیکھے۔ دونوں کے چہروں پر گھونسوں کے اُبھرے ہُوئے نشان تھے جن کا رنگ نیلا ہو گیا تھا۔ رابی کا ایک ہونٹ بھی ایک طرف سے سُوجھا ہُوا اور کچھ پھٹا ہُوا تھا۔ وہاں خون جم گیا تھا۔ دونوں کے کپڑوں کے ساتھ مٹی لگی ہوئی تھی اور دونوں کے مزاج اکھڑے اکھڑے سے تھے۔ ان کی جو پٹائی ہوئی تھی اسے وہ چھپا نہیں سکتے تھے۔ دونوں اس طرح صوفوں پر بیٹھے جیسے گر پڑے ہوں۔

رِشی نے آگے بڑھ کر رابی کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اُس کے آنسو نکل آئے۔

"یہ کون تھے؟" —— رابی نے سخت غصے کی کیفیت میں گرج کر رِشی سے پوچھا —— "کیا ان میں وہ آدمی بھی تھا جس کے ساتھ تم گئی تھیں؟"

"رابی!" —— رِشی نے پیچھے ہٹتے ہوئے چلّا کر کہا —— "ہوش میں آؤ۔ کیا تم یہاں مجھے اس طرح ذلیل و رسوا کرنے کے لئے لاتے تھے؟" ——

pdfstuff.blogspot.com

رِشی نے زینی کی طرف اشارہ کر کے کہا ـــ "یہ لڑکی معلوم نہیں کون ہے۔ یہ بھی مجھ پر یہی شک کر رہی ہے کہ میں خود کسی کے ساتھ چلی گئی تھی۔"

رِشی کو معلوم نہیں تھا کہ رابی کی ذہنی حالت بہت بُری ہو رہی ہے۔ اُس نے اتنی مار کبھی نہیں کھائی تھی۔ اس کا ذمہ دار وہ رِشی کو ٹھہرا رہا تھا۔ اُس کے مُنہ میں جو آیا اُس نے کہہ ڈالا۔

رِشی کی ذہنی اور جذباتی حالت بھی قائم نہیں تھی۔ وہ بھی بھڑک اُٹھی۔ رابی آخر مرد تھا، وہ رِشی کو مارنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ عزیز تیزی سے اُٹھا اور اُس نے رابی کو پکڑ لیا۔

"یہ خود کسی کے ساتھ چلی گئی تھی" ـــ رابی نے سخت غصّے کے عالم میں کہا۔

"میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں کہاں گئی تھی" ـــ رِشی نے رابی سے زیادہ چلّاتے ہوئے کہا ـــ "میں تم پر ثابت کروں گی کہ مجھے دھوکے میں لے جایا گیا تھا۔"

عزیز رابی کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔

"زبان بند رکھو رابی!" ـــ عزیز نے کہا ـــ "یہ معلوم کرنا تمہارا کام نہیں کہ یہ کہاں گئی تھی اور کس طرح گئی تھی۔ ایسی باتیں معلوم کرنے کے لئے خاص طریقہ اور انداز ہوتا ہے جو تم نہیں جانتے" ـــ عزیز نے اپنی گھڑی دیکھی اور بولا ـــ "دو بج چکے ہیں .... کوئی بات نہیں۔ میں باس کو ابھی فون کرتا ہوں اور اس کا حکم لے لیتا ہوں۔ اس مسئلے کو معمولی نہ سمجھو۔ ابھی اسے کچھ نہ کہو۔"

عزیز نے میجر بھاٹیہ کو فون کیا۔ یہ انٹیلی جنس کے کُل پُرزے تھے جو فوج کی طرح ہر وقت چوکس رہتے تھے۔ رات سوا دو بجے میجر بھاٹیہ کے فون کی گھنٹی بجی تو اُس نے ناک بھوں چڑھاتے بغیر ریسیور اُٹھایا۔ وہ بڑی گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ اُس نے غنودگی کی کیفیت میں ہیلو کہا۔ اُدھر سے عزیز بول رہا تھا۔

"اس وقت کیا مصیبت آ پڑی ہے عزیز!" ـــ میجر بھاٹیہ نے پوچھا۔

"سر!" ـــ عزیز نے کہا ـــ "وہ آ گئی ہے .... رِشی۔"

"کس حالت میں؟" ـــ میجر بھاٹیہ نے پوچھا۔

"حالت تو اس کی نارمل لگتی ہے سر!" ـــ عزیز نے جواب دیا ـــ "میں نے اس کے چہرے پر کوئی ابنارمل تاثر نہیں دیکھا۔"

"اسے ابھی میرے آفس میں لے آؤ" ـــ میجر بھاٹیہ نے کہا ـــ "میں وہاں سنوں گا کہ وہ کس طرح آئی ہے" ـــ اُس نے فون بند کر دیا۔

عزیز ڈرائنگ روم میں گیا۔ رابی کو بتایا کہ باس نے ابھی بلایا ہے۔ وہ رابی اور رِشی کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ دونوں کو گاڑی میں بٹھایا۔ سیلف سٹارٹر کی تاریں جوڑ کر کار سٹارٹ کی۔ کار کی چابی وہ نقاب پوش لے گئے تھے جو رِشی کو ساتھ لاتے تھے۔ وہاں سے وہ سیلف کی تاریں نکال کر جوڑ کر کار لایا تھا۔

یہ تینوں جب میجر بھاٹیہ کے دفتر کی طرف جا رہے تھے اُس وقت محاذ کے آدمی رفیقی کے گھر پہنچ گئے تھے۔ عبدالقدیر، ہاشمی اور رفیقی بڑی بے تابی سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ ان کے پکڑے جانے میں کوئی کسر رہ نہیں گئی تھی۔ یہ تو محض اتفاق تھا کہ عزیز کے ساتھ اُس کا کوئی ساتھی یا دوست الگ گاڑی میں نہیں تھا اور دوسرا اتفاق یہ کہ عزیز کے پاس ریوالور یا میگزین والا پستول نہیں تھا جو وہ اپنے پاس رکھا کرتا تھا۔

خدا خدا کر کے یہ تینوں واپس آئے۔ انہوں نے عبدالقدیر، ہاشمی اور رفیقی کو سنایا کہ وہ کس طرح عزیز کی کوٹھی تک پہنچے اور کس طرح وہاں سے نکلے۔

"زندہ باد" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "تمہیں اس کا صلہ

Pdfstuff.blogspot.com

اللہ دے گا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے" ——— ہاشمی نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ گاڑی کا نمبر کسی نے نہیں دیکھا؟" ——— عبدالقدیر نے ان سے پوچھا۔

"میں نے اس کی گاڑی دیکھتے ہی اپنی گاڑی کی چاروں بتیاں آن کرا دی تھیں" ——— ان تینوں کے لیڈر نے کہا ——— "پھر گاڑی موڑ کر رکوا لی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ گاڑی کا نمبر نہیں دیکھ سکے۔"

"وہ چادر کہاں ہے جو لڑکی پر ڈال کر لے گئے تھے؟" ——— عبدالقدیر نے پوچھا۔

تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"گاڑی میں نہ ہو" ——— ایک نے کہا ——— "معلوم ہوتا ہے چادر لڑکی کے ساتھ ہی چلی گئی ہے۔"

ایک آدمی باہر کو دوڑا۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ چادر گاڑی میں نہیں ہے۔

"رفیقی!" ——— عبدالقدیر نے رفیقی سے پوچھا ——— "چادر تمہارے گھر کی تھی۔ اس پر دھوبی کا نشان ہوگا۔ کپڑے گھر تو نہیں دُھلتے تھے؟"

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا چچا جان!" ——— رفیقی نے کہا ——— "چادریں دھوبی کے پاس بھی جاتی ہیں اور کبھی گھر میں دُھلتی ہیں۔"

"اگر چادر پر دھوبی کا نشان ہے تو ہمارا سراغ مل سکتا ہے" ——— عبدالقدیر نے کہا ——— "ہاشمی صاحب پر شک تو ہے ہی۔ عزیز اور ورما موجود ہیں۔ وہ ہمارے محلے کے دھوبیوں کو یہ نشان دکھا کر معلوم کر لیں گے کہ یہ کون سے گھر کے کپڑوں کا نشان ہے۔"

"اللہ کرے یہ چادر دھوبی کے پاس کبھی نہ گئی ہو" ——— رفیقی نے کہا ——— "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ چادر کی طرف کوئی توجہ ہی نہ کرے۔ دھوبی کا نشان شاید کسی کو نظر ہی نہ آئے۔"

"یہ انٹیلی جنس کا معاملہ ہے رفیقی!" ——— عبدالقدیر نے کہا ——— "وہ اس چادر کو غور سے دیکھیں گے۔ اگر لڑکی نے ہمیں شناخت کر لیا تو ہم صاف انکار کریں گے کہ لڑکی کبھی یہاں رہی ہے لیکن دھوبی کا نشان ہمارے خلاف شک کو یقین میں بدل دے گا۔ بہرحال دُعا کرو۔ تم سب کی ٹریننگ بہت ضروری ہے۔ میدان میں لڑنا آسان ہے۔ دل مضبوط ہو تو ایک آدمی دو تین آدمیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے لیکن چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ہمارے یہ تین شیر بڑی دلیری سے وہاں سے گاڑی نکال کر لے آتے ہیں لیکن دھوبی کے نشان کی چھوٹی چھوٹی دو تین لکیریں ان کے گلے کا پھندہ بن جائیں گی۔ اللہ نہ کرے ایسا ہو۔"

عبدالقدیر اُسی وقت گاڑی لے گیا اور اپنے دوست کے گھر پہنچا۔ اُسے جگایا اور گاڑی اُس کے حوالے کر دی۔

گاڑی تو چلی گئی۔ ہاشمی اور دیگر تمام آدمی اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن آنے والے وقت کے متعلق سب مضطرب اور پریشان تھے۔ اُن کے سروں پر ایک سوالیہ نشان پھانسی کے پھندے کی طرح لٹک رہا تھا۔ فضا میں خطرے کی بُو صاف محسوس ہو رہی تھی۔ ہاشمی اپنے گھر گیا تو بیوی نے اُس سے پوچھا کہ اب کیا ہوگا تو ہاشمی اس کے سوا کوئی جواب نہ دے سکا تھا کہ دعا کرو، اللہ کوئی بہتر صورت پیدا کر دے۔

اس پُراسرار رات کے بطن سے جس صبح نے جنم لیا وہ ہر روز کی صبح جیسی تھی۔ اس کے اُجالے میں کوئی انوکھا پن نہیں تھا، کوئی ندرت اور کوئی حیرت انگیز تبدیلی نہیں تھی لیکن عبدالقدیر، ہاشمی، رفیقی اور اُن تین آدمیوں کے لئے جو گزشتہ رات رِشی کو عزیز کی کوٹھی تک لے گئے تھے، یہ صبح بدلی بدلی سی تھی۔ اس صبح کا اُجالا انہیں پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا۔

ان سب کے دلوں پر بوجھ سا تھا۔ سب وقت سے پہلے جاگ اُٹھے اور فجر کی نماز کے لئے مسجد میں چلے گئے تھے۔ نماز تو وہ ہر روز پڑھتے تھے لیکن اُس صبح وہ مکمل یکسوئی سے اس طرح نماز پڑھ رہے تھے جیسے اللہ

Pdfstuff.blogspot.com

سے ہمکلام ہوں۔ نماز کے فوراً بعد وہ ایک دوسرے سے ملنے چل پڑے تھے۔ دو ہاشمی کے گھر جا پہنچے اور تین عبدالقدیر کے ہاں چلے گئے۔ ہر کسی کے ذہن میں یہی ایک سوال تھا ——"اب کیا ہوگا؟"

صرف عبدالقدیر تھا جو انہیں تسلی دلاسہ دے سکتا تھا۔ انٹیلی جنس کے طریقۂ کار کو وہی سمجھتا تھا۔ اُس نے محسوس کر لیا کہ اُس کے ساتھی ڈرے ہوتے ہیں اور ڈر کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ سب کو اکٹھا کر کے اُن کے حوصلے بلند کرنا چاہتا تھا لیکن سب کو اکٹھا کرنے میں خطرہ تھا۔ اُس کے ہاں جو دو آدمی گئے تھے انہیں حوصلہ دیا پھر ہر ایک کے ہاں جا کر سب کی حوصلہ افزائی کی۔

"مجاہد کا جذبہ کتنا ہی مضبوط اور حوصلہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو" —— اُس نے سب سے کہا —— "وہ جب دشمن کے سامنے میدان میں آتا ہے تو اُس پر ہیجانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس میں خوف بھی شامل ہوتا ہے۔ لڑائی شروع ہوتے ہی نہ ہیجان رہتا ہے نہ خوف۔ تم اس میدان میں پہلی بار اُترے ہو اس لئے تمہاری ذہنی کیفیت یہی ہونی چاہیئے۔ اپنے مقصد اور نصب العین کو سامنے رکھو اور دیکھو کہ یہ مقصد اللہ کو کس قدر عزیز ہے۔ تم کوئی جرم نہیں کر رہے۔ مقصد کے حصول کے لئے ہم میں سے کسی کو تو خون اور جان کا نذرانہ دینا پڑے گا.... خیال رکھو کہ ہم میں سے کوئی بھی پکڑا جاتے تو چاہے اُس کی جان چلی جاتے وہ اپنے کسی ساتھی کی نشاندہی نہ کرے۔ اپنے محاذ سے غداری نہ کرنا۔ محاذ سے غداری اللہ اور رسولؐ سے غداری ہے۔ سب سے زیادہ خطرہ میرے اور ہاشمی صاحب کے لئے ہے۔ لڑکی ہم دونوں کو شناخت کرے گی۔ ہم دونوں کی عمر دیکھو۔ کیا ہم اذیتیں سہنے کے قابل ہیں؟.... نہیں.... ہم بوڑھے ہیں لیکن تم دیکھ لینا کہ ہم تم میں سے کسی کی بھی نشاندہی نہیں کریں گے۔ تم اپنا کام جاری رکھنا۔"

وہ دن گزرنے میں ہی نہیں آتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سورج ایک مقام پر آ کر رُک گیا ہو۔ ہاشمی اور عبدالقدیر ریٹائرڈ زندگی گزار رہے تھے، دوسرے اپنے اپنے کام کاج پر چلے گئے۔ ہاشمی اور عبدالقدیر کے

دروازے پر دستک ہوتی تو وہ سمجھتے کہ انٹیلی جنس کا بلاوا آیا ہے۔

آخر عبدالقدیر کے دروازے پر وہ دستک ہوتی جس کا وہ بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ وہ باہر نکلا۔ دو اجنبی کھڑے تھے۔ وہ سویلین لباس میں تھے۔ انہوں نے عبدالقدیر کو اپنے کارڈ دکھاتے۔ وہ انٹیلی جنس کے آدمی تھے۔

"مسٹر عبدالقدیر؟"

"جی ہاں!" —— عبدالقدیر نے جواب دیا —— "میں عبدالقدیر ہوں۔"

"آپ انٹیلی جنس سروس سے ریٹائر ہوتے ہیں" —— ایک نے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوتے مسکرا کر کہا —— "آپ کا ایڈریس آفس سے لیا ہے۔"

"حکم!"

"حکم نہ کہیں" —— انڈین انٹیلی جنس کے اس افسر نے کہا —— "درخواست ہے، ہمارے ساتھ چلیں۔ کپڑے بدلنے کی ضرورت نہیں۔"

"میں گھر والوں کو بتا آؤں؟"

"نہیں مسٹر عبدالقدیر!" —— افسر نے کہا —— "آپ خود انٹیلی جنس میں رہ چکے ہیں۔ دستور آپ کو معلوم ہے۔"

یہ دونوں آگے بڑھے۔ ایک عبدالقدیر کے دائیں اور دوسرا بائیں ہو گیا۔ دونوں نے اُس کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ دیئے اور اُسے اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ وہ بڑے پیار سے باتیں کرتے جا رہے تھے جیسے ایک دوست کو پکنک پر لے جا رہے ہوں۔

گلی سے نکلے تو باہر ایک فوجی ڈاج گاڑی کھڑی تھی۔ عبدالقدیر کو اس گاڑی میں داخل کر دیا گیا۔ اس میں ہاشمی پہلے سے موجود تھا۔ عبدالقدیر یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ ہاشمی کے ساتھ اُس کی بیوی بھی برقعے میں لپٹی بیٹھی تھی۔ گاڑی میں دو آدمی اور تھے جو انٹیلی جنس کے کارندے معلوم ہوتے تھے۔ عبدالقدیر کو لانے والے ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور گاڑی چل پڑی۔

Pdfstuff.blogspot.com

ہاشمی کے گھر کا پتہ عزیز نے دیا تھا اور اُس نے انٹیلی جنس کے ایک آدمی کو دُور سے یہ گھر دکھایا بھی تھا۔

راستے میں کسی نے کسی کے ساتھ کوئی بات نہ کی اور گاڑی ایسی جگہ پہنچ گئی جس سے عبدالقدیر اچھی طرح واقف تھا۔ چھوٹی سی ایک عمارت تھی جس کے اردگرد دیوار تھی۔ اس کا گیٹ لوہے کا تھا۔ باہر سے دیکھنے سے پتہ چلتا تھا کہ یہ کوئی خاص جگہ ہے۔ اس کے باہر کوئی بورڈ نہیں تھا۔

گاڑی اس گیٹ میں داخل ہو گئی۔ عبدالقدیر کو معلوم تھا کہ اندر کیا ہے۔ اس عمارت کو اندر سے وہ اس طرح جانتا تھا جس طرح وہ اپنے جسم سے واقف تھا۔ جس طرح آج وہ یہاں لایا جا رہا تھا اس طرح وہ کئی آدمیوں کو یہاں لایا تھا۔ ان میں زیادہ تر وہ آدمی تھے جن پر پاکستانی جاسوس ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔ ان میں بھارتی مسلمان بھی ہوتے تھے، پاکستانی بھی۔ عبدالقدیر نے ان کے ٹارچر میں بھی حصہ لیا تھا۔

اُس وقت عبدالقدیر کچھ اور قسم کا انسان ہُوا کرتا تھا بلکہ وہ عبدالقدیر کوئی اور تھا۔ وہ بھارتی انٹیلی جنس کا ایک اہم کل پُرزہ تھا۔ اُس کی نگاہ میں ہندو، مُسلم، سِکھ، عیسائی، ملکی اور غیر ملکی برابر تھے۔ وہ اپنا مذہب بھُول گیا تھا۔ اُس کا دین اور اُس کا دھرم اُس کا وہ فرض تھا جو انٹیلی جنس نے اُسے سونپا تھا۔

ہندو افسروں کی خوشنودی اُس کی زندگی کا مشن تھا۔ پاکستان کے نام نے اُس کے خیالوں میں کبھی ہلچل پیدا نہیں کی تھی۔ اسلام کے ساتھ اُس نے تعلق توڑ لیا تھا۔ دِلی کی جامع مسجد کے امام عبداللہ بخاری کا سُن کر اُسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی مشتبہ کا اور بھارت کے کسی دشمن کا نام لیا گیا ہو۔

وہ کبھی پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل ہُوا کرتا تھا۔ سراغرسانی اُس کی فطرتِ ثانی تھی۔ اُس کی ذہانت کو دیکھ کر اُسے سی آئی اے میں بھیج دیا گیا تھا۔ وہاں انٹیلی جنس کے کسی بڑے افسر نے اُسے دیکھا تھا۔ وہ کوئی ایسا کیس تھا جس کی تفتیش سی آئی اے بھی کر رہی تھی اور انٹیلی جنس بھی۔ عبدالقدیر نے عہدہ اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود سراغرسانی میں اتنا نمایاں رول ادا کیا تھا کہ

انٹیلی جنس کا ایک افسر اُس سے بہت متاثر ہُوا اور اُسے پولیس سے نکلوا کر انٹیلی جنس میں لے لیا تھا۔ اس محکمے میں آتے ہی اُس کی مُسلم دشمنی مشہور ہو گئی تھی۔ جہاں اُسے کسی پاکستانی ایجنٹ کی بُو مل جاتی وہ اُس کے ساتھ سانپ کی طرح لگ جاتا تھا۔

اُس کی عمر پچپن سال ہو گئی۔ کہتے ہیں اس عمر میں انسان اپنی فطرت نہیں بدل سکتا لیکن عبدالقدیر کی فطرت میں ایسا انقلاب آیا جیسے کاغذ کا ایک پُرزہ بگولے کی لپیٹ میں آ گیا ہو۔ اُس کی فطرت میں یہ بگولہ اس طرح اُٹھا کہ وہ ایک پاکستانی جاسوس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اُسے وہ فوراً پکڑ سکتا تھا لیکن وہ اُس کے پورے رِنگ (گروہ) کو پکڑنے کی کوشش میں تھا۔ اُس کے پیچھے وہ انبالہ، امرتسر اور جالندھر تک گیا اور اُس کے چار ٹھکانے دیکھ لئے۔

یہ جاسوس جن لوگوں سے ملا ان سب کے ایڈریس معلوم کر لئے، اور ایک روز عبدالقدیر اِس پاکستانی جاسوس کے ساتھ تین آدمیوں کو گاڑی میں بٹھا کر اِس عمارت کے آہنی گیٹ میں داخل ہُوا تھا جس میں آج اُسے ملزم کی حیثیت سے داخل کیا گیا تھا۔

اگلے ہی روز اِس رِنگ کے دو اور آدمی جو بھارتی مسلمان تھے، گرفتار کر کے لائے گئے۔ پاکستان کی انٹیلی جنس کا ایک پورا رِنگ نہ صرف ٹوٹ گیا بلکہ انڈین انٹیلی جنس کے قبضے میں آ گیا۔

یہ مارچ اپریل ۱۹۷۳ء کا واقعہ تھا۔ بھارت کی کوششوں سے مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن چکا تھا۔

"عبدالقدیر!" — اُس کے شعبے کے چیف نے اُسے مبارکباد اور خراجِ تحسین کے بعد کہا تھا — "تمہارا کام ختم ہو چکا ہے لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ اِس رِنگ سے مزید راز تم ہی اُگلواؤ اور ان سے اقبالِ جُرم کراؤ۔ پاکستانی ایجنٹ سے جو انفارمیشن لینی ہے اس کی بریفنگ میں تمہیں دوں گا۔ یہ کام تم ہی کر سکتے ہو۔ تمام کریڈٹ تم ہی لو۔"

عبدالقدیر کو بہت خوشی ہوئی تھی جیسے اُسے روح کی غذا مل

PdfStuff.blogspot.com

گئی ہو۔

وہ پاکستانی ایجنٹ کو ٹارچر سیل میں لے گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس تاریک کوٹھڑی میں جانور ذبح کئے جاتے ہوں۔ خون اور غلاظت کی اتنی بدبو کہ دماغ چکراتا تھا۔ عبدالقدیر نے اپنی ناک پر کپڑا باندھ لیا تھا۔

"یہاں تم مر بھی جاؤ گے تو ہمیں کوئی نہیں پوچھے گا" — عبدالقدیر نے پاکستانی سے کہا — "لیکن میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے یہ گناہ نہ کراؤ۔ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا خون گناہِ کبیرہ ہے۔"

"تم اگر واقعی مسلمان ہو تو اپنے آپ کو میرے ساتھ نہ ملاؤ" — پاکستانی نے کہا — "میں سچا مسلمان ہوں اور تم نام کے مسلمان ہو۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ میری روح بھوکی نہ رہے اور تم اس فکر میں ہو کہ تمہارا پیٹ خالی نہ رہے۔ میں اللہ اور رسول اللہ کی خوشنودی کا طلبگار ہوں اور تمہیں کافر کی خوشنودی درکار ہے۔ تم بے ضمیر ہو اور میں سرتاپا ضمیر ہوں۔ تم وہ مسلمان نہیں ہو جس کے لئے کسی مسلمان کا خون گناہِ کبیرہ ہے۔ تم میرا خون کر دو، میں تمہارا مشکور ہوں گا۔"

"بیوقوف!" — عبدالقدیر نے ہنستے ہوئے کہا — "یہاں صرف پاکستانی جاسوسوں کو لایا جاتا ہے۔ جو بھی آتا ہے وہ تمہاری طرح پہلے تقریر کرتا ہے.... یوں کرو" — عبدالقدیر نے اُس کے آگے ایک کاغذ رکھ کر کہا — "یہ پڑھ لو اور ان سوالوں کے جواب دے دو" — وہ اُٹھا اور بولا — "اچھی طرح سوچ لو۔ میں تمہیں دو گھنٹے، تین گھنٹے مہلت دوں گا۔ صحیح جواب دے دو گے تو تمہاری بہتری کے لئے تمہارے سامنے ایسی تجویز رکھوں گا کہ عش عش کر اُٹھو گے۔ خدا کی قسم، تمہیں انڈیا اور پاکستان کا شہزادہ بنا دوں گا۔"

"ہندو کا دیا کھانے والا کسی کو کیا شہزادہ بناتے گا" — پاکستانی نے کہا — "بیٹھے رہو۔ مجھے مہلت نہیں چاہیئے۔ میں ان میں سے کسی ایک بھی سوال کا جواب نہیں دوں گا .... میں تمہیں صرف ایک چیز دے سکتا ہوں۔"

"کیا؟"

"اپنی جان" — پاکستانی نے جواب دیا۔

"تمہاری جان محفوظ رہے گی" — عبدالقدیر نے کہا — "اور تم ہر سوال کا جواب دے دو گے۔ میرے پاکستانی دوست! تم سمجھ نہیں رہے کہ میں تم پر کتنی بڑی نیکی کر رہا ہوں .... یہ بھی سن لو۔ تمہارا مغربی پاکستان بھی چند دنوں کا مہمان ہے۔ اُس ملک کے لئے کام کرو جو ہمیشہ رہنے والا ہو۔ انڈیا کے لئے کام کرو۔"

پاکستانی کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔

سات آٹھ دنوں بعد اس پاکستانی کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس کی گردن اُس کے سر کا بوجھ نہیں سہار سکتی تھی۔ اُس کی ہڈیاں چیخ رہی تھیں۔ وہ خون تھوکتا تھا۔ اُس پر غنودگی طاری تھی۔ آنکھیں نہیں کھلتی تھیں۔ مُنہ سے اونچی آواز نہیں نکلتی تھی۔

"تم پاکستان کے جاسوس ہو" — اُسے ہر روز بارہا کہا جاتا تھا۔

"ہاں!" — وہ ہر بار یہی جواب دیتا — "میں پاکستان کا جاسوس ہوں۔"

"اب ان سوالوں کے جواب دو۔"

"نہیں!" — وہ ہر بار کہتا — "کسی اور سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ کسی کے خلاف بیان نہیں دوں گا۔"

ہر بار اُس پر ایذا رسانی کا کوئی نیا طریقہ آزمایا جاتا۔

"سر!" — ایک روز عبدالقدیر نے اپنے چیف سے کہا — "یہ پتھر نہیں فولاد ہے۔ پتھر ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ نہیں ٹوٹتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو جو انفارمیشن چاہیئے وہ اس کے سینے میں ہے۔ اس کے سینے میں ذرا سی جان رہ گئی ہے لیکن وہ راز نہیں دے رہا۔"

"دے گا" — چیف نے کہا — "اسے کچھ کھاؤ پلاؤ۔ ایک دو دن آرام دو، پھر اس سے پوچھو۔"

PdfStuff.blogspot.com

عبدالقدیر اپنے کمرے میں بیٹھ گیا۔ اُس نے میز کا دراز کھولا۔ اس میں چاندی کا ایک تعویذ پڑا تھا۔ اس چوکور تعویذ کے ساتھ ایلاسٹک تھا۔ یہ عبدالقدیر نے اس پاکستانی کے بازو سے اُتارا تھا۔ یہ اُس نے زبردستی اُتارا تھا۔ پاکستانی کہتا تھا کہ یہ اُس کے ساتھ قبر میں جائے گا۔ عبدالقدیر نے یہ اُس کے بازو سے اُتار کر اپنے دراز میں رکھ لیا تھا۔

چیف سے بات کر کے وہ اپنے کمرے میں آیا اور تعویذ نکالا۔ چاندی کے خول کو دیکھا۔ اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کھُدا ہُوا تھا۔ عبدالقدیر نے پہلے نہیں سوچا تھا۔ اُسے اب خیال آیا کہ اس میں کوڈ (خفیہ) الفاظ میں کوئی پیغام نہ ہو۔ اُس نے چاقو کی نوک سے خول کھولا۔ اس میں سے ایک کاغذ نکلا۔ اس پر لکھا تھا — لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ —

کاغذ کے دوسری طرف لکھا تھا — کیونکر خس و خاشاک سے دب جاتے مسلمان!

عبدالقدیر یوں چونک پڑا جیسے اُس کے کمرے میں بڑا ہی زوردار دھماکہ ہُوا ہو جس نے اُسے ہوا میں اچھال کر زمین پر پٹخ دیا ہو۔ اُسے اس پاکستانی جاسوس کی کچھ باتیں یاد آنے لگیں۔ یہ کوئی لمبی چوڑی باتیں نہیں تھیں۔ صرف یہ کہ اُسے ٹارچر سے آدھ مُوا کر کے عبدالقدیر کہتا تھا کہ وہ ان سوالوں کے جواب دے دے۔ تو وہ غنودگی یا نیم غشی کی حالت میں کہتا تھا — "مَیں نے اپنے اللہ کے پاس لَوٹ کر جانا ہے" — کبھی کہتا — "مسلمان ہو تو اللہ سے پوچھو" — یہ الفاظ تو وہ بار بار کہتا تھا — "تم ہندو کی اولاد ہو۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے حضرت بلالؓ نے اسلام قبول کیا تو کفارِ مکہ انہیں کس طرح اذیتیں دیتے تھے؟" — پاکستانی نے ایک روز پہلے عبدالقدیر سے کہا اور اس کا جواب سنے بغیر کہا تھا — "حضرت بلالؓ ہوش میں آتے تو اُن کے مُنہ سے احد کے کلمے نکلتے تھے .... میں بھی رسولؐ کے انہی عاشقوں میں سے ہوں۔ میرے مُنہ سے تم یہی

کچھ سُنو گے۔"

عبدالقدیر چاندی کے خول سے نکالے ہوئے کاغذ کے پُرزے کو دیکھ رہا تھا اور پاکستانی جاسوس کی باتیں اُس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ وہ اپنے خون میں حرارت سی محسوس کر رہا تھا جو بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیونکر خس و خاشاک سے دب جاتے مسلمان!"

اُسے اپنی آواز سنائی دی۔ اُس نے کاغذ کے پُرزے کو اور زیادہ غور سے دیکھا۔

"لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔"

اُس کے جسم نے جھرجھری لی۔ اُسے سات آٹھ روز پہلے کی بات یاد آئی۔ وہ شام کو گھر گیا تو بیوی نے اُسے بتایا کہ صبیحہ کو ایک ہندو لڑکا روزانہ تنگ کرتا ہے۔ صبیحہ عبدالقدیر کی بڑی بیٹی تھی۔ وہ بی اے کے آخری سال میں تھی۔ کالج سے چھٹی کے وقت ایک ہندو لڑکا اس کے پیچھے لگ جاتا اور محبت کا اظہار کرتا تھا۔

دوسرے دن عبدالقدیر بیٹی کے کالج چلا گیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اُس کی بیٹی دوسری لڑکیوں کے ساتھ باہر آئی تو وہ لڑکا اُس کے ساتھ چل پڑا۔ عبدالقدیر نے اُسے پکڑ لیا۔

"کیوں؟" — اِس ہندو لڑکے نے بڑی دلیری سے عبدالقدیر سے کہا — "کیا کیا ہے مَیں نے؟ اِس سے پوچھو۔ مَیں اسے چھیڑتا تو نہیں۔ میں کوئی فضول بکواس نہیں کرتا۔ مَیں تو اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تم نہیں جانتے کہ یہ مسلمان ہے اور تم ہندو ہو؟" — عبدالقدیر نے پوچھا۔

"تو کیا ہُوا؟" — ہندو لڑکے نے جواب دیا — "یہاں کتنی ہندوؤں نے مسلمان لڑکیوں کے شادیاں کی ہیں۔ اگر آپ اس کے باپ ہیں تو میری بات مان لیں۔ مَیں بڑے امیر باپ کا بیٹا ہوں" — اُس

Pdfstuff.blogspot.com

نے اپنے باپ کا نام اور پتہ بتا کر کہا ـــــ "اگر آپ کی بیٹی نے میرے ساتھ شادی کر لی تو ہماری حکومت کی طرف سے آپ کو بہت فائدہ ملے گا۔"

عبدالقدیر ایک ہندو لڑکے کی اِس دلیری کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اُس نے غصہ دباتے ہوئے اِس لڑکے سے کہا کہ وہ اس کی بیٹی کا پیچھا چھوڑ دے۔

"تم مسلمانوں کا دماغ پھر گیا ہے" ـــــ ہندو لڑکے نے کہا ـــــ "ہمارے مُلک میں رہ کر تم اپنے مذہب کی پابندی کرتے ہو۔ تم پاکستان کیوں نہیں چلے جاتے؟"

"ہندو کی اولاد!" ـــــ عبدالقدیر نے اُس کے کان میں کہا ـــــ "میں کل تمہیں یہاں نہ دیکھوں۔"

وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر گھر آ گیا۔

دوسرے دن لڑکی نے بتایا کہ لڑکا پھر اُس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اپنے باپ کو سمجھا لو ورنہ وہ بہت خراب ہو گا۔

اس سے اگلے روز عبدالقدیر نے اپنے چیف کو بتایا کہ اِس طرح ایک لڑکا اُس کی بیٹی کو تنگ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔

"یہ تو بہت اچھا ہے" ـــــ چیف نے کہا۔ چیف بھی ہندو تھا ـــــ "اگر آپ اپنی بیٹی اس ہندو لڑکے کو دے دیں تو آپ کو فوری ترقی مل سکتی ہے۔ حکومت ایسی شادیوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ آپ کے خیالات تو پہلے ہی عام مسلمانوں سے مختلف ہیں۔"

"لیکن میں اپنی بیٹی کسی ہندو کو نہیں دے سکتا" ـــــ عبدالقدیر نے کہا۔

"کیوں؟" ـــــ چیف نے کہا ـــــ "ہندو اچھوت ہوتے ہیں؟ میں حیران ہوں کہ مسلمان ہندو کی برتری کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ تم تو اچھے خاصے فرمانبردار آدمی ہو۔ اپنا بھلا بُرا سوچ لو۔"

عبدالقدیر نے دو تین غنڈوں کے ساتھ بات کی۔ یہ اُس کے اپنے آدمی تھے۔ انہوں نے کالج جا کر اس ہندو لڑکے سے اُس کی بیٹی کو نجات دلائی اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ بی اے کا امتحان ختم ہوتے اپنی بیٹی کی شادی کر دے گا۔

یہ سات آٹھ روز پہلے کا واقعہ تھا۔ اُس کے دل پر، ذہن اور خیالات پر اس کا بہت بُرا اثر تھا۔ پاکستانی جاسوس کے تعویذ نے اس اثر کو اور زیادہ گہرا کر دیا اور اُس کے سینے میں سویا ہُوا مسلمان بیدار ہو گیا۔ اُسے خیال آیا کہ یہ پاکستانی اللہ کا پیارا بندہ ہے اور وہ خود اللہ کے دھتکارے ہوتے بندوں میں سے ہے۔

پاکستانی جاسوس اُس کے ذہن پر غالب آ گیا۔

اُس کے چیف نے کہا تھا کہ اُسے کھلاؤ پلاؤ اور ایک دو دن آرام دے کر اُس سے پوچھو۔ عبدالقدیر نے کاغذ کا پُرزہ چاندی کے خول میں ڈالا اور خول بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔ وہ اُٹھا اور ٹارچر سیل میں چلا گیا۔ پاکستانی جاسوس سویا ہُوا یا بیہوش پڑا تھا۔ وہ تولاش بن چکا تھا۔ اس کی ناک اور مُنہ سے خون نکلا اور وہیں جم گیا تھا۔ وہ پیٹھ کے بل پڑا تھا۔

عبدالقدیر کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا اور اُس کے ذہن میں طوفان اُٹھتا رہا۔ اُسے اس پاکستانی کی آواز سنائی دی ـــــ "مسلمان ہو تو اللہ سے پوچھو.... تم ہندو کی اولاد ہو.... لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" ـــــ یہ آواز اس کمرے کی ہیبت ناک اور متعفن فضا میں لرزتی ہوتی گونج کی طرح سنائی دے رہی تھی۔

عبدالقدیر کے ذہن میں ایسے خیال آنے لگے جو پہلے کبھی نہیں آتے تھے۔ کسی بھی مشتبہ اور ملزم کے لئے اُس نے ایسے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اُسے خیال آیا کہ یہ پاکستانی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ زندہ رہا بھی تو بہت بُری اذیت میں زندہ رہے گا۔ ایک ہی روز پہلے اس کا ڈاکٹری معائنہ

PdfStuff.blogspot.com

کرایا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اس کا جگر مجروح معلوم ہوتا ہے۔ ٹارچر سیل کی چکی میں پسنے والے ملزموں کا ڈاکٹری معائنہ اس لئے نہیں کرایا جاتا تھا کہ ان کا علاج کیا جائے بلکہ یہ معلوم کرنا مقصود ہوتا تھا کہ یہ کتنا اور ٹارچر برداشت کرنے کے قابل ہے اور کیا یہ مطلوبہ راز اُگلنے سے پہلے ہی تو نہیں مر جائے گا؟

پاکستانی جاسوس کی ڈاکٹری رپورٹ مخدوش اور تشویشناک تھی عبدالقدیر کا چیف کہتا تھا کہ اسے آرام اور خوراک دے کر مزید ایذا رسانی میں ڈالو۔ عبدالقدیر دیکھ چکا تھا کہ یہ شخص کچھ نہیں بتائے گا۔ اس نے ہتھیار ڈالنے ہوتے تو ایک دو روز بعد ہی ڈال دیتا۔ اس کی نجات کا کوئی راستہ، کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اسے نہ جانے کب تک نہ زندہ رہنا تھا نہ مُردہ۔ انٹیلی جنس کے اس جہنم سے نکل کر اس نے بھارت کی کسی جیل میں باقی عمر گزارنی تھی جہاں پاکستانی قیدیوں کو مسلسل اذیت اور ذلت میں رکھا جاتا تھا۔

"میں اسے نجات دلاؤں گا" ——— عبدالقدیر نے اپنے آپ سے کہا۔

اُس نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک کونے میں پھٹا پرانا، مَیلا کچیلا تولیہ پڑا تھا۔ عبدالقدیر نے دروازے کی سلاخوں سے جھانکا۔ سنتری پرے چلا گیا تھا۔ وہاں سنتری کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ رسمی طور پر برآمدے میں ملٹری پولیس کا ایک سنتری گھومتا پھرتا رہتا تھا۔

عبدالقدیر نے تولیہ اُٹھایا۔ اسے تہہ در تہہ کر کے پیڈ سا بنایا اور یہ پیڈ پاکستانی جاسوس کے مُنہ پر رکھ دیا۔ اُس کا مُنہ اور ناک پیڈ کے نیچے آ گئے۔ عبدالقدیر نے پیڈ پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا۔ پاکستانی نہ مُنہ کے راستے سانس لے سکتا تھا نہ ناک کے راستے۔ وہ بیہوش پڑا تھا۔ عبدالقدیر نے اور زیادہ دباؤ ڈالا۔ دم گھٹنے سے پاکستانی کا جسم تڑپا اور ذرا سی دیر تڑپ کر بے جان ہو گیا۔

عبدالقدیر نے اُس کی نبض دیکھی۔ نبض خاموش ہو چکی تھی عبدالقدیر

نے سکون اور اطمینان کی آہ بھری۔ اُس نے پاکستانی کے لئے بہت بڑی نیکی کی تھی کہ اسے اس جہنم سے نجات دلا دی تھی۔ اس کے سوا نجات کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ اُس نے تولیہ پرے پھینک دیا اور جیب سے تعویذ نکال کر اسے دیکھا پھر اسے چُوما، آنکھوں سے لگایا اور پاکستانی کا بازو اُٹھا کر اس کا دھاگہ بازو میں آگے کہنی سے اُوپر تک کر دیا اور آستین اُوپر کر دی۔

اس لاش کا کون سا پوسٹ مارٹم ہونا تھا کہ پتہ چل جاتا کہ اس ملزم کو قتل کیا گیا ہے۔ اس کال کوٹھڑی میں آئے دن قتل ہوتے تھے۔

عبدالقدیر اپنے چیف کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ پاکستانی ملزم مر گیا ہے۔

"اوہ بیوقوف!" ——— چیف نے کہا ——— "تم نے ایک ذریعہ ضائع کر دیا ہے۔"

"یہ اکیلا ہی تو نہیں تھا سر!" ——— عبدالقدیر نے کہا ——— "اس کے ساتھی موجود ہیں۔ صرف ایک ذریعہ ضائع ہوا ہے۔"

"لاش ہسپتال کو دے دو" ——— چیف نے کہا۔

ایسی لاشیں سرکاری ہسپتال کو بھیج دی جاتی تھیں جہاں انہیں لاوارث قرار دے کر میڈیکل کالجوں کو دے دیا جاتا تھا۔

"سر!" ——— عبدالقدیر نے کہا ——— "ایک عرض ہے۔"

"ہاں ہاں!" ——— چیف نے کہا۔

"میں اس لاش کو باقاعدہ دفن کرنا چاہتا ہوں" ——— عبدالقدیر نے کہا۔

"کیا لگتا تھا یہ تمہارا؟" ——— چیف نے پوچھا۔

"معلوم نہیں سر!" ——— عبدالقدیر نے مغموم سے لہجے میں کہا ——— "یہ مسلمان تھا۔ میں نے آپ کی، آپ کے ملک کی اور انٹیلی جنس کی بہت خدمت کی ہے سر! میں نے اپنے مذہب کا کبھی خیال نہیں کیا تھا۔"

"کیا یہ ملک تمہارا نہیں؟" ——— چیف نے پوچھا اور جواب سُنے بغیر

pdfstuff.blogspot.com

کہنے لگا ـــ "تم اپنے ملک کے دشمن کا باقاعدہ جنازہ بھی پڑھو گے؟ ....
تمہیں کیا ہو گیا ہے عبدالقدیر؟ تم ایسے جذباتی تو نہیں ہوا کرتے تھے۔"

"میں بوڑھا ہو گیا ہوں سر!" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "شاید میری یہ جذباتی حالت بڑھاپے کی وجہ سے ہو گئی ہے۔ سر! پولیس کی سروس ملا کر تیس سال سروس ہو گئی ہے۔ دن رات بھاگتا دوڑتا رہا ہوں۔ اب مجھے ریٹائر ہو جانا چاہیئے۔"

عبدالقدیر جانتا تھا کہ اُسے اِس پاکستانی جاسوس کی لاش نہیں ملے گی اور اگر وہ لاش کے لئے ضد کرے گا تو اُسے پاکستان کا جاسوس سمجھ لیا جائے گا۔ اُس نے سوچا کہ وہ دو بیٹیوں اور تین بیٹوں کا باپ ہے۔ ان کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ پنشن نہیں ملے گی بلکہ پنشن کی بجائے سزا ملے گی۔ اُس نے جب اپنے/اور اپنی اولاد کے مستقبل کے متعلق سوچا تو اُس نے محسوس کیا کہ ہندو اُس کا ہمدرد اور بہی خواہ نہیں ہو سکتا چاہے اُس نے ساری عمر ہندوؤں کی خدمت میں گزار دی ہو۔ اُس کا دل تو ایک ہفتہ پہلے ہی اُکھڑ گیا تھا جب اُس کے چیف نے اُسے کہا تھا کہ اپنی بیٹی اُس ہندو نوجوان کو دے دو جو اُس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

"سر!" ـــ عبدالقدیر نے اپنے چیف کو خوش کرنے کے لئے ہنس کر کہا ـــ "میں معافی چاہتا ہوں۔ معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔ مجھے غلط نہ سمجھنا سر! میری اِس درخواست پر ضرور غور کرنا کہ مجھے ریٹائر ہو جانا چاہیئے۔ میرے اعصاب بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے کوئی کام بگڑ جائے۔ یہ محکمہ بہت نازک ہے سر!"

عبدالقدیر ذہانت اور فہم و فراست کے لحاظ سے بہت ہوشیار اور گہرا آدمی تھا۔ اُس نے باتوں میں اپنے چیف کو جو کٹر برہمن تھا، رام کر لیا اور اپنے خلاف کوئی شک پیدا نہ ہونے دیا، لیکن اُس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مزید سروس نہیں کرے گا اور ریٹائر ہو جائے گا۔ ایک مہینے بعد اُسے پنشن پر بھیج دیا گیا۔ دو مرتبہ اُسے سروس میں ایک ایک سال

کی توسیع دی گئی تھی۔

یہ چار ساڑھے چار سال پہلے کا واقعہ ہے۔ عبدالقدیر نے جب چیف کو بتایا تھا کہ پاکستانی جاسوس مر گیا ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُسے باقاعدہ دفن کرنا چاہتا ہے تو چیف کا ردِ عمل دیکھ کر اُس نے پاکستانی کی لاش حاصل کرنے کا خیال ذہن سے نکال دیا تھا۔ اُس نے صرف یہ کیا تھا کہ ٹارچر سیل میں جا کر لاش کے بازو سے تعویذ اُتار لیا تھا اور اسے بڑے احترام سے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس تعویذ نے اُس کے خیالات کو اس راستے پر ڈال دیا تھا جس پر وہ اب نہ صرف خود چلا جا رہا تھا بلکہ پورے ایک گروہ کو اپنی رہنمائی میں اس راستے پر لے جا رہا تھا۔ اس کا دین و ایمان بھارت کے مسلمانوں اور پاکستان کا اتحاد اور وقار تھا۔

چار ساڑھے چار سال بعد وہ خود اس عمارت میں ملزم کی حیثیت سے لایا گیا تھا اور پاکستانی جاسوس کا تعویذ اُس کے بازو کے ساتھ بندھا ہوا تھا جس کے خول پر لکھا تھا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کے اندر کاغذ کے ایک پُرزے پر ایک طرف کلمہ طیبہ اور دوسری طرف لکھا تھا ـــ کیونکہ خس و خاشاک سے دب جاتے مسلمان!

عبدالقدیر، ہاشمی اور اُس کی بیوی کو گاڑی سے اتار کر ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ میجر بھاٹیہ کا دفتر تھا۔ وہ خود دفتر میں موجود تھا۔ ان تینوں کو دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور پُرتپاک طریقے سے اُن کا استقبال کیا اور انہیں احترام سے بٹھایا۔ صرف عبدالقدیر کو معلوم تھا کہ ایسے پُرتپاک استقبال اور احترام کے پیچھے کتنی بڑی خباثت اور انٹیلی جنس کی نیت کام کر رہی ہے۔

"آپ شاید انٹیلی جنس میں رہ چکے ہیں" ـــ میجر بھاٹیہ نے عبدالقدیر سے کہا ـــ "ہم تو آپ کے بچے ہیں۔ آج بھی کسی نہ کسی کیس میں آپ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ ہم تو آپ کو اپنا اُستاد مانتے ہیں۔"

Pakistanipoint.com

"لیکن ماتی ڈیئر!" — عبدالقدیر نے کہا — "آج تو میری اُستادی جواب دے گئی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے انٹیلی میں سروس نہیں کی بلکہ تیس سال جھک ماری ہے یا بھاڑ جھونکتا رہا ہوں۔"

"کیوں جناب!"

"دو آدمی گئے" — عبدالقدیر نے کہا — "مجھے اپنے کارڈ دکھاتے اور ملزموں کی طرح پکڑ کر یہاں لے آتے۔ اب اپنے خلاف الزام سُننے کو بے تاب ہوں۔"

"میرا خیال ہے ہمارے چیف کو آپ سے کچھ زیادہ ہی محبت ہے" — بھاٹیہ نے ایسے منافقانہ لہجے میں کہا جسے عبدالقدیر بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا۔

میجر بھاٹیہ ہنستا مُسکراتا اُٹھا اور باہر نکل گیا۔ دس پندرہ منٹ بعد وہ دو آدمی کمرے میں داخل ہُوئے جو عبدالقدیر، ہاشمی اور اس کی بیوی کو یہاں لاتے تھے۔ اُن کے ساتھ رِشی تھی۔ وہ دروازے کے قریب ہی رُک گئے۔

"کیا آپ صاحبان ذرا اُس دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جائیں گے؟" — ان میں سے ایک آدمی نے انہیں کہا — "مَیں گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔"

عبدالقدیر، ہاشمی اور اس کی بیوی کُرسیوں سے اُٹھ کر دیوار کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں میجر بھاٹیہ بھی کمرے میں آگیا اور انٹیلی جنس کے ان دو افسروں کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"مسز رب نواز!" — انٹیلی جنس کے ایک افسر نے رِشی سے کہا — "ان تین چہروں کو تم پہچانتی ہو گی!.... اچھی طرح دیکھ کر بتاؤ کہ انہیں تم نے کہاں دیکھا تھا۔"

رِشی نے اِن تینوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔

عبدالقدیر، ہاشمی اور اس کی بیوی کی یہ کیفیت تھی جیسے اُن پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ اندر سے وہ کانپ رہے تھے۔ عبدالقدیر بھی جسے تیس سال

کا تجربہ تھا، یوں محسوس کرنے لگا جیسے اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہو۔ اُس نے آنکھیں رِشی کی آنکھوں میں ڈال دیں اور کلمہ طیبہ کا وِرد دل ہی دل میں شروع کر دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وقت اس لمحے پر آکر رُک گیا ہو، زمین نے اپنی گردش اور سورج نے اپنا سفر روک لیا ہو۔ عبدالقدیر کو ٹارچر سیل نظر آنے لگا، لیکن اُس نے دل ہی دل میں کلمہ طیبہ کا وِرد جاری رکھا۔

رِشی ان تینوں کو باری باری سَر سے پاؤں تک اور پاؤں سے سَر تک دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے کے تاثر میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی تھی۔

بمشکل آدھا منٹ گزرا تھا، لیکن لگتا تھا آدھا گھنٹہ گزر گیا ہے۔ اس کمرے میں کوئی بھی کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ لگتا تھا سب پتھر کے بُت بن گئے ہیں۔ آخر رِشی نے اپنے سر کو جنبش دی۔ اُس نے انٹیلی جنس کے ایک افسر کی طرف دیکھا۔

"یہ کون لوگ ہیں؟" — رِشی نے پوچھا — "آپ کہتے ہیں کہ مَیں ان چہروں کو پہچانتی ہوں، لیکن میں انہیں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔"

"اچھی طرح دیکھ لو مسز رب نواز!" — میجر بھاٹیہ نے کہا۔

"کیا دیکھ لوں!" — رِشی نے جھنجھلا کر کہا — "آپ کیوں میرا تماشا بنا رہے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے آپ مجھے اپنے کسی مقصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ خدا کے لئے مجھے پاکستان واپس بھیج دیں۔ مَیں آپ کے کسی کام نہیں آسکتی۔"

رِشی کو جس طرح اس کمرے میں لایا گیا تھا اسی طرح باہر لے گئے۔ میجر بھاٹیہ بھی اُن کے پیچھے نکل گیا۔ نکلتے نکلتے اُس نے عبدالقدیر وغیرہ سے کہا کہ کرسیوں پر بیٹھ جائیں۔ اُس کے جانے کے بعد عبدالقدیر نے اپنی ایک آستین اُوپر کر کے پاکستانی جاسوس کے تعویذ کو چوما، پھر دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُوپر دیکھا اور بولا — "یا اللہ! تیرا شکر کس طرح ادا کروں!"

ہاشمی اور اُس کی بیوی کے چہروں پر رنگت لوٹ آئی۔

"گستاخی معاف!" — پندرہ بیس منٹ بعد میجر بھاٹیہ کمرے

PdfStuff.blogspot.com

میں یہ کہتے ہوئے داخل ہُوا ــــ "مَیں آپ سے معافی مانگنے کے سوا اور کوئی بات نہیں کروں گا۔ اب فرمائیے، چائے چلے گی یا پانی؟"

"کچھ بھی نہ چلے مائی ڈیئر!" ــــ عبدالقدیر نے کہا ــــ "اجازت ہو تو ہم ہی چل پڑیں۔"

"ہاں ہاں" ــــ میجر بھاٹیہ نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا ــــ "آپ فارغ ہیں۔ چلئے گاڑی باہر کھڑی ہے۔"

میجر بھاٹیہ تینوں کو باہر لے گیا۔ جس ڈاج پر وہ آئے تھے، وہ باہر کھڑی تھی۔ میجر بھاٹیہ نے ڈرائیور سے کہا کہ ان تینوں کو وہیں چھوڑ آئے جہاں سے لایا تھا۔ اُس نے بڑے تپاک سے عبدالقدیر اور ہاشمی سے ہاتھ ملایا اور ہاشمی کی بیوی کے آگے جُھک کر الوداع کہا۔

ان کے جانے کے بعد میجر بھاٹیہ عزیز کو چیف کے دفتر میں لے گیا۔ یہ عبدالقدیر والا چیف نہیں تھا بلکہ انڈین انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر ایک ہندو میجر جنرل تھا۔ عزیز پہلے سے وہاں موجود تھا، لیکن اُس نے اپنے آپ کو عبدالقدیر وغیرہ سے چھُپا کر رکھا ہُوا تھا۔ ان تینوں کی نشاندہی عزیز نے ہی کی تھی، لیکن رِشی نے ان تینوں کی شناخت سے انکار کر دیا تھا۔

"اب بتاؤ عزیز!" ــــ چیف نے عزیز سے پوچھا ــــ "معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں عبدالقدیر اور ہاشمی کے خلاف کوئی ذاتی دشمنی ہے۔ لڑکی نے اپنے بیان میں ان تینوں کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ اُس نے تو یہ بیان دیا تھا کہ اُسے اُسی کی سوسائٹی کے لڑکوں جیسے لڑکے دھوکے سے لے گئے تھے اور اُسے دو تین کوٹھیوں میں رکھا تھا، لیکن تم نے زور دے کر کہا کہ لڑکی غلط بیان دے رہی ہے اور یہ ہاشمی کے گھر رہی ہے۔"

"تم نے مجھے ان تینوں کے سامنے ذلیل کر دیا ہے" ــــ میجر بھاٹیہ نے کہا۔

"تمہیں ہی نہیں" ــــ میجر جنرل نے کہا ــــ "سارے محکمے کو ذلیل کر دیا ہے۔"

"مَیں ابھی ہارا نہیں سَر!" ــــ عزیز نے کہا ــــ "میری بہن نے ایک لڑکی کو ہاشمی کے گھر میں دیکھا تھا۔ میں اپنی یہ کارگزاری آپ کو سُنا چکا ہوں۔ میں اپنی بہن کو کل بلکہ آج ہی یہاں لاؤں گا اور لڑکی کو اُس کے سامنے کھڑا کر کے آپ کی موجودگی میں پوچھوں گا کہ اُس نے اِس لڑکی کو ہاشمی کے گھر دیکھا تھا یا وہ کوئی اور تھی۔"

"یہ بھی کر کے دیکھ لینا" ــــ بھاٹیہ نے کہا ــــ "مَیں خود چاہتا ہوں کہ شک پوری طرح رفع کر لیا جائے، لیکن لڑکی پہلے جو بیان دے چکی ہے، وہ پُرانی دِلّی کے کسی بھی محلّے کی طرف نہیں جاتا۔"

عزیز میں یہی ایک خوبی تھی کہ وہ انتہا درجے کا ڈھیٹ اور ضدی تھا۔ انٹیلی جنس میں اُس کی کامیابی کی وجہ ہی یہی تھی... لڑکی ہاشمی کے گھر رہی تھی، لیکن اس کی کوئی شہادت عزیز کے ہاتھ میں نہیں تھی نہ کوئی ثبوت تھا۔ شہادت ایک ہی رہ گئی تھی۔ یہ اُس کی بہن تھی۔

"مسٹر عزیز!" ــــ چیف نے کہا ــــ "معلوم ہوتا ہے تمہارا دماغ پہلے جیسا کام نہیں کر رہا۔ تمہارے بیان کو مَیں نے غور سے سُنا ہے۔ لڑکی کو واپس لانے والی گاڑی تمہارے سامنے کھڑی تھی۔ لڑکی نے اس گاڑی کی طرف اشارہ کر کے تمہیں کہا کہ وہ اس گاڑی میں لائی گئی ہے۔ تم سے اتنا بھی نہ ہُوا کہ سب سے پہلے اُس گاڑی کا نمبر، میک اور ماڈل دیکھتے۔ انگریزی فلموں کی طرح تم نے اپنی گاڑی اُس گاڑی کے پیچھے دوڑا دی۔ نمبر پھر بھی نہ دیکھا اور مار کھا کر آ گئے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، عبدالقدیر اور فریدالدین ہاشمی اس ٹائپ کے لوگ نہیں کہ وہ یوں تم پر حملہ کرتے جس طرح تم سناتے ہو۔ یہ کوئی پیشہ ور غنڈے تھے یا یہ آج کل کے بگڑے ہوئے نوجوان تھے۔ یہ سب کچھ سوچ کر لڑکی کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔"

"ایک منٹ کے لئے اجازت چاہتا ہوں سَر!" ــــ عزیز نے اُٹھ کر کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

دو تین منٹ بعد وہ واپس آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک سفید چادر تھی۔ اُس

Pakistanipoint.com

نے چادر کا ایک کونہ چیف کی میز پر اُس کے سامنے رکھا۔ اُس کونے پر دھوبی کا نشان تھا۔

"یہ دیکھیں سر!" — عزیز نے اُنگلی دھوبی کے نشان پر رکھ کر کہا —— "یہ دھوبی کا نشان ہے۔ آپ حکم دیں کہ عبدالقدیر اور ہاشمی وغیرہ جس علاقے میں رہتے ہیں وہاں کے دھوبیوں کو یہ نشان دکھا کر پوچھا جائے کہ یہ کس کے گھر کا نشان ہے۔"

چیف نے آگے ہو کر اور میجر بھاٹیہ نے جُھک کر دھوبی مارک کو دیکھا۔

"یہ ایک سراغ ہے" — چیف نے کہا —— "بھاٹیہ! یہ نشان معلوم کرنے کا انتظام کرو.... ہاں عزیز! یہ سراغ سامنے لانے پر میں تمہاری تعریف کرتا ہوں۔ ایک دن میں ملزم سامنے آجائیں گے۔"

عبدالقدیر، ہاشمی اور اُس کی بیوی کو فوجی گاڑی وہیں گلی کے باہر اُتار گئی جہاں سے لے گئی تھی۔ عبدالقدیر، ہاشمی کے گھر چلا گیا۔ واپس آتے ہوئے اُنہوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ اپنے گھر آ کر بیٹھ گئے تو بھی ان پر خاموشی طاری تھی۔

"عبدالقدیر صاحب!" —— آخر ہاشمی نے سکوت توڑا —— "یقین نہیں آتا۔ یہ کوئی دھوکہ ہی تو نہیں؟ آپ کو انٹیلی جنس کا تجربہ ہے۔"

"میں تو اسے معجزہ کہوں گا" —— عبدالقدیر نے کہا —— "بیشک ہم نے لڑکی کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جس کی اسے توقع تھی۔ ہم نے اُس کی عزت کا پورا خیال رکھا تھا لیکن ہم نے اُسے اغوا کیا تھا، اُسے قید میں رکھا تھا۔ اُس کا ردِعمل یہی ہونا چاہیئے تھا کہ ہمیں پکڑوا دیتی۔ یہ اُس کلاس کی لڑکی ہے جس کے لئے وطن اور مذہب کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ لوگ عزت اور آبرو کو کچھ نہیں سمجھتے۔ اُن کے ہاں شخصی وقار کا تصور کچھ اور ہوتا ہے.... ہاشمی صاحب! یہ اللہ کا خاص کرم ہے.... میرا خیال ہے کہ یہ کوئی جال نہیں۔ ہم جیسے مشتبہوں کو دھوکے دیئے جاتے ہیں۔ انہیں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ان کے خلاف شُبہ صاف ہو گیا ہے لیکن مخبروں کو اُن کے ساتھ ساتھ کی طرح لگا دیا جاتا ہے۔"

"بھاتی جان!" —— ہاشمی کی بیوی نے عبدالقدیر سے کہا —— "اس لڑکی نے میرے ساتھ جو باتیں کی تھیں وہ یاد کرتی ہوں تو خیال آتا ہے کہ اس کی فطرت میں انقلاب آگیا تھا اور وہ ہمیں پہچاننے سے انکار کر دے گی۔"

"میرے ساتھ بھی اُس نے ایسی ہی باتیں کی تھیں" —— ہاشمی نے کہا —— "لیکن آج جب انٹیلی جنس کا بلاوا آیا تو میں نے اپنے آپ کو

PdfStuff.blogspot.com

ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا کہ ہم پکڑے گئے ہیں اور باقی عمر جیل میں گلتے سڑتے رہیں گے۔"

"مجھے صرف بھابی کا غم تھا" — عبدالقدیر نے کہا۔

"وہ ہمارے پاس رہنا چاہتی تھی" — ہاشمی کی بیوی نے کہا — "کہتی تھی پاکستان نہیں جاؤں گی۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ اسے ایک بار پھر اغوا کر کے لے آئیں۔"

"نہیں بھائی!" — عبدالقدیر نے کہا — "یہ جذباتی باتیں ہیں۔ معاملہ بڑا ہی سنگین ہے۔ ہمیں ابھی کچھ عرصہ بہت ہی محتاط ہونا پڑے گا۔"

"ہمارے دوست پریشان ہوں گے" — ہاشمی نے کہا — "آج شام انہیں یہاں بلا کر بتا دیا جائے گا کہ کیا ہوا ہے۔"

"نہیں ہاشمی صاحب!" — عبدالقدیر نے کہا — "یہ نہ سمجھیں کہ انٹیلی جنس نے ہم سے توجہ ہٹالی ہوگی۔ مجھے ابھی ایک اور خطرہ نظر آرہا ہے۔ ہوسکتا ہے اور شاید ایسا ہی ہو کہ لڑکی کو ڈرا دھمکا کر اُس سے کہلوا لیں کہ وہ ہمارے پاس ہی رہی ہے۔ یہ تو عین ممکن ہے کہ ہمیں چھوڑ کر ایک دو مخبر ہم پر نظر رکھنے کے لئے مقرر کر دیئے گئے ہوں۔ اگر ہم یہاں اکٹھے ہوتے تو ہمارے خلاف شک پیدا ہوسکتا ہے۔ دوستوں کو بتانے کا انتظام میں یہ کروں گا کہ فرداً فرداً سب کو بتا دوں گا.... معلوم نہیں لڑکی نے کیا بیان دیا ہوگا۔"

"اُس نے کچھ تو بتایا ہوگا" — ہاشمی نے کہا — "ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔"

"یہ تو جو ہُوا سو ہُوا" — ہاشمی کی بیوی نے کہا — "اور جو ہوگا وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔ اب یہ سوچیں کہ ہم نے اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لیا تھا اور اب ہمیں اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیئے۔"

"میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں" — عبدالقدیر نے کہا — "ہم یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ہندوستان کی انٹیلی جنس پاکستان سے

ایسے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو جو یورپی اور امریکی بے حیائی کو اپنا کلچر بنا بیٹھے ہیں، ورغلا کر اور سبز باغ دکھا کر یہاں لے آتی ہے۔ اتفاق سے انڈین انٹیلی جنس کا ایک ایجنٹ ہمارے سامنے آگیا جسے ہم بڑی اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے۔ یہ عزیز ہے۔"

"یہ تو پتہ چل گیا ہے" — ہاشمی نے کہا — "اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ انڈین انٹیلی جنس کا یہ کام عزیز بھی کرتا ہے اور اس لڑکی اور اس کے خاوند کو وہ اسی مقصد کے لئے یہاں لایا تھا۔ اب ہمیں یہ یقین ہوگیا ہے کہ یہ لڑکی نہیں جانتی کہ اُس کا خاوند انٹیلی جنس کا ایجنٹ بن چکا ہے۔ ہم یہی معلوم کرنا چاہتے تھے اور ہمارا شک یقین میں بدل چکا ہے۔ اب بتائیے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔"

"میں بتاتا ہوں" — عبدالقدیر نے مسکراتے ہوئے کہا — "یہ تو میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں۔ یہاں یعنی انڈیا میں ہم اس رنگ کو نہیں توڑ سکتے۔ یہ پاکستان میں توڑا جائے گا۔ میں نے لڑکی سے اُس کے ماں باپ اور اُس کے خاوند کے باپ کے متعلق پوری تفصیلات اسی لئے لی تھیں کہ مجھے اصل کارروائی پاکستان میں کرنی تھی۔ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ پاکستان کی انٹیلی جنس کا ایک آدمی جو یہاں مقیم ہے میری نظر میں ہے۔ وہ مجھے جانتا ہے اور میں اُسے جانتا ہوں۔"

"میرے ساتھ آپ نے اُس کا تعارف کبھی نہیں کرایا" — ہاشمی نے کہا۔

"اور کراؤں گا بھی نہیں" — عبدالقدیر نے کہا — "ہوسکتا ہے آپ اُسے ملے بھی ہوں لیکن میں اپنی زبان سے کبھی نہیں کہوں گا کہ یہ ہے وہ آدمی۔"

"نہیں نہیں!" — ہاشمی نے کہا — "میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں۔ مجھے نہ بتائیں۔ کبھی نادانستہ طور پر بات مُنہ سے نکل جاتی ہے۔"

"ہاشمی صاحب!" — عبدالقدیر نے ذرا آگے ہو کر رازداری

PdfStuff.blogspot.com

کے لہجے میں کہا ـــ "ہمارا محاذ پھیلتا جا رہا ہے اور اس میں مجاہدین کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس خطرے کو ہر وقت ذہن میں رکھیں کہ انڈین انٹیلی جنس کا کوئی مخبر بھی مجاہد کے بہروپ میں ہمارے محاذ میں شامل ہو سکتا ہے۔"

"میں تو اور زیادہ شکی مزاج ہوں" ـــ ہاشمی نے کہا ـــ "جوں جوں محاذ کی نفری بڑھتی جا رہی ہے مجھے یہ خدشہ نظر آنے لگا ہے کہ انہی میں سے کوئی غدار نہ نکل آئے۔ آپ جانتے ہیں کہ جہاں ولولہ اور شجاعت تاریخِ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے وہاں غداری اور ایمان فروشی بھی ہماری تاریخ کا ایک لازمی حصہ ہے۔"

"ہمیں محتاط ہونا پڑے گا" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ خطرے قبول کرنے پڑیں گے ... میں آپ کو بتا رہا تھا کہ ایک پاکستانی ایجنٹ کے ساتھ میرا رابطہ ہے۔ میں اُسے اس لڑکی کا اور اس کے سُسر کا پاکستان کا ایڈریس دوں گا اور اُسے بتاؤں گا کہ اس لڑکی کا خاوند رب نواز جو اپنی سوسائٹی میں رابی کہلاتا ہے، انڈین انٹیلی جنس کا کل پُرزہ بن چکا ہے اور پاکستان کا یہ نوجوان پاکستان کے لئے اس لئے خطرناک ہے کہ اس کا باپ وہاں کی ڈیفینس سروسز میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے اور انتہائی قیمتی اور خطرناک راز اس کی فائلوں میں موجود ہوں گے۔"

ان کے درمیان پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ وہ فضا میں ایک خطرے کی بُو سونگھ رہے تھے۔ اُن کے دلوں سے گھبراہٹ کم ہو گئی تھی لیکن ختم نہیں ہوئی تھی۔ تینوں کے ذہنوں میں یہی ایک سوال کلبلا رہا تھا کہ رِشی نے انٹیلی جنس کے افسروں کو کیا بتایا ہو گا کہ وہ کہاں چلی گئی تھی۔

رِشی نے انڈین انٹیلی جنس کے میجر بھاٹیہ کو پھر میجر جنرل کو جو بیان دیا تھا وہ انڈین انٹیلی جنس کو بڑی حد تک قابلِ قبول تھا۔

"اُس روز عزیز اور رابی مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر چلے گئے تھے" ـــ

رِشی نے بیان میں کہا تھا ـــ "شام کے وقت ایک نوجوان جو زبان سے اینگلو انڈین معلوم ہوتا تھا، میرے کمرے میں آیا۔ مجھے اس طرح شک ہوتا ہے کہ اسے میں نے اُن دو کلبوں میں سے ایک میں دیکھا تھا جن میں مجھے اور رابی کو لے جایا گیا تھا۔ اگر وہ میرے سامنے آئے تو میں اُسے پہچان سکتی ہوں ....

"اُس نے مجھے کہا کہ عزیز اور رابی مجھے بلا رہے ہیں۔ وہ ایک انگریزی پکچر دیکھیں گے۔ اس اینگلو انڈین نے مجھے کہا تھا کہ وہ ہمیں پکچر دکھا رہا ہے۔ میں اُس کے ساتھ چل پڑی۔"

"تم نے کمرہ لاک کر کے چابی کاؤنٹر پر نہیں دی تھی؟" ـــ میجر بھاٹیہ نے اُس سے پوچھا۔

"خیال ہی نہیں رہا تھا" ـــ رِشی نے جواب دیا ـــ "یہ پہلا موقع تھا کہ میں اتنے بڑے ہوٹل میں ٹھہری تھی۔ مجھے اس ہوٹل کا دستور معلوم نہ تھا .... میں کمرہ لاک کئے بغیر اس اینگلو انڈین نوجوان کے ساتھ چل پڑی۔ وہ مجھے ہوٹل کے گیٹ سے باہر لے گیا۔ کچھ دُور ایک کار کھڑی تھی۔ اس کے سٹیئرنگ پر اسی کی عمر کا ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور ہیلو بھی کہا۔ مجھے پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا۔ مجھے ہوٹل سے لانے والا میرے ساتھ بیٹھ گیا اور گاڑی چل پڑی۔"

"تمہیں ہوٹل سے لانے والا تمہارے ساتھ باتیں کرتا رہا تھا؟" ـــ میجر بھاٹیہ نے پوچھا ـــ "اگر کرتا رہا تھا تو اُس کا موڈ کیسا تھا؟"

"اُس کا موڈ سنجیدہ نہیں تھا" ـــ رِشی نے جواب دیا ـــ "وہ بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا جیسے میرا دوست ہو۔ میں بھی اُس کے ساتھ بے تکلف رہی۔ اُس نے ذرا سا بھی شک نہ ہونے دیا کہ مجھے اغوا کیا جا رہا ہے۔ گاڑی چل پڑی۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ دونوں مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد گاڑی ایک ایسی سڑک پر چلی گئی جہاں روشنی بھی کم تھی۔ گاڑی ایک موڑ مڑ کر رُک گئی۔ فٹ پاتھ پر دو آدمی کھڑے تھے۔ دونوں گاڑی کی طرف آئے۔ ایک میرے ساتھ پچھلی سیٹ پر اور دوسرا

Pdfstuff.blogspot.com

اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔"

"اُنہوں نے کچھ کہا تھا؟"

"نہیں!" — رِشی نے جواب دیا — "وہ خاموشی سے بیٹھ گئے تھے اور خاموش ہی رہے تھے۔ گاڑی چل پڑی اور پھر اچانک میرے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں نے مجھے جکڑ لیا پھر ایک نے ایک کپڑا میری آنکھوں پر رکھ کر میرے سر کے پیچھے باندھ دیا۔ میرا دوپٹہ میرے سر پر ڈال دیا گیا۔ وہ جو مجھے ہوٹل سے لایا تھا اُس نے مجھے کہا کہ مُنہ سے آواز نہ نکالنا ورنہ ماری جاؤ گی۔ ہم تمہیں ہمیشہ کے لئے اغوا نہیں کر رہے۔ دو تین دن تمہیں ساتھ رکھیں گے۔ تم ہماری کمپنی کو انجوائے کرو گی۔ ہم تمہیں یہیں چھوڑ جائیں گے۔ میں نے انہیں کہا کہ جس طرح تم مجھے لے جا رہے ہو اس طرح میں خاک انجوائے کروں گی؟ کیا تم مجھے میرے خاوند کے ساتھ انوائیٹ نہیں کر سکتے تھے؟ ....

"اُس نے کہا کہ خاوند ساتھ ہو تو سارا مزہ بگڑ جاتا ہے۔ پھر بھی گھبراؤ نہیں۔ تم واپس آ رہی ہو۔ ہم تمہاری ہی سوسائٹی کے لڑکے ہیں۔ فرق صرف انڈین اور پاکستانی کا ہے۔ ہم نے سُنا ہے کہ اس سوسائٹی کی پاکستانی لڑکیاں بہت سوِیٹ اور فری ہوتی ہیں .... یہ کہہ کر اُس نے ایک بازو میرے گلے میں ڈال دیا اور میرا سر اپنے کندھے پر رکھ کر اپنا ایک گال میرے سر پر رکھ دیا۔ دوسرے نے میرا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ میں انہیں روک نہ سکی۔ میں ان کے قبضے میں تھی۔ گاڑی بڑی تیز رفتار سے جا رہی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ میں ان کی مہمان ہوں اور کیا وہ مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک کیا کرتے ہیں؟ میرے دوسرے پہلو میں بیٹھے ہوئے نوجوان نے انڈیا اور پاکستان کو گالی دے کر کہا کہ ہمارا کوئی ملک نہیں۔ ہر وہ ملک ہمارا ہے جس میں عیش و عشرت اور پیار و محبت کی آزادی ہے۔ تم نہ پاکستانی ہو نہ انڈین ہو۔"

"بولنے کے انداز اور لہجے سے وہ چاروں اینگلو انڈین لگتے تھے؟"

"دو تو یقیناً اینگلو انڈین تھے" — رِشی نے جواب دیا — "دوسرے دو صرف انڈین لگتے تھے۔ معلوم نہیں مسلمان تھے یا ہندو۔ وہ ہمارے لہجے میں انگریزی بولتے تھے۔"

رِشی نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے جھوٹ بولا۔ اُس نے باقی جو بیان دیا تھا وہ کچھ اس طرح تھا کہ یہ نوجوان ٹولہ اُسے سیڑھیاں چڑھا کر اُوپر ایک جگہ لے گیا۔ اُس کی آنکھوں سے پٹی ہٹائی گئی تو اُس نے دیکھا کہ کسی کوٹھی کا ایک کمرہ ہے۔ وہاں یہ چاروں نوجوان موجود تھے۔ انہوں نے اُسے یقین دلایا کہ وہ اُن کی مہمان ہے اور سوائے عیش موج کرنے کے اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ رِشی نے کہا کہ اتنے دن اُسے اسی کمرے میں رکھا گیا۔

"تم اتنے دن اُن کے ساتھ رہیں" — اُس سے پوچھا گیا — "اور اسی کمرے میں رہیں۔ کیا تم نے کھڑکیوں میں سے باہر دیکھنے کی کبھی کوشش کی تھی؟"

"کی تھی" — اُس نے جواب دیا — "یہ فلیٹ کا کمرہ تھا اور شاید یہ تیسری منزل تھی۔"

اُس نے ویسے ہی کچھ بتا دیا کہ کھڑکی میں سے اُسے کیا نظر آیا۔ اُس نے کہا کہ اُسے کچھ فلیٹ اور باقی سب کوٹھیاں دکھائی دیں۔ اُس سے کچھ نشانیاں پوچھی گئیں لیکن وہ دِلّی کی نشانیوں کو نہیں سمجھتی تھی۔ اُس نے کہا کہ وہ انڈیا پہلی بار آئی ہے۔

اُس نے خود اعتمادی سے جھوٹ بولا۔ کہا کہ ان لڑکوں میں سے دو نے صرف ایک ایک بار اُس پر مجرمانہ حملہ کیا لیکن اسے وہ زبردستی نہیں کہہ سکتی کیونکہ وہ اُسے شراب پلاتے تھے۔ وہ نشے میں لڑکوں کے کیسٹ پلیئر پر انگریزی گانوں پر ناچتی تھی اور نشے میں ہی سب کچھ ہوتا تھا۔

واپسی کے متعلق اُس نے یہ کہانی گھڑ کر سنائی کہ جو اینگلو انڈین

PakistaniPoint.com

نوجوان اُسے ہوٹل کے کمرے سے دھوکے میں لے گیا تھا، اُس نے اُس کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت نہیں کی تھی۔ کچھ روز بعد وہ دن کے وقت اکیلا اُس کے پاس آیا اور جذباتی انداز میں والہانہ محبت کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ وہ اُس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے رِشی کی منت سماجت کی کہ وہ اُس کی محبت کو قبول کر لے۔ اس اینگلو انڈین نے کہا کہ اُس نے اُسے تفریحِ طبع کے لئے اغوا کیا تھا لیکن وہ اُس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔

"مَیں ان سے آزاد ہونا چاہتی تھی" — رِشی نے بیان دیتے ہوئے کہا — "اس کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں نے اس نوجوان سے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں گی۔ اُسی رات اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ یہ لڑکی میری ہے اور اب کوئی اسے بُری نظر سے نہ دیکھے۔ اُس کے دوستوں نے اُس کی بات نہ مانی۔ اس پر ان کا آپس میں زبانی جھگڑا ہوا پھر رات کو ان کی آپس میں ہاتھا پائی ہوئی۔ نوبت خون خرابے تک پہنچ گئی تھی۔ اینگلو انڈین یہ دھمکی دے کر چلا گیا کہ وہ ریوالور لے کر آتا ہے....

"اُس کے جانے کے بعد باقی تین لڑکوں نے میری موجودگی میں آپس میں صلاح مشورہ کیا اور اس فیصلے پر پہنچے کہ مجھے واپس چھوڑ آئیں ورنہ وہ دوست ایک دوسرے کا خون بہا دیں گے۔ انہوں نے اُسی وقت مجھے کمرے سے نکالا اور میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر کمرے سے لے گئے۔ دو لڑکوں نے مجھے سہارا دے کر سیڑھیوں سے اُتارا پھر گاڑی میں بٹھایا۔"

"وہ تمہیں عزیز کے گھر کیوں لے گئے تھے؟" — میجر بھاٹیہ نے رِشی سے پوچھا — "کیا اُنہوں نے تمہارے سامنے کوئی بات کی تھی؟"

"یہ بات گاڑی میں ہوئی تھی" — رِشی نے جواب دیا — "وہ مجھے ہوٹل میں لے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہوٹل کے علاقے میں پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔ اسے عزیز کے گھر چھوڑ آتے ہیں۔ اس

کا خاوند ہوٹل سے عزیز کے گھر شفٹ ہو گیا ہے۔ ایک نے پوچھا تم کیسے جانتے ہو؟ اُس لڑکے نے جواب دیا کہ میں اس کے خاوند رابی کی دعوت پر جو عزیز نے دی تھی وہاں جا چکا ہوں۔ عزیز تو اپنا یار ہے۔ گریٹ آدمی ہے۔"

میجر بھاٹیہ اور انٹیلی جنس کے چیف ہندو میجر جنرل نے رِشی پر اس طرح جرح کی تھی جس طرح عدالت میں وکیل کیا کرتے ہیں اور پوچھ گچھ اس طرح کی تھی جس طرح جاسوسی کے مشتبہ سے کی جاتی ہے لیکن رِشی اپنے بیان پر قائم رہی۔ اُس نے شک نہ ہونے دیا کہ اُس نے سارا بیان جھوٹا دیا ہے۔

جس وقت عبدالقدیر، ہاشمی کے گھر بیٹھا ہُوا تھا اور وہ، ہاشمی اور اُس کی بیوی آنے والے خطروں کے متعلق باتیں کر رہے تھے، اُس وقت میجر بھاٹیہ، ایک کرنل اور ایک سکھ میجر انٹیلی جنس کے چیف میجر جنرل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس مسئلے پر غور کر رہے تھے کہ رِشی کا کیا کیا جائے۔ چیف اور بھاٹیہ نے کرنل اور سکھ میجر کو تفصیلاً بتایا تھا کہ رِشی اپنے خاوند کے ساتھ کیوں یہاں آئی تھی۔ رِشی کے اغوا کی تفصیل بھی انہیں سنائی گئی اور اُس کا بیان بھی سنایا گیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ رِشی کو معلوم نہیں کہ اُس کا خاوند ہماری انٹیلی جنس میں نہ صرف شامل ہو چکا ہے بلکہ اُس نے دِلی طور پر اس کام کو قبول کیا ہے۔

"ہمیں یہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا" — میجر جنرل نے کہا — "کہ اس لڑکی کا اغوا پاکستان کی کاؤنٹر انٹیلی جنس کی کارروائی ہے۔ اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ پاکستان کی انٹیلی جنس جو ساری دنیا میں آئی ایس آئی کے نام سے مشہور ہو گئی ہے، انڈیا میں موجود ہے۔ اس کے ایجنٹ پاکستانی بھی ہیں اور انڈین مسلمان بھی۔ پاکستانی اور انڈین مسلمان کے درمیان فرق معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

pdfstuff.blogspot.com

"سر! اتنا مشکل بھی نہیں" — ہندو کرنل نے کہا — "اگر ہمارے انڈین مسلم انہیں پناہ نہ دیں...."

"کرنل اوجھا!" — میجر جنرل نے کہا — "تم نے کتنی کمزور بات کہی ہے۔ یہی تو اصل مسئلہ ہے کہ انڈین مسلم پاکستانی ایجنٹوں کو پناہ میں لے لیتے ہیں اور انہیں اپنے رشتہ دار ظاہر کرتے ہیں۔ مسجدوں اور مدرسوں میں انہیں مولوی بنا دیتے ہیں۔ بعض کو دکانیں کھول دیتے ہیں۔ انہیں داماد تک بنا لیتے ہیں۔ اسی لئے تو ہماری حکومت انڈیا اور پاکستان کے درمیان اسلام کا رشتہ توڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مسلمانوں کو انعام اور مراعات کے ذریعے اُکسایا جا رہا ہے کہ وہ ہندو لڑکیوں کے ساتھ شادی کریں۔ یہ تو تم سب جانتے ہو کہ مسلمانوں کو کیسے کیسے زمین دوز طریقوں سے اسلام سے دُور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایسی ہندو لڑکیاں سامنے آگئی ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ شادیاں کر رہی ہیں۔"

"سر!" — سکھ میجر نے کہا — "ضرورت یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمانوں کے درمیان نفرت پیدا کی جائے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ ہماری 'را' یہ کام کر رہی ہے لیکن اس کام کو اور تیز کرنا چاہیئے۔"

"میجر سجن سنگھ!" — چیف نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا — "یہ کام پاکستان کی حکومت خود ہی کر رہی ہے۔ وہاں حکومت ایوب کی ہو، بھٹو یا ضیاء کی ہو، وہ اپنی حکومت کو مضبوط اور اپنے دورِ حکومت کو لمبا کرنے میں مگن ہو جاتے ہیں۔ کھاتے پیتے اور عیش موج کرتے ہیں۔ پیسوں، اناج اور اسلحہ کے لئے امریکہ کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ امریکہ نے پاکستان کو خرید لیا ہے۔ انڈیا میں مسلمان ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔ پاکستان کی کسی حکومت کو آج تک جرأت نہیں ہوتی کہ ہماری حکومت سے احتجاج کرے۔ پاکستان کے اس رویّے سے انڈیا کے مسلمانوں کے دلوں سے پاکستانیوں کی محبت نکلتی جا رہی ہے۔ 'را'

اس مہم کو تیزی سے سر کر رہی ہے۔ یہ تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم بھی اس سلسلے میں بہت کچھ کر رہے ہیں۔ علی گڑھ میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جو فساد شروع کیا تھا اور جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتا تھا، وہ ہم نے ہی یعنی انٹیلی جنس نے شروع کرایا تھا۔ وہاں مسلمانوں نے اسلحہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا اور وہاں پاکستانی کچھ زیادہ ہی تعداد میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ اُن کے پاس باقاعدہ پاسپورٹ اور ویزے تھے لیکن انہیں وہاں سے نکالنا ضروری تھا۔ مسلمانوں کے گھروں سے اسلحہ بھی نکالنا تھا اور مسلمانوں کے اس تعلیمی اور ثقافتی مرکز علی گڑھ کی اہمیت کو بھی ختم کرنا تھا۔ حکومت نے یہ کام ہمارے سپرد کیا اور ہم نے یہ کام کر دیا۔"

"سر!" — کرنل اوجھا نے چیف سے کہا — "آپ ہمیں ایک لڑکی کے متعلق بریفنگ دے رہے تھے۔"

"ہاں!" — چیف نے کہا — "میں کہہ رہا تھا کہ اس لڑکی کا اغوا آئی ایس آئی کی کارروائی ہو سکتی تھی لیکن لڑکی کے بیان اور ہماری تفتیش سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اسے پاکستانی جاسوسوں نے اغوا نہیں کیا تھا۔ ہم اگر مزید غور کریں تو خیال آتا ہے کہ پاکستانی ایجنٹوں نے اسے اغوا کر کے اس سے کیا حاصل کیا؟ وہ اس لڑکی کے خاوند کو اغوا کرتے.... پیشتر اس کے کہ میں اپنی رائے دوں، میں تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں.... کرنل اوجھا!"

"میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں سر!" — کرنل اوجھا نے کہا۔

"مجھ سے صرف اس لئے اتفاق نہ کرو کہ میں میجر جنرل اور تمہارے محکمے کا چیف ہوں" — میجر جنرل نے کرنل کی بات سُنے بغیر کہا — "آزادانہ رائے دو۔"

"لڑکی کو ان آوارہ اور مغرب زدہ لڑکوں نے ہی اغوا کیا تھا" — کرنل اوجھا نے کہا — "میں نے انہیں آوارہ کہا ہے لیکن یہ لوگ اس آوارگی کو کلچر کہتے ہیں۔ یہ پاپ سوسائٹی ہے جو ترقی یافتہ ملکوں سے شروع ہوئی اور ساری دنیا میں پھیل گئی ہے۔ ہم جیسے تیسری دنیا کے

Pdfstuff.blogspot.com

ملکوں نے اس کا زیادہ اثر قبول کیا ہے۔ یہ امیر کبیر خاندانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی سوسائٹی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کے نوجوانوں نے شاید کوئی اخلاقی حد مقرر کی ہو گی لیکن ہم لوگ انتہا پسند ہیں۔ ہمارے نوجوانوں نے باقاعدہ غنڈہ گردی شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ذہنوں پر جنس، سیکس سوار ہے۔ ان میں ہم جنسی کا رجحان بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ایسے کیس تو ہوتے ہی رہتے ہیں کہ دو تین لڑکے کسی لڑکی کو اٹھا کر لے گئے اور رات اپنے پاس رکھ کر صبح اُسے چھوڑ دیا .... سر! یہ میرا مشاہدہ ہے کہ ایک رات کے لئے اغوا ہونے والی لڑکی اگر اسی سوسائٹی کی ہے تو وہ اس سے لُطف اُٹھاتی ہے، شکایت نہیں کرتی۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس لڑکی کا ردِ عمل کیا ہے۔ اگر میں اس کا ری ایکشن دیکھ لوں تو ہی بتا سکتا ہوں کہ اسے واقعی اس کے اپنے جیسے نوجوانوں نے اغوا کیا تھا۔"

"گُڈ!" — چیف نے داد دیتے ہوئے کہا — "لڑکی بہت خوش نہیں لیکن پریشان اور خفا بھی نہیں۔"

"میں کہہ سکتا ہوں کہ اس نے انجوائے کیا ہے" — میجر بھاٹیہ نے کہا — "اس نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور انڈیا میں اگر وہ ذلیل ہوتی ہے، یا یہ کہ پولیس ان لڑکوں کو گرفتار کرے .... ہم اس لڑکی اور اس کے خاوند کو ان نوجوانوں کے دو کلبوں میں لے گئے تھے۔ یہ اس کے خاوند کی برین واشنگ کے سلسلے میں ایک اقدام تھا۔ ہمارا ایک ایجنٹ عزیز ان کلبوں اور چند ایک ڈسکو ٹائپ نوجوانوں کا دوست ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جن پاکستانی نوجوانوں کو انڈیا میں ہم اپنے مقصد کے لئے لاتے ہیں انہیں ان کلبوں میں لے جایا جاتا ہے۔ وہاں جو کچھ ہوتا ہے یہ ان نوجوانوں کی روحانی غذا ہے۔ ہمارے اینگلو انڈین لڑکوں کو یہ لڑکی اچھی لگی تو اسے اپنے ساتھ لے گئے۔"

"یہ تو اس لڑکی کا اپنا بیان ہے" — میجر جنرل نے کہا — "اُس شام لڑکی ہوٹل میں اکیلی تھی۔ عزیز اس کے خاوند کو کہیں لے گیا ہو گا۔ اتفاق

سے یہ لڑکے ہوٹل میں چلے گئے ہوں گے اور لڑکی ان کے ساتھ اپنی شام منانے نکل گئی ہو گی۔ لڑکوں نے یہ دیکھ کر کہ لڑکی ان کے ساتھ خوش ہے تو اسے اتنے دن اپنے پاس رکھا۔"

"سر!" — سکھ میجر نے کہا — "اگر یہ پاکستانی ایجنٹوں کے ہاتھ نہیں چڑھ گئی تھی تو اسے چلتا کریں۔ اس کے خاوند کو توجہ میں رکھیں .... اُس کا ردِ عمل کیا ہے؟"

"وہ اس لڑکی پر شک کرتا ہے کہ یہ خود گئی تھی" — چیف نے کہا — "یہ اس مسئلے کا دوسرا پہلو ہے جو میں تمہیں بتانا چاہتا ہے۔ چونکہ تم اسی شعبے سے تعلق رکھتے ہو اس لئے تمہارا اس پہلو سے باخبر ہونا ضروری ہے .... لڑکی کا خود ان لڑکوں کے ساتھ چلے جانا یا اغوا ہونا ہمارے کام آ رہا ہے۔ ہم نے اس کے خاوند کو جو رابی کہلاتا ہے اور پورا نام رب نواز ہے، اپنی ایک لڑکی کے ساتھ اٹیچ کر دیا ہے۔ یہ لڑکی ہندو ہے، لیکن اس کا تعارف زینت آفتاب کے نام سے کرایا گیا ہے اور اس کا نِک نام زینی رکھا ہے۔ یہ ایک نوجوان بیوہ ہے۔ اسے ہم نے دو سال پہلے ایک آشرم سے لیا اور اسے ٹریننگ دی تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ رابی اس لڑکی کے جال میں آ جائے اور اس کے ساتھ شادی کر لے۔ ہم اس لڑکی کو پاکستان میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ میجر بھاٹیہ بتاتا ہے کہ رابی زینی کے جال میں آ گیا ہے" — چیف نے میجر بھاٹیہ کی طرف دیکھا اور چُپ ہو گیا۔

"ہمارے ایجنٹ عزیز نے یہ رپورٹ دی ہے" — میجر بھاٹیہ نے کہا — "کہ رابی نے اپنی بیوی کا یہ بیان تسلیم نہیں کیا کہ اُسے اغوا کیا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ خود گئی تھی۔ وہ دراصل اپنی بیوی کے حق میں کوئی بات سُننا ہی نہیں چاہتا کیونکہ اُس پر زینی کا جادو چل گیا ہے۔ عزیز نے بتایا ہے کہ زینی رِشی کے پاؤں اُکھاڑ رہی ہے اور رابی کے دل میں رِشی کے خلاف زہر بھر رہی ہے۔ وہ کامیاب جا رہی ہے۔"

PdfStuff.blogspot.com

"کیا اِن کی شادی یہاں کرائی جائے گی؟" — کرنل ادجھا نے پوچھا۔

"نہیں!" — چیف نے جواب دیا — "یہ ایک ڈرامہ کھیلا جائے گا .... میرا خیال ہے کہ اِس میٹنگ کو ہم وائنڈ اَپ کریں۔ رابی اور اُس کی بیوی رِشی کو ہم واپس پاکستان بھیج رہے ہیں۔ رابی کی برین واشنگ ہو چکی ہے۔ یہ سونے کے انڈے دینے والی مُرغی ہے۔"

"سر!" — کرنل ادجھا نے پوچھا — "مَیں نے تو سُنا تھا کہ عزیز اور اُس کے ساتھی ورما نے بڑی پکی رپورٹ دی تھی کہ لڑکی کو یہاں کے...."

"مسلمانوں نے اغوا کیا تھا" — میجر جنرل نے اُس کی بات پوری کرتے ہُوئے کہا — "اور اسے پُرانی دِلّی کے ایک محلّے میں رکھا تھا .... لڑکی کے بیان نے اس کی تردید کر دی ہے۔ ہمارے لئے لڑکی کا بیان زیادہ قابلِ قبول ہے۔ تم نے آج دیکھا ہے کہ عزیز اور ورما کی نشاندہی پر دو آدمیوں اور ایک عورت کو یہاں بلایا گیا تھا اور لڑکی کو اِن کے سامنے کیا گیا تھا لیکن لڑکی نے ان کی شناخت نہیں کی۔ عزیز کے پاس ایک چادر ہے جو لڑکی پر ڈال کر اغوا کرنے والے اُسے واپس لاتے تھے۔ چادر پر دھوبی کا نشان ہے۔ میجر بھاٹیہ پولیس سے معلوم کرائے گا کہ یہ نشان اُس محلے کے دھوبی کا ہے یا نہیں جس کی نشاندہی عزیز کرتا ہے۔"

عزیز کی تو یہ بہت بڑی شکست تھی۔ اُس کا ساتھی ورما بھی پریشان تھا۔ اُس کی جو پٹائی عبدالقدیر، ہاشمی اور ان کے دوستوں نے کی تھی، وہ اس کا بھی انتقام لینا چاہتا تھا۔

عزیز نے میجر بھاٹیہ سے کہا تھا کہ وہ اپنی بہن کو ساتھ لائے گا اور رِشی کو اُس کے سامنے کر کے پوچھے گا، کیا وہ لڑکی یہی نہیں تھی جسے اُس نے ہاشمی کے گھر دیکھا تھا؟ میجر بھاٹیہ نے اُسے کہا تھا کہ وہ بہن کو ضرور لائے اور رِشی کی شناخت کرائے۔

رات نو بجے کے کچھ بعد عزیز کی گاڑی اپنی بہن کے گھر کے سامنے رُکی۔ اُس نے گاڑی سے نکل کر دروازے پر دستک دی۔ اس کے بہنوئی جمیل نے دروازہ کھولا۔ عزیز بازو پھیلا کر اُس کے ساتھ لپٹ گیا جیسے اُن کی ملاقات بڑے لمبے عرصے کے بعد ہوئی ہو۔ جمیل نے اپنے بازو نیچے ہی رکھے۔ وہ عزیز کا والہانہ استقبال کرنے کے مُوڈ میں نہیں تھا۔ جمیل نے اُسے اتنا بھی نہ کہا کہ اندر چلو۔

"آپا ہیں نا!" — عزیز نے کہا اور جمیل کو دروازے میں ہی کھڑا چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

عزیز کی بہن زبیدہ نے شاید عزیز کی آواز سن لی تھی۔ وہ بچّوں کے کمرے سے نکل کر دیوان خانے کے دروازے تک آ گئی۔ عزیز کو دیکھ کر اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اُس کی سانسیں تیز ہو گئیں۔

"میری آپا!" — عزیز بازو پھیلا کر نعرہ سا لگاتے ہوئے اُس کی طرف بڑھا۔

زبیدہ کا ردِّعمل اپنے خاوند جمیل سے زیادہ سرد تھا، لیکن عزیز کے ڈھیٹ پن کی انتہا یہ تھی کہ بہن کی سرد مہری بھانپنے کے باوجود بھی اُس نے بہن کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ بہن کے کہے بغیر وہ دیوان خانے میں چلا گیا جہاں بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ عزیز نے خود ہی سوئچ آن کئے اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ جمیل اور زبیدہ بھی اندر آ گئے، لیکن وہ بیٹھے نہیں۔

"کیا لینے آئے ہو یہاں؟" — زبیدہ نے عزیز سے پوچھا تو دھیمی آواز میں لیکن اس آواز میں قہر و غضب بھرا ہُوا تھا۔

"آپا!" — عزیز نے بڑے شگفتہ لہجے میں کہا — "وہ جس لڑکی کو تم نے ہاشمی کے گھر میں ...."

"مَیں کسی لڑکی اور کسی ہاشمی کو نہیں جانتی" — زبیدہ نے کھڑے کھڑے کہا۔

جمیل بازو اپنے سینے پر لپیٹے ٹیڑھی آنکھوں سے عزیز کو دیکھ

Pdfstuff.blogspot.com

رہا تھا۔

"آپا!" — عزیز نے حیرت زدگی کے لہجے میں پوچھا — "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ .... مَیں اُس لڑکی کی بات کر رہا ہُوں۔"

"دیکھ عزیز!" — زبیدہ نے ذرا تحمّل سے کہا — "چلا جا یہاں سے۔ بہت ہو چکی۔"

"کیا ہو چکی آپا؟" — عزیز نے بدستور شگفتہ لہجے میں کہا۔ پھر ہنس کر بولا — "معلوم ہوتا ہے جمیل بھائی جان نے تمہارے دماغ میں کوئی اُلٹی بات ڈال دی ہے۔"

جمیل اُسے پہلے کی طرح ٹیڑھی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"میرا دماغ خود ہی جاگ اُٹھا ہے" — زبیدہ نے غصّے پر قابو پاتے ہوئے کہا — "میرے بے غیرت بھائی! تُو نے مجھے کچھ اور بتایا اور راز یہ کھُلا کہ تُو ہندوؤں کا جاسوس ہے۔"

"اوہ میری کم فہم آپا!" — عزیز نے اپنے ماتھے پہ ہاتھ مار کر عام سے لہجے میں کہا — "کیسا بے ہُودہ خیال کسی نے تمہارے ذہن میں ٹھونس دیا ہے۔"

"اپنی بڑی بہن کو تھانے چڑھا کر بھی تجھے شرم نہ آئی" — زبیدہ نے دانت پیستے ہوئے کہا — "تُو اپنی بڑی بہن کو بھی ہندوؤں کی جاسوسی میں استعمال کرنے پر اُتر آیا۔ تُو نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ بہن خاندان کی واحد فرد ہے جس کے دل میں تمہارا پیار ابھی تک موجود ہے۔ تمہاری کوئی بہن اور کوئی بہنوئی برداشت نہیں کرتا کہ تم اُن کے گھر میں قدم بھی رکھو۔ تُو نے ماں کا دماغ خراب کر رکھا ہے اور تُو نے باپ کے وقار کو دِلّی کی گلیوں میں مسل ڈالا ہے اور باپ کو تُو نے دل کا مریض بنا دیا ہے۔"

"میری بات تو سُنو آپا!" — عزیز نے ذرا دبی ہوئی آواز میں کہا — "میں تمہاری سب غلط فہمیاں دُور کر دوں گا۔ اس لڑکی کا اغوا میری عزّت کا سوال ہے۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ میرے پاس آئی تھی۔"

"نکل جا یہاں سے" — زبیدہ نے ایک بازو پھیلا کر انگلی دروازے کی طرف کرتے ہوئے کہا — "تُو نے مجھے ہاشمی صاحب جیسے شریف لوگوں میں ذلیل کر دیا ہے۔ تُو نے ایک ہندو کے ساتھ مجھے وہاں بھیجا اور یہ جھوٹ بولا کہ یہ مسلمان ہے اور اس کا نام عبدالرحمٰن ہے۔"

عزیز کچھ کہنے لگا تھا کہ زبیدہ نے جمیل کی طرف دیکھا۔

"عزیز!" — جمیل نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا — "گیٹ آؤٹ۔"

عزیز کے چہرے سے شگفتگی ڈھل گئی اور اس کی جگہ سنجیدگی آ گئی۔

جمیل کی گرجدار آواز نے کمرے کو ہلا ڈالا — "گیٹ آؤٹ۔"

عزیز اُٹھا۔

"نکل جا اس گھر سے" — زبیدہ نے غصیلی اور رندھی ہوئی آواز میں کہا — "ہندو کے جاسوس! پھر کبھی تیری صورت نہ دیکھوں۔"

"جمیل صاحب!" — عزیز نے جاتے جاتے دروازے میں رُک کر کہا — "مجھ سے بچ کے رہنا۔"

"نکل جا مردُود!" — زبیدہ نے چلّا کر کہا اور بچّوں کی طرح پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

عزیز اس قدر غصّے میں نکلا کہ بڑے دروازے تک اُس کے قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی۔

جمیل نے زبیدہ کی پیٹھ پر تھپکی دی اور اُسے چُپ کرانے لگا۔

"کیا مَیں نے آپ کے دل سے وہ کدورت نکال دی ہے جو میری ہی غلطیوں نے پیدا کی تھی؟" — زبیدہ نے جمیل سے پوچھا۔

"ہاں زبیدہ!" — جمیل نے آہ بھر کر کہا — "دل صاف ہوں تو بچھڑے ہوئے بھی مل جاتے ہیں۔"

گلی میں عزیز کی گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور

PdfStuff.blogspot.com

رات خاموش ہو گئی۔

عبدالقدیر اور ہاشمی، رفیقی کے گھر بیٹھے ہوتے تھے۔ اُن کے سامنے حسن طارق رفیقی کے گھر کی تمام چادریں، پلنگ پوش اور تکیوں کے غلاف بکھرے ہوتے تھے۔ عبدالقدیر نے اُسے بتایا تھا کہ جو چادر رِشی پر ڈالی گئی تھی وہ واپس نہیں آئی تھی۔

"کیا اُس چابی پر دھوبی مارک تھا؟" —— عبدالقدیر نے اُس سے پوچھا تھا۔

ان کے سامنے جو کپڑے بکھرے ہوتے تھے، وہ اُن تینوں نے دیکھ لئے تھے۔ دو پلنگ پوشوں پر دھوبی کے نشان تھے۔

"پریشان نہ ہوں" —— رفیقی نے کہا —— "یہ نشان یہاں کے کسی دھوبی کے نہیں۔ یہاں میری بیوی کپڑے واشنگ مشین میں دھوتی ہے۔ یہ دھوبی مارک جو آپ نے ان کپڑوں پر دیکھے ہیں، دِلّی کے کسی دھوبی کے نہیں۔ یہ کپڑے میری بیوی کے ساتھ کبھی اُس کے میکے گئے ہوں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہاں کپڑے دھوبی کے پاس جاتے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ میری بیوی کا میکہ شہر دِلّی سے کتنا دُور ہے .... یہ نشان اُس صورت میں پکڑا جا سکتا ہے کہ میرے گھر کی نشاندہی ہو جاتے اور خانہ تلاشی ہو۔"

"یہاں تک نوبت نہیں پہنچے گی" —— عبدالقدیر نے کہا۔

دوسرے دن اِس علاقے کے تھانے کا سکھ تھانیدار ایک حوالدار اور دو کانسٹیبلوں کے ساتھ ایک دھوبی کی دکان میں داخل ہُوا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چادر تھی جس کا ایک کونہ دھوبی کے آگے رکھ کر اُس نے پوچھا کہ یہ کونسے گھر کا نشان ہے۔

دھوبی نے نشان کو غور سے دیکھا اور سر ہلا کر کہا کہ یہ کسی اور دھوبی کا نشان ہے۔

تھانیدار چونکہ سکھ تھا اور تھانیدار بھی تھا اور دھوبی غریب آدمی تھا اس لئے تھانیدار نے دھوبی کو گالیوں کی زبان میں کہا کہ بعد میں پتہ چلا کہ یہ تمہارا نشان ہے تو کم از کم پانچ سال کے لئے اندر کرا دوں گا۔

"دکان آپ کے سامنے ہے سردار صاحب!" —— دھوبی نے ہاتھ جوڑ کر کہا —— "آپ خود دیکھ لیں۔ میں اور میرے یہ دونوں بیٹے آپ کو کپڑے نکال نکال کر دیتے رہیں گے۔ میں غریب آدمی پولیس سے کچھ چھپانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

تھانیدار نے دو اور دھوبیوں کی دکانوں پر جا کر یہ نشان دیکھنے کے لئے ایسی کارروائی کی جیسے پولیس چھاپہ مارا کرتی ہے لیکن یہ نشان نہ ملا۔

عزیز نے اپنے ذاتی مخبروں کو اس کام پر لگا دیا کہ وہ کسی طرح معلوم کریں کہ ہاشمی اور عبدالقدیر کے کپڑے کس دھوبی کے پاس جاتے ہیں۔ یہ دونوں آدمی جب پہلے ہی دھوبی کے پاس گئے تو دھوبی نے انہیں بتایا کہ تھانیدار صاحب معلوم کر گئے ہیں۔

"مَیں جانتا ہوں کہ آپ لوگ پولیس کی طرف سے آتے ہیں" —— دھوبی نے اُنہیں کہا —— "مَیں نے تھانیدار صاحب سے بھی کہا تھا کہ تمام کپڑے خود دیکھ لیں لیکن اُنہوں نے نہیں دیکھے۔ آپ کو بھی مَیں یہی کہوں گا کہ دکان آپ کے سامنے ہے۔ خود دیکھ لیں۔ مَیں آپ کو بھٹی پر لے چلوں گا اور تمام کپڑے آپ کے سامنے رکھ دوں گا۔ خود دیکھ لیں۔"

"صرف ایک بات بتا دو" —— عزیز کے ایک مُخبر نے دھوبی سے کہا —— "تم فریدالدین ہاشمی اور عبدالقدیر کو جانتے ہو؟ کیا اُن کے کپڑے تمہارے پاس آتے ہیں؟"

"نہیں صاحب!" —— دھوبی نے جواب دیا —— "مَیں نے یہ دونوں نام پہلی بار سُنے ہیں .... مَیں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ دھوبیوں کے پاس زیادہ تر کپڑے ہندوؤں کے آتے ہیں۔ مسلمان کپڑے خود دھوتے ہیں

Pdfstuff.blogspot.com

یا اُنہوں نے واشنگ مشینیں رکھی ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں کہ آپ جو نشان تلاش کر رہے ہیں یہ کسی ہندو کا ہے یا مسلمان کا۔"

"یہ کسی مسلمان کے کپڑوں کا نشان ہے" — ایک مخبر نے کہا۔

شام کے بعد کا وقت تھا، عزیز اُسی وقت اپنے گھر پہنچا تھا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ عزیز نے ریسیور اُٹھایا۔ سکھ تھانیدار بول رہا تھا۔

"عزیز صاحب!" — تھانیدار نے کہا — "دھوبی مارک مل گیا ہے .... یہ کوئی جمیل احمد ہے۔"

عزیز نے ایڈریس پوچھا تو یہ جمیل احمد اس کا اپنا بہنوئی نکلا۔ عزیز کا ردِ عمل ایسا تھا جیسے اُس کے وجود میں بڑی زور کا دھماکہ ہُوا ہو اور اُس کے جسم کے ٹکڑے بکھر گئے ہوں۔ کچھ دیر تک تو وہ سوچ بھی نہ سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ تھانیدار سے کہا کہ وہ اُسے ابھی فون کرتا ہے۔ فون بند کر کے وہ سوچ میں پڑ گیا۔

اُسے بہن کی لعن طعن یاد آئی اور اس کے ساتھ ہی اُسے خیال آیا کہ اپنے افسروں کے سامنے اُس کی بے عزتی ہوتی ہے۔ اگر اُس کی بہن اُس کے ساتھ انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر میں چلی جاتی اور رِشی کو دیکھ کر کہہ دیتی کہ اُس نے اسی لڑکی کو ہاشمی کے گھر دیکھا تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتی کہ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس لڑکی پر کسی نشہ آور دوائی کا اثر تھا تو عزیز کو اس سے بہت فائدہ مل سکتا تھا۔ یہ اُس کی بہت بڑی کامیابی ہوتی۔ اُس کی تنخواہ اور اُس کے گریڈ میں اضافہ ہو جاتا لیکن بہن نے اُس کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی کہ ترقی ملنے کی بجائے افسروں نے اُس پر اس شک کا اظہار کیا تھا کہ وہ کسی ذاتی دشمنی کی وجہ سے ہاشمی وغیرہ کے پیچھے پڑا ہُوا ہے۔

اُسے یاد آیا کہ اُس کے بہنوئی جمیل نے اُسے بہت ہی بے آبرو کر کے اپنے گھر سے نکالا تھا۔ عزیز کے لئے یہ بات بھی ناقابلِ برداشت

تھی کہ یہی ایک بہن تھی جس کے دل میں اُس کی محبت تھی۔ وہ بھی ہاتھ سے گئی۔

عزیز کا دماغ پھر گیا۔ اُس نے ریسیور اُٹھایا اور سکھ تھانیدار کے تھانے کا نمبر ملایا۔ اُدھر تھانیدار ہی بول رہا تھا۔ عزیز کی ذہنی کیفیت ایسی تھی جیسے وہ انسانیت سے اور انسانی جذبات سے دستبردار ہو گیا ہو۔

"سردار صاحب!" — عزیز نے سکھ تھانیدار سے کہا — "اس شخص جمیل احمد کو ابھی تھانے میں بلا کر حوالات میں بند کر دیں۔"

"نہیں عزیز صاحب!" — تھانیدار نے کہا — "مَیں آپ کے کہنے پر یا کسی کے بھی کہنے پر کسی کو حوالات میں بند نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ انٹیلی جنس کے کارکن ہیں لیکن یہ سوچ لیں کہ انٹیلی جنس کا سب سے بڑا افسر بھی اگر مجھے زبانی کہے گا کہ میں فلاں آدمی کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دوں تو بھی میں ایسا نہیں کروں گا۔ آپ اپنے محکمے کا ایک لیٹر میری طرف بھجوا دیں جس پر کسی بڑے افسر کے دستخط ہوں۔ لیٹر میں لکھوائیں کہ یہ آدمی ہمارا مُشتبہ ہے اور اسے حوالات میں بند کر لیا جائے اور ہم اُسے حوالات میں لے آئیں گے۔"

"صبح آپ کو بتاؤں گا کہ لیٹر بھیجا جائے گا یا اُس شخص کو میرا محکمہ خود ہی گرفتار کرے گا" — عزیز نے کہا — "آپ کل اُس دھوبی کو ساتھ لے کر صبح دس بجے انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر میں پہنچ جائیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کے لئے آپ کو کسی لیٹر کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

عزیز نے اُسے اپنے ہیڈ کوارٹر کا ایڈریس بتایا اور یہ بھی کہا کہ وہ اگر رِکشے یا ٹیکسی پر آئے گا تو اُسے کرایہ مل جائے گا۔

"مَیں وقت پر پہنچ جاؤں گا" — سکھ تھانیدار نے کہا۔

عزیز نے صبح دفتر پہنچتے ہی میجر بھاٹیہ کو بتایا کہ دھوبی کا نشان

Pakistanipoint.blogspot.com

مل گیا ہے اور تھانیدار نے اُسے اس شخص کے گھر کا یہ ایڈریس بتایا ہے۔

"مجھے اسی شخص پر شک تھا" — عزیز نے میجر بھاٹیہ سے کہا — "اس شخص نے میرا بلکہ انٹیلی جنس کا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا ہے۔"

"وہ کیسے؟" — میجر بھاٹیہ نے پوچھا اور کہنے لگا — "بات صاف کرو عزیز!"

"صاف بات یہ ہے صاحب!" — عزیز نے کہا — "یہ جمیل احمد میرا بہنوئی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میری بہن نے رِشی کو ہاشمی کے گھر میں دیکھا تھا۔"

"ہاں ہاں!" — میجر بھاٹیہ نے کہا — "یہ سارا قصہ مجھے معلوم ہے۔ یہ معاملہ تھانے تک پہنچ گیا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ رِشی ہاشمی کے گھر سے برآمد نہیں ہوئی تھی۔"

"مَیں اپنی بہن کے گھر گیا تھا" — عزیز نے کہا — "مَیں اپنی بہن کو یہاں لاکر رِشی کو اُس کے سامنے کھڑا کر کے پوچھنا چاہتا تھا کہ اُس نے اس لڑکی کو ہاشمی کے گھر میں دیکھا تھا یا وہ کوئی اور تھی؛ میری یہ بہن مجھ سے اتنی زیادہ محبت کرتی ہے کہ مجھے پوری اُمید تھی کہ وہ میرے ساتھ آجائے گی لیکن خلافِ توقع اُس نے میری اتنی بے عزتی کی جیسے وہ بھول ہی گئی ہو کہ میں اُس کا بھائی ہوں۔ میرا بہنوئی خاموش کھڑا رہا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اُس نے میری بہن کی برین واشنگ کی ہوئی ہے۔ اُس نے میری بہن کو یہی ایک دھمکی دی ہوگی کہ وہ اُسے طلاق دے دے گا۔ سر! یہ ایک ایسی دھمکی ہے جسے میری بہن برداشت نہیں کر سکتی۔ میری بہنیں ہی بہنیں ہیں۔ میری اس بہن کے تو بچے بھی جوان ہو چکے ہیں۔ میرے ماں باپ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ میری یہ بہن یا کوئی بھی بہن طلاق لے کر گھر آ بیٹھے۔"

"عزیز بھائی!" — میجر بھاٹیہ نے کہا — "تمہاری ان باتوں سے ذاتی یا گھریلو دشمنی ظاہر ہوتی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنے بہنوئی پر انٹیلی جنس کے سلسلے میں یعنی رِشی کے اغوا کے سلسلے میں کیا شک ہے اور ایسا شک کیوں ہے!"

"آپ کو وہ سارا واقعہ معلوم ہے جب یہ معاملہ تھانے تک پہنچ گیا تھا" — عزیز نے کہا — "میرا یہ بہنوئی بھی تھانے پہنچ گیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ تھانے اس لئے گیا تھا کہ ہاشمی وغیرہ میری بہن کو بھی تھانے لے گئے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ ہُوا وہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تھانے سے نکل کر میرا بہنوئی میری بہن کے ساتھ جانے کی بجائے ہاشمی اور عبدالقدیر کے ساتھ چلا گیا تھا۔ مجھے شک ہے کہ رِشی کو ہاشمی کے گھر سے میرے بہنوئی جمیل احمد کے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا اور اُسے وہاں سے میرے گھر پہنچایا گیا.... مَیں نے متعلقہ پولیس انسپکٹر کو کہہ دیا ہے کہ وہ جمیل احمد کو آج دس بجے یہاں لے آئے۔ وہ اُسے لا رہا ہے۔ مَیں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میری بہن کو بھی یہاں لایا جائے اور رِشی کو بھی۔"

"میں سمجھتا ہوں تم کیا چاہتے ہو" — میجر بھاٹیہ نے کہا — "تم اپنی بہن سے رِشی کی شناخت کرانا چاہتے ہو۔ میں اس سلسلے کو اب بیکار سمجھتا ہوں کیونکہ چیف نے اس معاملے کو ٹھپ کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے رِشی کے بیان کو سچ مان لیا ہے۔ ہمارا تعلق رابی کے ساتھ ہے اور رابی بالکل ٹھیک ہے۔ اُسے رِشی کے ساتھ واپس پاکستان بھیجا جا رہا ہے.... کیا زینی ٹھیک چل رہی ہے؟"

"سو فیصد ٹھیک سر!" — عزیز نے جواب دیا — "اس لڑکی نے رابی پر اپنا جادو چلا لیا ہے۔ مَیں آپ کو ساتھ ساتھ رپورٹ دے رہا ہوں.... رِشی کو تو رابی نے دھتکار دیا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ خود کسی کے ساتھ چلی گئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ رِشی کو جاتے ہی طلاق دے دے گا....

Pdfstuff.blogspot.com

یہ کام تو بالکل اُسی طرح ہو رہا ہے جس طرح آپ نے اور چیف نے سکیم بنائی ہے، لیکن سر! اس لڑکی کے اغوا کے سلسلے میں جو میری بے عزتی ہو رہی ہے اُس کا بھی خیال رکھیں۔ میری پوزیشن صرف اس طرح صاف ہو سکتی ہے کہ میری بہن کو یہاں بلائیں اور اُس سے رِشی کی شناخت کروائیں۔ ہو سکتا ہے رِشی میری بہن کو دیکھ کر یہ بھی کہہ دے کہ اُسے اس عورت کے گھر میں رکھا گیا تھا۔ میرے بہنوئی کو دیکھ کر شاید رِشی کے ذہن میں انتقام کی تلخی پیدا ہو جائے اور وہ کہہ دے کہ اس آدمی نے اُسے قید میں رکھا تھا۔"

"میں تمہاری بہن کو بلوا لیتا ہوں" — میجر بھاٹیہ نے کہا — "لیکن تمہاری اور کوئی توقع پوری نہیں ہوگی۔ تمہیں معلوم نہیں کہ رِشی کس قدر خود اعتمادی اور ذہنی پختگی سے بیان دے چکی ہے۔ اُس پر جو جرح کی گئی تھی، وہ ویسی ہی تھی جیسی کسی بھی مشتبہ پر کی جاتی ہے۔ اگر اُس کا بیان سچا نہ ہوتا تو وہ کہیں نہ کہیں ایسا جواب دے دیتی جس سے اُس کے بیان کی سچائی پر شک ہوتا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ چیف نے کرنل اوجھا اور میجر سجن سنگھ اور مجھے بلا کر باقاعدہ میٹنگ کی تھی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ رِشی کو پاکستانی ایجنٹوں نے اغوا نہیں کیا تھا اور اگر انہی ایجنٹوں نے ہی کیا تھا تو یہ لڑکی اُن کے کسی کام نہیں آسکتی تھی کیونکہ اسے معلوم ہی نہیں کہ اُس کا خاوند انٹیلی جنس کا رُکن بن چکا ہے۔"

"سر!" — عزیز نے کہا — "مجھے اپنے بہنوئی کے سامنے نہیں ہونا چاہیئے۔"

"تمہاری ضرورت ہی نہیں" — میجر بھاٹیہ نے کہا۔

دس بجے کے لگ بھگ سکھ تھانیدار جمیل اور دھوبی کو ساتھ لے کر پہنچ گیا۔ عزیز نے اُنہیں کھڑکی میں سے دیکھا اور چپڑاسی کو بلا کر کہا کہ تھانیدار کو میرے پاس لے آؤ، لیکن یہ نہ بتانا کہ کس نے بلایا ہے۔

تھانیدار عزیز کے پاس آیا تو عزیز نے اُسے بتایا کہ وہ خود سامنے

نہیں ہوگا اور وہ یعنی تھانیدار میجر بھاٹیہ کے پاس جائے گا۔ عزیز نے تھانیدار کو یہ بھی بتایا کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت سامنے نہیں آنا چاہتا۔

"یہ مقصد میں جانتا ہوں" — تھانیدار نے کہا — "یہ شخص جمیل احمد تمہارا بہنوئی ہے۔ اگر ایسی بات تھی تو مجھے پہلے بتاتے۔ مَیں تو اُسے بتا چکا ہوں کہ عزیز احمد نام کا ایک آدمی اس تفتیش کی پیروی کر رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تمہارا بہنوئی ہے۔ اس نے مجھے ساری بیک گراؤنڈ بتائی ہے۔"

یہ سُن کر عزیز پریشان ہو گیا۔ اُس نے تھانیدار کو میجر بھاٹیہ کے کمرے میں بھجوا دیا۔ دھوبی مارک والی چادر تھانیدار کے ہاتھ میں تھی۔

میجر بھاٹیہ نے دھوبی کو باہر کھڑا رہنے دیا۔ تھانیدار اور جمیل کو اندر بُلا کر بڑے اچھے طریقے سے اُن کا استقبال کیا۔ انہیں بٹھایا۔ اُس کے کہنے پر تھانیدار نے چادر میجر بھاٹیہ کے آگے میز پر رکھ دی اور کونے پر جو دھوبی مارک تھا وہ اُسے دکھایا۔

"کیوں صاحب!" — میجر بھاٹیہ نے جمیل سے پوچھا — "کیا یہ دھوبی مارک آپ کے کپڑوں کا ہے؟"

"نہیں صاحب!" — جمیل نے جواب دیا — "یہ چادر ہماری نہیں ہے اور میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ چادر میرے گھر کی نہیں۔ اس چادر کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ اُس شخص کے ساتھ بدقسمتی سے میرا تعلق بڑا گہرا ہے جس نے پولیس کو میرے پیچھے ڈالا ہے۔"

"جمیل صاحب!" — میجر بھاٹیہ نے کہا — "مَیں نے آپ سے صرف یہ پوچھا ہے کہ یہ دھوبی مارک آپ کے کپڑوں کا ہے یا نہیں۔"

"مَیں پھر کہتا ہوں" — جمیل نے جواب دیا — "کہ یہ چادر میرے گھر کی نہیں۔ میرے کپڑوں کا دھوبی مارک ایسا ہی ہے۔ دھوبی ساتھ آیا ہے۔ آپ اُسے بلا کر پوچھیں۔"

PdfSoft.blogspot.com

دھوبی کو اندر بلایا گیا اور اُسے یہ نشان دکھا کر پوچھا گیا۔

"حضور!" ـــ دھوبی نے جواب دیا ـــ "یہ نشان جمیل صاحب کے کپڑوں جیسا ہی لگتا ہے، لیکن کچھ فرق معلوم ہوتا ہے۔"

"انسپکٹر صاحب!" ـــ میجر بھاٹیہ نے سکھ تھانیدار سے پوچھا ـــ "کیا آپ نے جمیل صاحب کے گھر کے کچھ اور کپڑے دیکھے تھے؟"

"نہیں صاحب!" ـــ تھانیدار نے جواب دیا۔

"اتنی سی تو بات آپ خود بھی سوچ سکتے تھے" ـــ میجر بھاٹیہ نے کہا ـــ "اِن کے گھر کا کوئی ایک آدھ کپڑا تو لے آتے۔"

"مَیں نے تو کبھی غور بھی نہیں کیا کہ دھوبی نشان کس جگہ لگاتا ہے" ـــ جمیل نے کہا۔

"آپ کی اس قمیض پر نشان ہوگا" ـــ دھوبی نے کہا۔

جمیل فوراً اُٹھا، کوٹ اُتارا، ٹائی کھولی اور دھوبی سے پوچھا کہ نشان کہاں ہوگا۔ دھوبی نے آگے بڑھ کر اُس کی قمیض کے بٹن کھولے اور وہاں سے قمیض کو ذرا سا اُٹھایا۔ نیچے والے کاج کے ساتھ دھوبی مارک تھا۔ میجر بھاٹیہ نے اُٹھ کر یہ نشان دیکھا، پھر چادر کا کونہ قریب کر کے اُس نشان سے ملایا۔ چادر کے نشان کی تین عمودی لکیریں تھیں جن کی لمبائی ایک ہی جیسی تھی، لیکن قمیض کا جو دھوبی مارک تھا اُس کی تین لکیروں میں سے درمیان والی لکیر ذرا لمبی تھی۔

"کیا یہ لکیر تم نے خود لمبی رکھی ہے؟" ـــ میجر بھاٹیہ نے دھوبی سے پوچھا اور اُسے نشان دکھایا۔

"ہاں حضور!" ـــ دھوبی نے جواب دیا ـــ "تین برابر لکیروں والے نشان کے کپڑے لالہ چرن داس کے ہیں۔"

"کیا تم نے تھانیدار صاحب کو یہ فرق بتایا نہیں تھا؟" ـــ میجر بھاٹیہ نے پوچھا۔

"انہوں نے مجھ سے اور کچھ پوچھا ہی نہیں" ـــ دھوبی نے جواب

دیا ـــ "ہم غریب آدمی ہیں حضور! تھانیدار صاحب نے میری لانڈری میں آکر ایسا غصہ جھاڑا کہ مَیں کچھ سوچ ہی نہ سکا۔ یہ نشان اچھی طرح دیکھ بھی نہ سکا۔ مَیں نے ان کے ڈر سے کانپتے ہوئے کہہ دیا کہ یہ جمیل صاحب کا دھوبی مارک ہے۔"

میجر بھاٹیہ نے دھوبی کو باہر نکال دیا اور تھانیدار سے کہنے لگا کہ اُس نے تفتیشی کارروائی صحیح طریقے سے کئے بغیر اپنا بھی اور دوسروں کا بھی وقت ضائع کیا ہے۔

انٹیلی جنس والے کسی کو اتنی جلدی نہیں چھوڑا کرتے۔ وہ بال کی کھال اُتارا کرتے ہیں، لیکن میجر بھاٹیہ اس معاملے میں سنجیدہ نہیں تھا کیونکہ اُس کا چیف رِشی کے اغوا کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اُس نے دھوبی کے اس جواب کو بھی قبول کر لیا تھا کہ یہ دو نشان جو اُس کے سامنے رکھے گئے ہیں دو مختلف لوگوں کے ہیں۔

میجر بھاٹیہ نے تھانیدار کو بھی باہر بھیج دیا۔

"جمیل صاحب!" ـــ اُس نے پوچھا ـــ "اپنے متعلق آپ کچھ بتانا چاہیں گے؟"

جمیل نے اپنے متعلق بتایا کہ وہ گریجویٹ ہے اور فوڈ ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہے۔ اپنے متعلق تو اُس نے زیادہ نہ بتایا البتہ عزیز کے متعلق اُس نے اُس کی پوری ہسٹری سنانی شروع کر دی۔

"یہ سب بلیک میلنگ ہے صاحب!" ـــ جمیل نے کہا ـــ "عزیز کا کوئی بھی بہنوئی اسے اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ میری بیوی جو اس کی بڑی بہن ہے اسے بہت چاہتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک عزیز مجھ سے کسی نہ کسی بہانے پیسے لیتا رہا ہے۔ پھر اس نے مجھ سے اُدھار پیسے مانگنے شروع کر دیئے۔ مَیں اسے دیتا رہا۔ کرتے کرتے یہ میرا پانچ ہزار روپے کا مقروض ہو گیا۔ مَیں نے اسے مزید رقم دینی چھوڑ دی اور یہ بھی طے کیا کہ یہ میرے گھر نہ آیا کرے۔ ہمیں تو معلوم

Pdfstuff.blogspot.com

ہی نہیں تھا کہ یہ انٹیلی جنس میں ہے۔ اس نے اپنی بہن تک کو اپنے اس خفیہ کام میں استعمال کیا۔"

جمیل نے میجر بھاٹیہ کو وہ سارا واقعہ سنایا جو بھاٹیہ کو پہلے ہی معلوم تھا۔ بھاٹیہ نے اُس سے کچھ باتیں پوچھیں۔ اسی دوران اُسے اطلاع ملی کہ زبیدہ نام کی ایک خاتون کو لایا گیا ہے۔ اس کے فوراً بعد بھاٹیہ کو یہ اطلاع ملی کہ رِشی اور رابی بھی آ گئے ہیں۔

جمیل کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا گیا۔ میجر بھاٹیہ نے زبیدہ کو اندر بلایا اور کُرسی پر بٹھایا پھر وہ باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو اُس کے ساتھ رِشی تھی۔ بھاٹیہ نے اُسے کھڑا رہنے دیا۔

"محترمہ!" — بھاٹیہ نے زبیدہ سے کہا — "آپ ذرا اُٹھ کر اِس لڑکی کے سامنے کھڑی ہو جائیں۔"

زبیدہ اُٹھی اور رِشی کے سامنے ہو گئی۔

"آپ دونوں ایک دوسری کو دیکھیں" — میجر بھاٹیہ نے ان سے کہا — "اور بتائیں کہ آپ نے ایک دوسری کو پہلے کبھی دیکھا ہے؟"

دونوں کے دِل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگے۔ رِشی پر خوف طاری ہو گیا۔ اُس نے جھوٹا بیان دیا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ زبیدہ نے کہہ دیا کہ اُس نے اس لڑکی کو ہاشمی کے گھر دیکھا تھا تو اُسے نہ جانے کیسی سزا دی جائے گی۔ زبیدہ کی سوچ بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ اُس نے تھانے میں کہا تھا کہ اُس نے ہاشمی کے گھر کسی لڑکی کو نہیں دیکھا تھا۔ رِشی تو اُس سوسائٹی کی لڑکی تھی جس میں عزت اور بے عزتی کا، حیا اور بے حیائی کا تصور کچھ اور تھا لیکن زبیدہ چار دیواری کی دُنیا کی عورت تھی جو بُرقع تو نہیں لیتی تھی، لیکن اپنے آپ کو پردہ نشین کہہ سکتی تھی۔ وہ عزت اور عصمت کی قدر و قیمت کو سمجھتی تھی۔ اُس کے چہرے پر ایسا پھیکا سا رنگ آ گیا جو غشی سے پہلے آیا کرتا ہے۔

میجر بھاٹیہ باری باری دونوں چہروں کے بدلتے رنگ دیکھ رہا تھا۔

زبیدہ کی ذات میں شکست و ریخت شروع ہو گئی۔ اُس کی حالت اُس ریتلے ٹیلے کی سی ہو گئی جسے تیز و تُند آندھی ریزہ ریزہ کر کے اُڑا رہی ہو۔

"مجھے کس گناہ کی سزا دی جا رہی ہے!" — زبیدہ نے روتی ہوئی سی آواز میں کہا اور اُس کے آنسو بہنے لگے۔

"آپ کو ہم پریشان نہیں کر رہے مسز جمیل!" — میجر بھاٹیہ نے کہا — "آپ صرف یہ بتا دیں کہ اس لڑکی کو آپ نے پہلے کبھی دیکھا ہے؟"

"نہیں دیکھا" — اُس نے روتے ہوئے احتجاج کے لہجے میں کہا — "نہیں دیکھا۔ اسے میں نے پہلے کہیں بھی نہیں دیکھا۔"

رِشی کے چہرے کا اُڑا ہوا رنگ واپس آ گیا۔

"مَیں آپ کو یاد دلاتا ہوں" — میجر بھاٹیہ نے زبیدہ سے کہا — "آپ نے اسے فریدالدین ہاشمی کے گھر ایک کمرے میں دیکھا ہو گا۔"

"مَیں نے اِسے کہیں نہیں دیکھا" — زبیدہ کُرسی پر اس طرح بیٹھ گئی جیسے گر پڑی ہو۔ روتے ہوئے کہہ رہی تھی — "اگر یہ کہتی ہے کہ اس نے مجھے کہیں دیکھا ہے تو یہ جھوٹ بولتی ہے۔"

"مسٹر بھاٹیہ!" — رِشی بولی — "مَیں آپ کو بتا چکی ہوں مجھے کہاں لے گئے تھے اور کون لے گئے تھے۔ کیا آپ اِس عورت سے کہلوانا چاہتے ہیں کہ اِس نے مجھے کہیں اور دیکھا تھا؟ یہ عورت میرے لئے اجنبی ہے۔ آج پہلی بار اسے دیکھ رہی ہوں۔"

"آپ مجھ پر ایک کرم کریں" — زبیدہ نے منت سماجت کے لہجے میں کہا — "میرے خاوند کو بلا دیں۔ اُن کا نام جمیل احمد ہے۔ محکمۂ خوراک میں ہیں۔ مَیں اُن کا فون نمبر بتاتی ہوں۔ وہ آفس چلے گئے تو آپ کے آدمی

Pdfstuff.blogspot.com

مجھے گاڑی میں زبردستی بٹھا کر لے آتے۔"

"جمیل صاحب یہیں ہیں" — میجر بھاٹیہ نے کہا۔

"وہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" — زبیدہ نے گھبراتے ہوئے لہجے میں پوچھا — "کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے مجھے بلوایا ہو؟"

"میں آپ کے ایسے سوالوں کے جواب نہیں دے سکوں گا" — بھاٹیہ نے کہا — "کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ نے اس لڑکی کو پہلے کہیں نہیں دیکھا؟"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں؟" — زبیدہ نے جواب دیا۔ وہ رِشی کی اس بات سے دلبرداشتہ ہو گئی تھی کہ اُس نے زبیدہ کی شناخت سے انکار کر دیا تھا۔ کہنے لگی — "آپ ایک ہزار بار پوچھیں تو بھی میں یہی کہوں گی کہ میں نے اس لڑکی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"مسٹر بھاٹیہ!" — رِشی نے کہا — "آپ مجھے پاکستان واپس کیوں نہیں بھیج دیتے؟"

"میرے ساتھ آئیں مسز رابی!" — میجر بھاٹیہ اُسے ایک اور کمرے میں لے گیا۔

وہاں جمیل بیٹھا ہوا تھا۔ میجر بھاٹیہ کے کہنے پر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"انہیں دیکھیں" — بھاٹیہ نے رِشی سے کہا — "انہیں تو آپ نے کہیں دیکھا ہو گا!"

"او ماتی گاڈ!" — رِشی نے دونوں ہاتھ اپنے ماتھے پر مار کر کہا — "آپ کیوں میرا ٹارچر کر رہے ہیں! کبھی کسی کو کبھی کسی کو میرے سامنے لے آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اسے میں نے کہاں دیکھا تھا۔"

میجر بھاٹیہ خود بھی پریشان ہو گیا اور رِشی کو یہ کہہ کر باہر بھیج دیا کہ رابی کے پاس چلی جائے۔ جمیل کو وہ اپنے کمرے میں لے گیا جہاں زبیدہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسے دیکھ کر زبیدہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں" — زبیدہ نے جمیل سے کہا

— "میرا خیال ہے کہ عزیز ہم سے انتقام لے رہا ہے" — اُس نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا — "یہ کیا جگہ ہے؟ پولیس سٹیشن تو نہیں لگتا۔"

"یہ یہاں کی انٹیلی جنس کا ہیڈ کوارٹر ہے" — جمیل نے کہا — "تمہارا بھائی عزیز اسی محکمے میں ملازم ہے۔"

"نہیں جمیل صاحب!" — میجر بھاٹیہ نے پردہ پوشی کے لئے کہا — "عزیز اس محکمے میں باقاعدہ ملازم نہیں۔ آپ ہر کسی کو یہ نہ بتاتے پھرنا جو آپ اپنی مسز کو بتا رہے ہیں ورنہ آپ افواہیں پھیلانے کے جُرم میں پکڑے جائیں گے۔"

زبیدہ نے میجر بھاٹیہ کو بتایا کہ اُس نے عزیز کو کس طرح بے عزت کر کے اپنے گھر سے نکالا تھا۔ زبیدہ نے بھاٹیہ کو یہ بھی بتایا کہ عزیز اُس کے گھر کیوں آیا تھا اور عزیز نے اُسے کس طرح اپنے کام میں استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اس بے غیرت کو اپنی بہن کی عزت بے عزتی کا بھی خیال نہیں" — زبیدہ نے کہا — "میں نے جب اسے کہا کہ میرے گھر سے نکل جاؤ تو یہ نہیں اُٹھ رہا تھا۔ جمیل صاحب نے اسے دو بار کہا گیٹ آؤٹ۔ تب عزیز اُٹھا اور کمرے سے نکلا۔ دروازے میں رُک کر اس نے جمیل صاحب کو دھمکی دی کہ اب مجھ سے ہوشیار رہنا۔"

"فوراً ہی اسے انتقام لینے کا بہانہ مل گیا" — جمیل نے کہا — "صاحب! آپ بھی اسی ملک کے شہری ہیں۔ آپ کے کپڑے دھوبی ہی دھوتے ہوں گے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ ایک ہی شہر کے مختلف مختلف علاقوں کے دھوبی مارک آپس میں ملتے ہیں۔ یہاں لاتے ہوئے راستے میں اس سکھ پولیس انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا تھا کہ عزیز کے ساتھ تمہاری کوئی دشمنی تو نہیں؟"

میجر بھاٹیہ پر خاموشی طاری تھی۔ وہ اِن دونوں کو اپنے دفتر میں

Pakistanipoint.blogspot.com

چھوڑ کر کرنل اوجھا کے دفتر میں چلا گیا اور اُسے بتایا کہ آج اُس کے سامنے کیا مسئلہ آیا ہے۔ اُس نے دھوبی مارک کی ساری روئیداد سنائی، جمیل اور زبیدہ نے عزیز کے متعلق جو باتیں کی تھیں وہ سنائیں اور دھوبی مارک کے متعلق اپنی یہ رائے دی کہ یہ جمیل احمد کا معلوم نہیں ہوتا۔

"سر! میں عزیز کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں" — بھاٹیہ نے کہا — "یہ شخص ہمیں گمراہ کر رہا ہے۔ اس نے بہت کام کئے ہیں لیکن اس مشن میں اس نے میری نظروں میں اپنے اعتماد کو مجروح کر دیا ہے۔ اسے اپنی بڑی بہن کی عزت اور آبرو کا بھی خیال نہیں۔ اپنے بہنوئی سے پیسے بٹورتا ہے، اس کا مقروض بھی ہے اور اسی کو آنکھیں دکھاتا ہے۔"

"او احمق!" — کرنل اوجھا نے میجر بھاٹیہ سے کہا — "تم ابھی بچے ہو۔ تہہ تک پہنچنا سیکھو۔ تم عزیز کے کردار کی جو رپورٹ دے رہے ہو یہ دوسرے سرکاری محکموں کے ملازموں کے متعلق دی جاتی ہے۔ انٹیلی جنس کے کارکنوں کے کردار میں کچھ اور دیکھا جاتا ہے۔ تم عزیز کی جو خامیاں بیان کر رہے ہو یہ دراصل خوبیاں ہیں۔ اس شخص کا جو شعبہ ہے، اس میں ہمیں ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے جو اپنی بہنوں کی عزت کا بھی خیال نہ کریں اور جو بہنوئیوں کو کھاتے رہیں اور اُن کے مقروض ہو کر بھی اُنہیں ذلیل کرنے سے باز نہ آئیں۔ عزیز میں یہ خوبیاں موجود ہیں۔ یہ ہمارے کام کا آدمی ہے .... میجر بھاٹیہ! اس حقیقت کو ہمیشہ ذہن میں رکھو کہ ہندو لڑکی اپنی عصمت سے اور مسلمان مرد اپنے ایمان سے بڑی جلدی دستبردار ہو جاتا ہے۔ ہم دونوں ہندو ہیں۔ عصمت سے دستبردار ہونے والی ہندو لڑکیوں سے ہمیں شرمسار نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنے ملک کی خاطر اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے ہمیں اپنی عصمتوں کی قربانی دینے سے شرمسار نہیں ہونا چاہیئے۔ مسلمان جو اپنے ملک اور اپنی قوم کے غدار بن جاتے ہیں وہ بھی تو شرمسار نہیں ہوتے۔"

"پھر میں اس دھوبی مارک والے معاملے کا کیا کروں سر؟" — میجر بھاٹیہ نے پوچھا۔

"یہیں ختم کر دو" — کرنل اوجھا نے کہا — "چیف فیصلہ کر چکا ہے کہ رشی کے اغوا پر مزید کوئی بات نہ ہو۔ تم خود اس میٹنگ میں موجود تھے .... عزیز کو تھوڑی سی تنبیہ کر دو کہ وہ ذاتی دشمنی کو درمیان میں نہ لائے اور پوری توجہ اپنے کام کو دے، لیکن بھاٹیہ! اُسے بیک اپ کرنا کہ اُس نے اپنی ڈیوٹی میں اپنی بہن اور اپنے بہنوئی کی بھی پرواہ نہیں کی .... ان سب کو فارغ کر دو۔"

میجر بھاٹیہ نے سب کو فارغ کر دیا۔

رشی کے لئے یہ صورتِ حال بڑی ہی تکلیف دہ تھی۔ یہ صورتِ حال تو اُس کے لئے پیدا ہو گئی کہ اُسے اغوا کر لیا گیا، اسے اپنے لئے تکلیف دہ اُس نے خود بنایا تھا۔ اگر وہ ہاشمی، عبدالقدیر اور بیگم ہاشمی کو دیکھ کر کہہ دیتی کہ وہ انہی کی قید میں رہی ہے تو ہاشمی کے مکان کی اور اُس کمرے کی بھی نشاندہی ہو جاتی جس میں وہ قید رہی تھی پھر انٹیلی جنس والے رفیقی کے مکان کی بھی نشاندہی کرا لیتے لیکن رشی کو اس قید میں ایسی روشنی نظر آ گئی تھی جس سے اُس کی فطرت پر چھائی ہوئی تاریکی چھٹ گئی تھی۔ اُس کی ذات میں ایسا انقلاب آ گیا تھا جس نے اسے باطل کی گود سے نوچ کر حق کی گود میں پھینک دیا تھا۔

وہ اُس دنیا میں واپس آ گئی جہاں سے اُسے اغوا کیا گیا تھا تو اُس کی حالت اُس مچھلی کی سی ہو گئی جسے پانی سے نکال کر ریت پر پھینک دیا گیا ہو۔ وہ تڑپ تڑپ کر پانی کی طرف جانے کی کوشش کرتی تھی — اُسے پانی اور ریت کا فرق معلوم ہو گیا تھا۔

اُس کے دل میں رابی کی، عزیز کی اور اُس سوسائٹی کی جس کی وہ پروردہ تھی، نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اسی نفرت کے اثرات تھے کہ اُس

Pakistanipoint.com

نے بڑی دلیری سے جھوٹ بولے تھے۔ اُس نے اُن سب کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا جنہیں وہ جانتی اور پہچانتی تھی۔ اُس کے لئے اس کے نتائج خطرناک بھی ہو سکتے تھے لیکن اُس نے نتائج کی پرواہ نہیں کی تھی۔

اُس کے دل میں یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ ہاشمی، اُس کی بیوی، عبدالقدیر، زبیدہ، رفیقی اور اُن آدمیوں کے ساتھ جو اُسے اشو کا ہوٹل سے دھوکے میں اپنے ساتھ لے گئے تھے، کوئی رشتہ ہے اور یہ رشتہ روحانی ہے۔ وہ تو ان کی قید سے آزاد ہونا ہی نہیں چاہتی تھی۔

رابی نے رِشی کے دل میں اپنے خلاف نفرت میں اضافہ کر دیا۔

"تم خود ان کے ساتھ گئی تھیں" — رابی نے اُسے اُس کا یہ بیان سن کر کہ اُسے چار نوجوان دھوکے میں لے گئے تھے، کہا تھا — "اتنی جرأت کوئی نہیں کر سکتا کہ اتنے بڑے ہوٹل سے کوئی کسی ایسی لڑکی کو اغوا کر کے لے جائے جو سرکاری مہمان ہو اور وہ یہ جرأت بھی کریں کہ لڑکی کو واپس بھی چھوڑ جائیں۔"

رِشی نے تڑپ تڑپ کر انکار کیا اور رابی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ لے جائی گئی تھی خود نہیں گئی تھی۔

"تم ہاں کیوں نہیں لیتیں رِشی کہ تم خود گئی تھیں!" — زینی نے کہا تھا جو اُس وقت وہاں موجود تھی۔ اُس نے کہا تھا — "رابی اتنا سویٹ ہے کہ میں اس کی بیوی ہوتی تو اس سے کبھی بیوفائی نہ کرتی۔"

"تم نہیں جانتیں زینی!" — رابی نے کہا — "یہ بیچاری بے قصور ہے۔ اس کی ماں نے اس کی فطرت کو جس سانچے میں ڈھالا تھا اس سے یہ تو باہر نہیں جا سکتی۔ اُس کی جوانی دوسرے مردوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے گزری تھی۔ قصور اُس کا بھی نہیں تھا۔ اُس کا باپ سرکاری رقمیں اور غیر ملکی قرضے غبن کرتا رہتا اور رشوت خور بھی تھا۔ پردہ پوشی کا اور پکڑے جانے کی صورت میں بچ نکلنے کا ذریعہ اس کی

ماں کو بنایا ہوا تھا۔ وہ خوبصورت اور جوان عورت تھی۔ پتھر جیسے مردوں کو موم کرنے کا ڈھنگ جانتی تھی۔ درندوں کو بھی رام کر لیتی تھی۔ اس کا باپ مر گیا تو ماں نے اپنا یہ کام جاری رکھا۔ میں پہلے ایسی بات نہیں کرتا تھا۔ اب کہتا ہوں کہ یہ (رِشی) جوان ہوتی تو ماں نے اسے بھی اپنی لائن پر چلا لیا۔"

"تم بکواس کرتے ہو" — رِشی نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "تم کتے ہو رابی! تم بھونک رہے ہو۔"

"کیا تم نے مجھے نہیں پھانسا تھا؟" — رابی نے کہا — "تم نے مجھے محبت نہیں جسم پیش کیا تھا اور میں تمہارے جسم کی کشش میں پھنس گیا تھا۔"

"تم یہ بکواس اس لئے کر رہے ہو کہ اس وقت تم پر ایک اور جسم غالب آیا ہوا ہے" — رِشی نے کہا اور زینی کی طرف اشارہ کر کے بولی — "یہ بھی مجھ جیسی ماں کی بیٹی ہے جو رائیں تمہارے ساتھ اور عزیز کے ساتھ گزار رہی ہے۔"

"مُنہ بند رکھ لڑکی!" — زینی نے اُسے انگریزی میں ڈانٹ کر کہا — "میں چار چار لڑکوں کے ساتھ خاوند کو دھوکہ دے کر غائب ہو جانے والی لڑکی نہیں۔"

"تم لڑکی ہو ہی نہیں" — رِشی نے کہا — "تم کُتیا ہو۔"

"رِشی!" — رابی غصے سے بھرا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا جیسے رِشی کو جان سے مار ڈالے گا، کہنے لگا — "اگر تم نے ایسی بکواس پھر مُنہ سے نکالی تو...."

"جہاں ہو وہیں رہو رابی!" — رِشی نے ایسے تحمل سے کہا جس میں قہر بھرا ہوا تھا — "اگر تم نے میرے جسم کو ہاتھ بھی لگایا تو بہت بُرا انتقام لوں گی۔"

زینی نے یہ ڈھونگ رچایا کہ رونی سی صورت بنا کر اس گھر سے

pdfstuff.blogspot.com

نکل گئی۔ رابی ایک بار پھر رِشی پر حملہ آور ہونے لگا لیکن عزیز کمرے میں آگیا۔ اُس نے رابی کو روک دیا اور اسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔

رابی پر صرف زَینی ہی سوار نہیں تھی بلکہ رِشی کو واپس لانے والے آدمیوں نے عزیز کے ساتھ اُس کی پٹائی کی تھی۔ اُس کے مُنہ پر دو جگہوں پر ابھار آگیا تھا جس نے اُس کے چہرے کو بھدّا بنا دیا تھا۔ اس کا غصّہ بھی وہ رِشی پر جھاڑ رہا تھا۔ کہتا تھا کہ رِشی کے خفیہ دوستوں نے اُس کا یہ حُلیہ بنا دیا ہے۔

"بیوقوف نہ بنو رابی!" — عزیز نے اُسے کہا — "رِشی کے ساتھ یہاں ایسا سلوک نہ کرو جو تم نے شروع کر دیا ہے۔ اس لڑکی پر کوئی بڑا ہی خطرناک اثر کام کر رہا ہے۔ یہ جو بیان دے رہی ہے کہ اسے ایک اینگلو انڈین نوجوان ہوٹل سے دھوکے میں لے گیا تھا، جھوٹا بیان ہے۔ یہ پرانی دِلّی کے اُن ہی مسلمانوں کے پاس رہی ہے جن کی مَیں نے نشاندہی کی تھی۔ میری بہن نے اسے وہاں دیکھا تھا۔"

"مَیں انٹیلی جنس کے افسروں پر حیران ہوں کہ انہوں نے تمہاری بات مانی ہی نہیں" — رابی نے کہا — "اور انہوں نے اس فلرٹ لڑکی کے جھوٹے بیان کو سچ تسلیم کر لیا۔"

"اِن افسروں کی بات چھوڑو" — عزیز نے کہا — "بعض غلطیاں دانستہ کی جاتی ہیں۔ ان میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ مَیں تمہیں کچھ اور سمجھا رہا ہوں۔ رِشی کو پیار اور محبت سے اپنے قابو میں رکھو۔ اس کے خیالات بدلے ہُوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اِس ناقابلِ برداشت سلوک سے رِشی یہاں سے بھاگ جائے اور ہمارے لئے کوئی مشکل پیدا کر دے۔"

"ہمارے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" — رابی نے پوچھا —

"انٹیلی جنس کے لئے؟"

"ہم دونوں کے لئے!" — عزیز نے جواب دیا — "جو لوگ اسے لے گئے تھے وہ تمہیں بھی لے جا سکتے ہیں۔ یہ تو واپس آگئی ہے، تم واپس نہیں آسکو گے۔"

"اگر یہ ان لوگوں کے زیرِ اثر آگئی تھی تو واپس کیوں آگئی ہے؟" — رابی نے پوچھا۔

"یہ کوئی سازش معلوم ہوتی ہے" — عزیز نے جواب دیا — "اسے پاکستان لے جاؤ۔ وہاں جا کر اسے طلاق دے دینا۔ مَیں پاکستان جاتا ہی رہتا ہوں۔ وہاں ہمارے دوسرے ایجنٹ بھی موجود ہیں۔ وہ اس پر نظر رکھیں گے۔ اگر اس نے ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کی تو اسے غائب کر دیا جائے گا۔ زَینی تمہارے عشق میں تڑپ رہی ہے۔ مَیں اسے پاکستان بھجوانے کا انتظام کر دوں گا اور تم اس کے ساتھ شادی کر لینا۔"

"یہ بات تو پہلے ہی طے ہو چکی ہے" — رابی نے کہا — "میرا خیال ہے کہ رِشی کو معلوم نہیں کہ مَیں انڈین انٹیلی جنس میں شامل ہو گیا ہوں۔"

"مَیں یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا" — عزیز نے کہا۔

"اگر اسے معلوم ہوتا تو یہ بول پڑتی" — رابی نے کہا — "مَیں نے اسے جو ذلیل کیا ہے اور جو بہتان اس پر لگا دیئے ہیں، ان کے جواب میں یہ مجھے ضرور کہتی کہ تم انڈیا کے جاسوس بن گئے ہو۔"

"اس نے کہا ہے یا نہیں" — عزیز نے کہا — "ہمیں بہت ہی محتاط ہونا پڑے گا۔"

رِشی کو معلوم تھا کہ رابی انڈین انٹیلی جنس میں شامل ہو چکا ہے۔ اگر پہلے اسے شک تھا تو یہ دیکھ کر اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا کہ اس کے اغوا کی تفتیش پولیس سٹیشن کی بجائے انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر میں

Pakistani.blogspot.com

ہو رہی تھی۔ رابی جب رِشی پر الزام تھوپ رہا تھا کہ وہ خود کسی کے ساتھ گئی تھی، رِشی کے ہونٹوں تک یہ بات آگئی تھی کہ میں بدکار ہی سہی لیکن میں پاکستان کے دشمن ملک کی جاسوسی نہیں۔ وہ کہنے ہی والی تھی کہ تم ہندوؤں کے جاسوس ہو لیکن اُس نے یہ سچا الزام نگل لیا تھا۔

اُس نے ہاشمی کے گھر میں جو روشنی پائی تھی اور ہاشمی کی بیوی نے اس کے ذہن کو جس نور سے منوّر کیا تھا، یہ اُسے راستے دکھا رہا تھا اور خطرے اس کی روح کی آنکھ کو اپنے آپ ہی دکھائی دیتے تھے۔ اس کے ذہن میں یہ سوچ آگئی تھی کہ وہ انڈیا میں ہے اور انڈیا کے جاسوسوں کے قبضے میں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اُسے ایسا لاپتہ کریں کہ اُس کی لاش بھی نہ ملے۔

وہ مرنے سے نہیں ڈرتی تھی۔ اُسے اپنی ماں سے محبت تھی اور وہ ماں کو دنیا کی عظیم ترین عورت سمجھتی تھی لیکن رابی اور اُس کی ماں نے اُسے بتایا تھا کہ اُس کی ماں آبرو باختہ عورت ہے اور اُس کی جو جائداد ہے اور بنک میں اُس کا جو بیلنس ہے یہ سب باپ کی حرام کی اور ماں کی عصمت کی کمائی ہے۔

رشی نے رابی سے محبت کی تھی لیکن رابی نے شادی کے بعد اُسے کہہ دیا تھا کہ اُسے رِشی کا جسم اچھا لگا تھا۔

رابی کی ماں نے اُسے اور اُس کی ماں کو دھتکار دیا تھا۔

پھر اس انکشاف نے اُس کے دل پر کاری ضرب لگائی تھی کہ رابی انڈیا کا جاسوس ہے۔ اب رابی اُس سے چھن گیا تھا لیکن رابی اُسے بیوفا کہہ رہا تھا۔

رِشی کو مر جانے میں ہی نجات نظر آتی تھی لیکن ہاشمی، اُس کی بیوی اور عبدالقدیر کی باتیں اُسے زندہ رہنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ اُسے یہ سوچ بھی آگئی کہ اب اگر اُس نے یہ تیر رابی پر چلا دیا تو یہ نہ صرف خطا جائے گا بلکہ واپس آکر اُسی کے سینے میں پیوست ہو جائے گا، پھر کیوں نہ

یہ تیر اُس وقت چلائے جب یہ نشانے پر بیٹھے۔

اُس کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اُس نے ہونٹ سی لئے۔

"یہاں نہیں!" — اُس کے ذہن سے ایک آواز اُٹھی — "پاکستان پہنچ کر۔"

پاکستان تک یہ آواز پہنچانے کا انتظام عبدالقدیر کے پاس بھی تھا۔ جس روز وہ رفیقی کے پاس یہ معلوم کرنے گیا تھا کہ چادر پر دھوبی کا نشان تو نہیں تھا، اُس شام وہ اذان سے ذرا پہلے چاندنی چوک چلا گیا۔ بازار میں آہستہ آہستہ چلتے چلتے ایک جنرل سٹور میں چلا گیا۔ یہ ایک مسلمان کا خاصا بڑا جنرل سٹور تھا جس میں مالک کے علاوہ دو سیلز مین تھے۔ ان میں سے ایک نے عبدالقدیر کو دیکھا تو وہ مُسکرایا۔ عبدالقدیر اُس کے سامنے کاؤنٹر پر جا کھڑا ہوا۔

"اچھی قسم کی بنیانیں دکھا دیں" — عبدالقدیر نے اس سیلز مین سے کہا — "اچھی قسم کا مطلب ہے بہت ہی اچھی۔"

سیلز مین نے تین چار ڈبے اُس کے آگے رکھ کر کھول دیئے۔ عبدالقدیر ان ڈبوں پر اس طرح جھک گیا جیسے بنیانیں بڑی غور سے دیکھ رہا ہو۔ دکان میں چند اور گاہک تھے۔ سیلز مین کاؤنٹر کی دوسری طرف سے ذرا سا جُھکا۔ اُس کے اور عبدالقدیر کے سروں میں بمشکل چھ انچ فاصلہ رہ گیا۔

"کوئی خاص بات؟" — سیلز مین نے سرگوشی میں پوچھا۔

"ہاں!" — عبدالقدیر نے جواب دیا اور ایک ڈبے میں سے ایک بنیان نکال کر سیدھا ہو گیا۔ اسے کھولا اور دھیمی آواز میں بولا — "عشاء کی نماز کے بعد۔"

"اُسی مسجد میں؟" — سیلز مین نے سرگوشی کی۔

"ہاں!" — عبدالقدیر نے بنیان رکھ دی اور آہستہ آہستہ چلتا

Pdfstuff.blogspot.com

جنرل سٹور سے نکل گیا۔

وہ اپنے گھر کی طرف جانے والی بس پر سوار ہُوا اور بس اُسے چاندنی چوک سے نکال لے گئی۔

عشاء کی نماز کے وقت وہ حوض قاضی کے قریب ایک مسجد میں تھا۔ وہ گھر بتا آیا تھا کہ ایک دوست کے ہاں جا رہا ہے، ذرا دیر سے لوٹے گا۔ وہ سیلز مین بھی مسجد میں آگیا۔ انہوں نے باجماعت نماز پڑھی پھر سُنّت اور نوافل پڑھ کر الگ بیٹھ گئے۔ سیلز مین نے قرآن مجید کھول کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ عبدالقدیر یوں اُس کے قریب بیٹھ گیا جیسے اُسے قرآن پڑھا رہا ہو۔ نمازی مسجد سے ایک ایک کر کے جا رہے تھے۔

"کیا خبر ہے؟" — سیلز مین نے پوچھا۔

"محمود بھائی!" — عبدالقدیر نے کہا — "ایک شکار ہے۔ مَیں تمہیں پاکستان کے دو ایڈریس دیتا ہوں" — اُس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی تہیں کھولیں اور کُھلے ہوتے قرآن پر رکھ دیا۔ سیلز مین جس کا نام محمود تھا، کاغذ پر لکھے ہُوتے ایڈریس پڑھنے لگا۔

"یہ ایڈریس ایم اے ملک کا ہے" — عبدالقدیر نے کہا — "ڈیفینس ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔ ذرا دیکھو اس کی پوسٹ کتنی اہم ہے۔ یہ اس کے گھر کا ایڈریس ہے .... اور یہ اس کا بیٹا ہے۔ اس کا نام رب نواز ہے اور رابی کہلاتا ہے بلکہ رابی کے نام سے ہی جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ یہ یہاں اپنی بیوی کے ساتھ آیا ہُوا ہے۔"

"خود آیا ہے؟" — محمود نے پوچھا — "یا لایا گیا ہے؟"

"لایا گیا ہے" — عبدالقدیر نے جواب دیا — "نوجوان ہے۔ اس کی بیوی بھی نوجوان ہے۔ تم تو جانتے ہو کہ یہ 'را' کے مشن کے تحت لائے گئے ہیں۔ کوئی شک نہیں رہا کہ یہ لڑکا یہاں کی انٹیلی جنس کا باقاعدہ آلۂ کار بن چکا ہے۔"

"یہ لڑکا زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے" — محمود نے کہا — "چونکہ اس کے ساتھ اس کی نوجوان بیوی ہے .... کیسی ہے؟ خوبصورت

ہو گی اور چالاک بھی!"

"خوبصورت بھی ایسی ہے کہ تم دیکھتے ہی رہ جاؤ" — عبدالقدیر نے جواب دیا — "بڑی سمارٹ لڑکی ہے۔ عقل اور ذہانت والی ہے۔ اگر انٹیلی جنس کی نظر سے دیکھیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لڑکی بے حد خطرناک ثابت ہو سکتی ہے لیکن یہاں معاملہ اُلٹ ہو گیا ہے۔ رابی کو تو انڈین انٹیلی جنس نے پوری طرح اپنے جال میں لے لیا ہے لیکن اس لڑکی کو معلوم ہی نہیں کہ اس کا خاوند انڈین انٹیلی جنس کا ایجنٹ بن چکا ہے اور اسی سلسلے میں دِلّی لایا گیا ہے .... اب یہ سُنو کہ مَیں نے اس لڑکی کے متعلق یہ معلومات کہاں سے اور کس طرح حاصل کی ہیں۔"

عبدالقدیر نے اُسے پوری تفصیل سے سنایا کہ اُسے کس طرح پتہ چلا تھا کہ یہ میاں بیوی دِلّی میں لائے گئے ہیں۔ اُس نے عزیز کا نام لیا۔ عزیز کے متعلق محمود کو بتایا کہ اُس کا ذاتی کردار کیا اور فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے۔ عبدالقدیر نے محمود کو بتایا کہ رِشی کو کس طرح اغوا کر کے لایا گیا اور اپنے دوست ہاشمی کے گھر میں رکھا گیا تھا۔ لڑکی کی قید کے دوران کی تمام باتیں عبدالقدیر نے محمود کو سنائیں۔ پھر یہ سنایا کہ کس طرح عزیز نے اپنی بہن کو ہاشمی کے گھر اس شبہے میں بھیجا تھا کہ لڑکی اس گھر میں ہے۔ پھر اُس نے محمود کو سنایا کہ دوسرے روز کس طرح عزیز کی بہن ایک ہندو ایجنٹ کو بُرقعے میں لپیٹ کر ہاشمی کے گھر لے گئی لیکن لڑکی کو وہاں سے شِفٹ کر دیا گیا تھا۔ عبدالقدیر نے محمود کو یہ بھی بتایا کہ معاملہ تھانے تک پہنچ گیا تھا لیکن اللہ نے بڑی مدد کی اور معاملہ تھانے میں ہی ختم ہو گیا۔

اس کے بعد جو جو کچھ ہُوا وہ عبدالقدیر نے محمود کو بتایا۔

"مَیں آپ کی یہ روئیداد سُن کر محسوس کرتا ہوں کہ میں اسے سچ نہ مانوں" — محمود نے کہا — "آپ تربیت یافتہ انٹیلی جنس کا کام کر رہے ہیں۔ آپ کی باتیں سن کر میرا خون کھولنے لگا ہے۔ مجھے ایسے

Pdfstuff.blogspot.com

محسوس ہوتا ہے جیسے میں آپ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کر رہا ....
اگر ہندوستان میں آپ جیسے کچھ اور مسلمان میدانِ عمل میں آجائیں تو ہم انڈین انٹیلی جنس، ان کی 'را' اور دوسری تخریب کار ایجنسیوں کو بیکار اور مفلوج کر سکتے ہیں۔"

"یہاں بیٹھے ہمیں بہت دیر ہو گئی ہے" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "کوئی شک نہ کرے۔ باہر چلتے ہیں۔ پارک میں ٹہلتے ٹہلتے باقی بات کر لیں گے۔ اپنے متعلق مجھے یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ انٹیلی جنس نے مجھے نگرانی میں رکھ لیا ہو گا۔ تم تو اس چکر سے واقف ہی ہو۔"

محمود نے قرآن بند کر کے الماری میں رکھا اور عبدالقدیر کے ساتھ مسجد سے نکل آیا۔ کچھ دُور بچوں کا ایک وسیع اور سرسبز پارک تھا۔ دونوں اس پارک میں سیمنٹ کے ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گئے۔

"میں تمہیں اس لڑکی کے متعلق کچھ بتانے لگا تھا" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "ظاہر ہے کہ اس لڑکی کو جب ہم نے قید میں رکھا تو پہلے روز بہت پریشان ہوئی۔ ہم نے اسے بتایا کہ اسے کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ ایک دو دن اور راتیں گزر گئیں تو لڑکی کو یقین ہو گیا کہ اس کے ساتھ ہمارا اور کوئی مطلب نہیں اور ہم غنڈے بدمعاش اور بردہ فروش نہیں۔ پتہ چلا کہ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کا خاوند کس چکر میں پڑا ہوا ہے۔ مَیں نے اور ہاشمی صاحب اور ان کی بیوی نے اس لڑکی کے ساتھ اسلام، اسلامی جذبے، ذاتی اور قومی وقار کی باتیں کیں تو لڑکی کا ردِعمل ایسا تھا جیسے اُس نے یہ باتیں پہلے کبھی نہ سُنی ہوں اور یہ باتیں اُس کے دل میں اترتی ہوئی صاف نظر آ رہی ہوں۔ تم یہ سمجھ لو کہ اُس کے خاوند کی برین واشنگ 'را' نے کی ہے اور اُس کی بیوی کی برین واشنگ ہم نے اپنے رنگ میں کر دی ہے۔"

"لیکن یہ تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کی کی ہوئی برین واشنگ

ہمیشہ قائم رہے گی" ـــ محمود نے کہا ـــ "وہ اپنے خاوند کے رنگ میں کسی وقت بھی رنگی جا سکتی ہے۔"

"یہ خطرہ تو ہے" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "لیکن اس پر غور کرو کہ ہمیں انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر میں بلایا گیا اور اس لڑکی سے شناخت پریڈ کرائی گئی اور لڑکی نے ہماری شناخت سے انکار کر دیا .... پھر ہمارے آدمی جو رشی کو واپس عزیز کے گھر لے گئے تھے، عزیز اور اس لڑکی کے خاوند رابی کی پٹائی کر کے آ گئے تھے۔ اس لڑکی نے اپنے خاوند کی اور اپنے میزبان عزیز کی پٹائی بھی برداشت کر لی۔ اس سے ہمیں اُمید ملتی ہے کہ یہ لڑکی ہمیں دھوکا نہیں دے گی۔ پھر بھی خطرہ تو ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارا تمہارا انحصار اس لڑکی پر ہو گا۔ میں تمہیں اس لڑکی کے گھر کا ایڈریس بھی دے رہا ہوں۔ تم نے پڑھ لیا ہے یہ بھی لاہور کا ایڈریس ہے۔ لڑکی کے بیان کے مطابق اس گھر میں اُس کی صرف ماں رہتی ہے۔"

"مجھے تو پاکستان کے ایڈریس چاہئیں" ـــ محمود نے کہا ـــ "مَیں یہ ایڈریس اور دوسری تمام معلومات جو آپ نے مجھے دی ہیں پاکستان آئی ایس آئی تک پہنچا دوں گا۔ آئی ایس آئی خود سنبھال لے گی۔ لڑکی خواہ کسی بھی رنگ میں رنگی جاتے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کی ماں کا کردار صحیح نہیں" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "اُس کا خاوند غبی اور رشوت خور افسر تھا اور یہ عورت اپنی عصمت کی قربانی دے کر اُسے بچاتی رہی ہے۔ ایسی عورت دشمن کی انٹیلی جنس کا بڑی آسانی سے شکار ہو سکتی ہے۔"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں" ـــ محمود نے کہا ـــ "یہ میرا اور آئی ایس آئی کا کام ہے۔ پاکستان میں کون کیا ہے، اسے سنبھالنا ہمارا کام ہے۔"

"مَیں نے لڑکی کا نام بھی لکھ دیا ہے" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "اصل نام راشدہ ہے اور رشی کہلاتی ہے۔"

pdfbooksfree.blogspot.com

"اگر یہ معلوم ہو جاتے کہ یہ میاں بیوی کب واپس جا رہے ہیں تو بہتر ہوگا" ـــ محمود نے کہا ـــ "میں بہرحال تین چار دنوں کے اندر اندر یہ تمام معلومات پاکستان بھجوا دوں گا۔ آئی ایس آئی والے وہاں سے معلوم کر لیں گے کہ ان کا ویزہ کب تک ہے .... اس لڑکے کا باپ ڈیفینس میں ہے۔ وہ تو بڑے خطرناک راز انڈیا کو دے سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے دے بھی چکا ہو" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "اگر تم نے کچھ اور پوچھنا ہو تو پوچھ لو۔"

"یہ انفارمیشن کافی ہے" ـــ محمود نے کہا ـــ "اور یہ بڑی قیمتی انفارمیشن ہے .... اب چلنا چاہیئے۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔"

"اللہ پر ہی بھروسہ ہے" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "یہ میرا ایمان ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس سلسلے میں ہم جن خطروں سے صاف بچ کر نکلے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمیں اپنے اللہ کی خاص کرم نوازی حاصل ہے۔ لڑکی کا ہماری شناخت سے انکار معجزے سے کم نہیں۔"

"عبدالقدیر صاحب!" ـــ محمود نے کہا ـــ "ہماری سب سے بڑی کمزوری ہمارے حکمران ہیں۔ اب تک ہم نے یہ دیکھا ہے کہ پاکستان کے حکمران سیاسی لیڈر ہوں یا جرنیل، سب انڈیا کے آگے جھکے جھکے سے رہتے ہیں۔ پاکستان میں تو ایسا بھی ہوا ہے اور ہوتا رہتا ہے کہ آئی ایس آئی نے کسی بڑے افسر کی نشاندہی کی کہ وہ انڈیا کا جاسوس ہے تو معاملہ اُوپر ہی اُوپر رفع دفع کر دیا گیا۔ جس ملک کی انٹیلی جنس کو حکمران اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے اور سیاسی مخالفین کو دباتے رکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ ملک اپنے دشمن سے کس طرح بچ سکتا ہے۔ خود ہی غور فرمائیں کہ ہمارا یہ دشمن ملک کس طرح ہمارے گمراہ نوجوانوں کو اپنے کام میں استعمال کر رہا ہے۔ کیا پاکستان نے کبھی ہندو سکھ یا بھارت کے عیسائی نوجوانوں کو اس طرح برین واشنگ کر کے اپنے

کام میں لانے کی کوشش کی ہے؟ ہم یہ کام کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس کے لئے موزوں آدمی یہاں بھیجے جائیں اور مطلوبہ سہولتیں فراہم کی جائیں۔ ادھر ہم دشمن کے ملک میں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر کام کر رہے ہیں، اُدھر ہمارے بادشاہ اپنے مفادات اور اپنی سوچوں میں مگن ہیں۔ بہرحال ہم اپنے فرائض جان کی بازی لگا کر بھی پورے کر رہے ہیں۔"

"پاکستان اللہ کی اور شہیدوں کی سرزمین ہے" ـــ عبدالقدیر نے کہا ـــ "اللہ ہی پاکستان کے حکمرانوں اور حکمرانی کے خواہش مند لیڈروں کو ہدایت دے گا۔"

عبدالقدیر اور محمود پارک سے اُٹھے، باہر نکلے اور ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ کر اپنی اپنی راہ لگ گئے ـــ خدا ہی ان کا حافظ اور نگہبان تھا۔

محمود پاکستان کی انٹیلی جنس آئی ایس آئی کا کارندہ تھا۔ وہ پاکستانی تھا اور گزشتہ دو سال سے دِلّی میں بھارتی شہری کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ یہ سب جعل سازی اور بہروپ تھا۔ ان دو سالوں میں وہ آئی ایس آئی کو بڑی قیمتی انفارمیشن دے چکا تھا۔ کوئی ایک سال پہلے عبدالقدیر نے اپنے طور پر محمود کو دریافت کیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اعتماد میں لے لیا تھا۔ گزشتہ ایک سال سے ان کی ملاقاتیں اسی مسجد میں ہو رہی تھیں جہاں اُس رات انہوں نے عشاء کی نماز پڑھی تھی۔

چار پانچ دنوں بعد رابی اور رِشی طیارے میں بیٹھے ہوتے تھے اور طیارے کے انجن سٹارٹ ہو چکے تھے۔ مسافروں نے سیفٹی بیلٹیں باندھ لی تھیں۔ یہ بیلٹیں تو ایک ہی قسم کی تھیں لیکن رابی بھارت کی ایک بڑی ہی حسین بیلٹ سے بندھ چکا تھا۔ وہ اس بندھن کے حُسن میں کھویا ہُوا تھا۔ وہ اُن خطروں سے بے نیاز تھا جو اس حُسن میں پوشیدہ تھے۔ اُس کے ذہن میں زینی سمائی ہوئی تھی۔ اُس کی سوچوں اور خیالوں پر بھارت کی اسی ہندو لڑکی کا غلبہ تھا جو اُس کے دل کی دنیا میں

pdfbooksfree.blogspot.com

زینت آفتاب عرف زینی کے بہروپ میں داخل ہوتی تھی۔ اس بہروپ میں رابی کے لئے طلسماتی کشش تھی۔

طیارہ رَن وے کے سرے پر پہنچ چکا تھا۔ رِشی باہر دیکھ رہی تھی۔ رابی زینی کے تصور میں ایسا گم تھا کہ اُسے معلوم ہی نہ تھا کہ طیارہ اُڑنے کے لئے رَن وے پر دوڑ پڑا ہے۔ رابی گزشتہ رات کے لمحوں میں کھویا ہُوا تھا۔ اُس کے نتھنوں میں زینی کے جسم کی بُو باس ابھی تک موجود تھی جس میں سینٹ بھی شامل تھی۔ یہ مسحور کُن تحفہ تھا جو وہ دِلّی سے لے جا رہا تھا۔ زینی آدھی رات تک اُس کے بیڈروم میں رہی تھی۔ گناہ کی بدبو بھی اُس کے لئے عطر بیز تھی۔

رِشی اُس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اتنی قریب کہ دونوں ایک دوسرے کو چھُو رہے تھے لیکن رابی اور رِشی کے درمیان بڑا لمبا فاصلہ حائل ہو گیا تھا۔ یہ میاں بیوی ندی کے دو کنارے بن گئے تھے جو کبھی بھی اور کہیں بھی نہیں مل سکتے۔ ان کے درمیان محبت اور نفرت کی ندی بہہ رہی تھی ـــــ رابی کے دل میں زینی کی محبت اور رِشی کے دل میں رابی کی نفرت تھی۔

طیارہ فضا میں بلند ہو چکا تھا اور دِلی پر چکر کاٹ کر پاکستان کی طرف محوِ پرواز تھا۔

جب طیارہ پاکستان کی سرحد میں داخل ہُوا، اُس وقت بھارت کی ایک ریل گاڑی پاکستان کی سرحد میں داخل ہوتی جس میں بھارتی اور پاکستانی مسافر سوار تھے۔ ان میں اشتیاق علی نام کا ایک بھارتی مسلمان بھی تھا جو پاکستان میں اپنے عزیزوں سے ملنے آ رہا تھا۔ اُس کے پاس رابی اور رِشی کے گھروں کے ایڈریس تھے۔ محمود نے اُسے وہ تمام روئیداد سُنا دی تھی جو عبدالقدیر نے اُسے سنائی تھی۔ اشتیاق کو معلوم تھا کہ یہ قصّہ پاکستان میں جا کر کہاں اور کِسے سنانا ہے ـــــ وہ آئی ایس آئی کا ایجنٹ تھا۔